جپسی

مستنصر حسین تارڑ

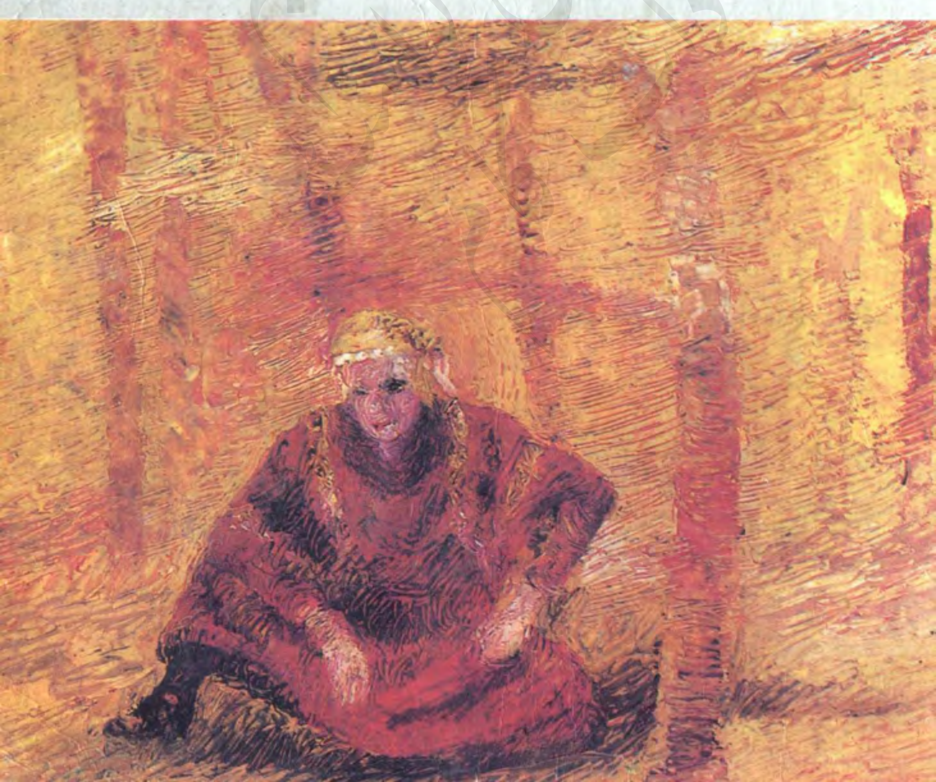

۵

آپ کو معلوم ہے کہ آج رات جھیل ٹھُن کے کنارے آتشبازی چھوڑی جائے گی، اُسے دیکھے بغیر تو آپ یہاں سے جا ہی نہیں سکتے۔ . . .

کیا یہ فقرہ ابھی تک ان فضاؤں میں موجود ہے . . . اِس گھاس کے میدان میں کہیں خوابیدہ ہے ؟ اُس نہر کی روانی میں اس کا پَر تو ہے ؟ اور نہر سے پرے ینگ فرو کی برفپوش چوٹی کی سفیدیوں میں کہیں اس کا سایہ باقی ہے کہ نہیں . . . یہ فقرہ کتنا قدیم ہے ؟ . . . . اُتنا ہی جتنا کہ وہ چہرہ جو میرے سامنے ہے . . . . اس چہرے پر کتنے برس ہیں۔ کتنے سال اس پر لکیروں کی صورت رقم ہیں کہ ہم اس چہرے پر بیتے اسے زندگی کے سفر میں سے گذار کر یہاں تک لائے . . . .

اوّلین تجربوں کا میدان سرسبز تھا۔

شائد وہی سفید نشست اور یقیناً وہی پُرسکون اور گھاس کی سطح پر بہتی نہر جو جھیل ٹھُن اور جھیل بریینز کو آپس میں ملاتی تھی۔ سبزے کی تازہ مہک اور پانی کی نم آلود قربت ہوا میں تھی۔

اس نے سفید نشست کی سطح پر انگلی پھیری۔ وہاں گرد تھی۔ وہ اُس پر رومال بچھا کر بیٹھ گئی ”آؤ بیٹھ جاؤ۔“

"میں اس منظر کو پہلی مرتبہ دن کی روشنی میں دیکھ رہا ہوں۔۔۔؟" میں نے اپنے پاؤں کو دیکھا۔

"میں بھی اُس کے بعد پہلی مرتبہ یہاں آئی ہوں۔۔۔" وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔

وہ کس کے بعد پہلی مرتبہ یہاں آئی تھی؟۔۔۔۔ ہاں اُس کے بعد۔۔۔ کس کے بعد؟۔۔۔ زمین وہی تھی مگر اس پر قیام کرنے والے خانہ بدوش کب کے کوچ کر چکے تھے۔۔۔۔ وہ خانہ بدوش کون تھے؟ کہاں سے آئے اور کہاں چلے گئے۔۔۔۔ اُن کے کندھوں پر اُن کے خیمے تھے اور کھانے پینے کا سامان تھا۔۔۔ وہ آئے یہاں چند روز ٹھہرے اور پھر چلے گئے۔۔۔۔ تب ان کے کندھے توانا اور مضبوط تھے اور اب جھک رہے تھے۔

نہر کے کنارے گھاس تھی۔ وہ ہمارے جسموں سے دبی تھی۔

میں نے اس سرسبز حصے کو دیکھا جسے میں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا کہ میں جب کبھی اس پر لیٹا تو تاریکی تھی اور آس پاس سوائے پانی کی روانی کے اور حدتوں کے اور کچھ نہ تھا۔ ایسی حدتیں جو یخ زمین کو گرم کر کے آسودگی حاصل کرتی تھیں۔

آج رات جھیل تھُن کے کنارے آتشبازی۔۔۔۔

کتنے برس پہلے۔۔۔۔ اس چہرے پر کتنے برس لکھے ہیں اور ان میں کتنے دن میرے تھے؟ صرف چند دن۔۔۔۔ اور وہ دن چمکتے ہیں۔۔۔۔

"بیٹھ جاؤ" وہ پھر بولی۔

میں سفید نشست کے دوسرے سرے پر بیٹھ گیا مگر بے دلی کے ساتھ۔۔۔۔ سرسبز میدان، درمیان میں بہتی نہر اور انٹرلاکن کے شہر سے پرے ینگ فرو کی چوٹی زرد ہوتی ہوئی۔۔۔۔ ہم بہت دیر چپ رہے۔۔۔۔ کیا ہم وہی تھے؟۔۔۔

وہی خانہ بدوش جو اپنی تمام تر وحشتوں اور غصیلے جذبوں کے ساتھ ادھر آئے تھے۔۔۔۔ پتہ نہیں وہ کون تھے جو یہاں آئے تھے۔ ہم تو نہ تھے۔۔۔۔ ہم تو تھکے ہوئے تہذیب یافتہ انسان تھے وحشی نہ تھے، اور وہ وحشی تھے۔۔۔۔

ہاں یہ انہی دنوں کا قصہ ہے جب نوخیز جسم سرحدیں عبور کرتا ہے۔ اوّلین تجربوں اور محبّت کی کسک سے خائف بھی رہتا ہے اور اس کا لُوں لُوں ان کی خواہش بھی کرتا ہے۔ وہ اُن گرم اور رِستے احساسات کی بخار آلود دُھند میں ہر منظر اور ہر بدن کے اندر جانا چاہتا ہے۔۔۔

یہ وہی دن تھے جب ہر درخت سرسبز لگتا ہے اور ہر بطخ راج ہنس کی صورت دکھائی دیتی ہے اور وہ تو تھی ہی راج ہنس۔ وہ مجھے پتہ نہیں کیا دکھائی دی۔۔۔

اُبلا ہوا آلو کانٹے کی نوک میں سے دھیرے دھیرے اُتر رہا تھا اور اولڈ جیری کا لرزتا ہاتھ جس میں وہ کانٹا تھامے ہوئے تھا اس کوشش میں تھا کہ آلو گرنے سے پیشتر وہ اُسے اپنے بے دانت منہ میں رکھ لے .... لیکن ایسا ایک مرتبہ پھر نہ ہوا اور آلو کانٹے سے پھسل کر پلیٹ میں جا گرا...

"فکن پوٹیٹو"! اولڈ جیری نے مسکرا کر میری طرف دیکھا....

"میں مدد کر دوں"؟

"نہیں..." وہ پھر آلو پر جھک گیا" ایک لرزتے ہوئے ہاتھ اور اُبلے ہوئے بھربھرے آلو کی کوئی مدد نہیں کر سکتا.... مجھے اپنی صلیب خود ہی اٹھانا ہوگی"

اور بالآخر اس نے اپنی صلیب یعنی وہ آلو اٹھا ہی لیا.... اُسے حلق سے نگلتے ہوئے وہ میری طرف دیکھ کر پھر مسکرایا" فکن پوٹیٹو..."

اولڈ جیری ایک خرد ماغ بوڑھا تھا اور شاید اس خرد ماغی کی وجہ سے ہی وہ ابھی تک زندہ تھا ورنہ اس کے پاس زندہ رہنے کے لئے کیا جواز تھا.... وہ

ہر ہفتے بڑھاپے کی پنشن گھر لاتا اور اسے اپنی بیٹی جون کے حوالے کر دیتا" مجھے معلوم ہے کہ اس سے میری ہفتہ بھر کی خوراک کا خرچ تو نہیں پورا ہوگا لیکن پھر بھی کوشش کر دیکھنا شاید اس مرتبہ میں کم کھاؤں یا ہو سکتا ہے کہ اس ہفتے میں مر جاؤں..."

اور جون اپنے عمر رسیدہ باپ کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہتی "آئی ایم سوری ڈیڈی.... مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ میں تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکتی"

"یہ تو بالکل ردی اور کوڑا کرکٹ بات کی تم نے" وہ جون کے گال پر ہاتھ رکھ کر کہتا" تم نے مجھے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ ایک بستر دے رکھا ہے سردیوں میں مجھے ایک گھنٹے کے لئے ہیٹر چلانے دیتی ہو.... تم میرے کپڑے دھوتی ہو۔ بستر بناتی ہو.... اور مجھے کیا چاہیئے... اور میں تو تمہیں اپنی خوراک کی رقم بھی ادا نہیں کر سکتا...؟

جون چیپ مین ایک ایسی خاتون تھی جسے میں اُس عمر میں ادھیڑ عمر سمجھتا تھا۔ وہ چوڑی اور مضبوط ہڈیوں کی مالک تھی۔ اس کا چہرہ ہمدرد نہ تھا کچھ کرخت تھا لیکن وہ اپنے چہرے سے مختلف تھی.... اس نے خوشی کے بارے میں کتابوں میں پڑھا تھا اُسے دیکھا نہ تھا کیونکہ شادی شدہ زندگی کا تجربہ اس کے لئے بے حد ناگوار ثابت ہوا تھا.... دنیا کی اکثر لڑکیوں کی طرح اس کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ اس خوبصورت اور شرابی لڑکے کو اپنی محبت سے بالکل بدل ڈالے گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس لڑکے نے جون کو بیچ کھایا اور جب وہ کنگال ہو گئی تو اُسے کسی اور لڑکی کے لئے چھوڑ گیا جس کا خیال تھا کہ وہ اس خوبصورت بے چارے شرابی لڑکے کو اپنی محبت سے بالکل بدل ڈالے گی.... جون نے دو تین برس اپنی محبت کا سوگ منایا اور پھر ایک فیکٹری میں ملازمت کرنے لگی۔ پانچ چھ برس کی مشقت کے بعد اس نے ایک

چھوٹا سا خوبصورت مکان قسطوں پر حاصل کر لیا تھا.... اُس کی تنخواہ کم تھی اور اس پر بوجھ بہت تھے چنانچہ اخراجات پورے کرنے کی غرض سے اس نے اپنے گھر میں ایک "پے انگ گیسٹ" رکھ لیا اور وہ اجرتی مہمان میں تھا۔

جون چیپ مین کے خون میں کاروبار نہ تھا۔ کمینگی نہ تھی اس لئے وہ مجھ سے جتنی رقم وصول کرتی شاید اس سے زیادہ مجھ پر خرچ کر دیتی... اُس گھر میں ہم تینوں تھے.... بلکہ چاروں تھے۔ جون اس کا باپ اولڈ جیری میں اور وہسکی۔ جون فیکٹری چلی جاتی... میں اپنی سپورٹس سائیکل پر سوار ہو کر کالج چلا جاتا اور گھر کی رکھوالی کے لئے اولڈ جیری اور وہسکی رہ جاتے۔ میں کالج سے واپس آتا تو وہسکی دروازے سے باہر فٹ میٹ پر بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہوتا....

ایک چھوٹے سے ڈربہ نما کمرے میں ایک ٹیلی ویژن تھا اور باقی حصے میں ایک میز جس کے گرد ہم شام کو اکٹھے ہوتے۔

ایک روز کھانے کی میز پر اولڈ جیری کی پلیٹ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ صرف اُبلے ہوئے آلو اور سبزیاں وغیرہ کھاتا ہے۔

"جیری کیا تمہیں گوشت پسند نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کس قسم کا گوشت؟" اس نے آنکھ مار کر کہا.... "بوائے جب میں فرانس میں تھا تو ہم لڑکے ایک شراب خانے میں جایا کرتے تھے...."

"نہیں جیری اس قسم کا گوشت نہیں" میں قدرے بوکھلا کر کہتا "بلکہ سٹیک اور چاپ وغیرہ تمہیں پسند نہیں؟"

"پسند تو ہے لیکن ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق میں صرف سبزیاں کھاتا ہوں... اور یہی میری صحت کا راز ہے...."

ایک شام میں نے جون سے پوچھا کہ آخر ڈاکٹر نے اولڈ جیری کو گوشت کھانے

سے کیوں منع کر رکھا ہے تو وہ کہنے لگی کہ جیری تو گوشت اس لئے نہیں کھاتا کہ وہ کھا نہیں سکتا.... اُس کی پنشن کی رقم گوشت کھانے کے لئے بہت ہی کم تھی۔

یہ مکان جس میں ہم رہتے تھے ۱۰۱۲۔ راشڈیل روڈ پر واقع تھا اور مانچسٹر میں تھا۔ میں پاکستان سے انگلینڈ پڑھنے کے لئے آ تو گیا تھا لیکن مجھے اپنی سمت کا کچھ اندازہ نہ تھا.... مختلف مشورے ملتے اور میں ہمہ وقت اسی مخمصے میں رہتا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ٹیکسٹائل کا کورس درمیان میں چھوڑ کر اب میں سائنس پڑھ رہا تھا.... کالج سے واپسی پر میں وہسکی کو سیر کے لئے لے جاتا اور پھر اپنے کمرے میں بند ہو کر سیاحتی کتابچے پڑھنے لگتا۔ یہ کتابچے میں نے مختلف سفارت خانوں سے منگا کر رکھے تھے اور ان کی تصاویر اور نقشے میرے لئے بے پناہ کشش رکھتے تھے.... ان میں سوئٹزرلینڈ کے بارے میں کتابچے بھی تھے جو مجھے اس عمر میں بالکل مدہوش کر دیتے.... وہ جھیلیں غیر حقیقی لگتیں کہ ان کے پانی ایسی نیلاہٹ لئے ہوئے تھے جو ممکن نہ تھی۔ کوہ الپس کے قصبے اور ان میں کھلے پھول جیرِلفٹیں۔ قدیم شیلے جن کی کھڑکیوں سے سُرخ پھول لٹکتے تھے اور پھر وہ سوِس چہرے صحت مند سفید اور جیسے سب کے سب سورج کے سامنے کھڑے ہوں۔ میں نقشے دیکھتا رہتا۔ ان پر لکیریں لگاتا رہتا۔ کیمپنگ کے لئے کہاں کہاں جگہیں ہیں اور کون سے مہینے میں کونسا الپائن قصبہ پھولوں سے ڈھک جاتا ہے... وہ سب سراب تھے۔ وہ ایسے خواب تھے جو صرف اُس عمر میں ہی دیکھے جا سکتے ہیں۔ تصویروں کی دنیا کی حقیقت بہت بے کیف اور عامیانہ ہوتی ہے... اب انہی تصویروں کو دیکھ کر مجھے کچھ نہیں ہوتا.... لیکن اب تو کچھ بھی دیکھ کر کچھ نہیں ہوتا.... بہر حال میں نے گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران سوئٹزرلینڈ جانے کا ارادہ کر لیا۔

"سوئٹزرلینڈ؟" میرے پوچھنے پر جون نے حسرت سے کہا "میں تو زیادہ سے زیادہ

بلیک پُول جا سکتی ہوں اپنی سالانہ ہالیڈے کے لئے ... ہاں تم جاؤ۔ لیکن کیا تم اکیلے جاؤ گے؟" وہ ہمیشہ میرے بارے میں فکرمند رہتی۔

اکثر شاموں کو ہم اُس چھوٹے سے کمرے میں کھانے کی میز کے گرد بیٹھے ٹیلی ویژن دیکھتے رہتے اور کبھی کبھار میں اپنا بھاری سویٹر پہنتا اور جین کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر باہر نکل جاتا۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک سینما تھا ... جہاں پُرانی فلمیں دکھائی جاتی تھیں اس لئے بہت کم لوگ وہاں آتے ... البتہ وہاں لڑکے اور لڑکیوں کا خوب ہجوم رہتا۔ وہ نزدیکی پَب سے بیئر پی کر اُدھر آجاتے اور یہ دیکھے بغیر کہ کونسی فلم دکھائی جا رہی ہے ٹکٹ خرید لیتے کیونکہ وہ فلم تو کم ہی دیکھتے۔ سینما ہال کی تاریکی میں ان کی آوازیں مجھ تک آتیں۔ کچھ غیر مانوس اور نامناسب سی آوازیں ... کچھ سرکتا ... ایک ہنسی دبی دبی اور میں بے حد بےچین ہو جاتا کیونکہ میری عمر بھی بےچینی کی تھی۔ میں اپنی نشست پر پہلو بدلتا رہتا۔ سکرین پر چلنے والی فلم دُھندلا جاتی۔ مجھے کچھ پتہ نہ چلتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کانوں کی لَوئیں گرم ہو کر دہکنے لگتیں۔ ماتھے پر پسینہ اور بےآرامی اور بےچینی ... بدن کہنا ماننے سے انکار کر دیتا اور میں لمبے لمبے سانس لیتا سینما ہال سے باہر آجاتا ... باہر سردیوں کی یخ دھند کو میں اپنے نتھنوں میں محسوس کرتا اور پھر گہرے سانس لے کر اُس بخار آلود کیفیت کو نارمل کرنے کی کوشش کرتا! ...

راشڈیل روڈ سنسان ہوتی اور میں جیکٹ کے کالروں کو اوپر کر کے اپنے چہرے کو سرد ہوا سے بچاتا فٹ پاتھ پر چلنے لگتا۔ واپس اپنے گھر کی جانب۔ ہاں وہ گھر ہی تو تھا جہاں مہربان اور میرے لئے فکرمند ہونے والے تین فرد رہتے تھے، اولڈ جیری جون اور وہسکی ..... سرد ہوا آہستہ آہستہ میری جیکٹ اور بھاری سویٹر کو بھی اپنے جیسا کر لیتی۔ سردی کی ٹھنڈی زبان میرے بدن کو ایک جنسی آسودگی کے ساتھ دھیرے دھیرے چاٹتی اور چونکہ یہ بدن اس کائنات میں ابھی تازہ تازہ وارد ہوا تھا اس

لئے مضبوط تھا اور ہر لمس اُسے گرم کرتا تھا چاہے یہ سردی کی ٹھنڈی زبان ہی کیوں نہ ہو۔ میں زیرِلب گنگنانے لگتا ... یہ وہ دور تھا جب بِل ہیلی اور اُس کے وسیع ماتھے پر چپکا ہوا بالوں کا کُنڈل پسندیدگی کے آسمان سے نیچے آ رہا تھا ... راک آراؤنڈ دی کلاک اور سستی پُولیسٹر ایلی گیٹر کے نغموں پر راک اینڈ رول کرتے کرتے نوجوان نسل بےحال ہو چکی تھی اور ایلوس پریسلے کی آمد آمد تھی ... نسبتاً پُرسکون موسیقی میں فرینک سناٹرا ڈین مارٹن، بِنگ کراسبے اور حبشی نژاد ایلا فز جیرلڈ کا راج تھا ... روائتی جاز کے ساتھ ساتھ ماڈرن جاز بھی سنائی دے رہا تھا ... اگرچہ مجھے فرینک سناٹرا کا رورد کے گانے کا انداز زیادہ پسند نہ تھا لیکن اس کا گیت "آل دے وے" اپنے اندر ایک گہری اور اداس کشش رکھتا تھا ... اور میں ہمیشہ رات کو اس سینما سے واپس آتے ہوئے دھند میں سانس لیتے۔ اپنے گرم سانس کو فضا میں سفید ہوتے دیکھتے اور اپنے قدموں کی آواز سنتے ہوئے یہ گیت اپنی بےسُری آواز میں گاتا رہتا ... آج بھی اُس کی دُھن کہیں گمنامیوں میں سے تیرتی ہوئی ایک نامکمل شبیہہ کی طرح جب میرے اندر مدھم مدھم سانس لیتی ہے تو یکدم رات اور سرد رات اور سانس فضا میں بھاپ ہوتا ہوا اور وہ جیکٹ اور اُن زمانوں کی تمام تر بےایمان مہک میرے قریب آنے لگتی ہے۔

گہری، نیلے سمندر سے بھی گہری
محبت ہوتی ہے، یہ اتنی زیادہ گہری ہوتی ہے۔
اگر سچی ہو تو ....
میں تم سے محبت کروں گا ... راستے کے اختتام تک،
آل دے وے۔

اور یوں اُس ویران اور سرد رات میں "آل دے وے" گنگناتا یا گاتا ہوا میں

اُس گرم گھونسلے میں پہنچ جاتا جو میرا عارضی گھر تھا۔

میرا کوئی دوست نہ تھا.... میری اکثر شامیں گھر پر گذرتیں.... اولڈ جیری بہت اچھی رفاقت تھا۔

میری کلاس میں میرے علاوہ ایک پاکستانی لڑکی بھی تھی۔ وہ سکرٹ پہنتی اور نظریں جھکائے کلاس روم میں داخل ہوتی۔ اپنے دیگر ہم جماعتوں کے ساتھ وہ کبھی کبھار گفتگو کر لیتی لیکن مجھے وہ ایک فاصلے پر رکھتی۔ اس کی شکل میں وہ نمکینی تھی جس کا ذائقہ میں بھول رہا تھا اور اسے دیکھ کر میں ہوم سک ہو جاتا۔ وہ جانتی تھی کہ میں اس کی جانب دیکھتا ہوں لیکن نہیں جانتی تھی کہ کیوں دیکھتا ہوں۔ اس اجنبی موسم میں وہ گرمی کی ایک دوپہر تھی جس کی خواہش مجھے تنگ کرتی تھی۔ ایک دو مرتبہ میں نے اس کے ساتھ نوٹس وغیرہ دیکھنے کے بہانے گفتگو کی تو وہ ولائت کے موسموں سے بھی زیادہ سرد تھی.... ایک روز اس کا بھائی اُسے کلاس میں چھوڑنے کے لئے آیا۔ اُس نے مجھے دیکھا اور چلا گیا.... اس کے بعد میں نے اس کی جانب دیکھنے کی جرأت نہ کی۔

دسمبر کے آخر میں موسم کی پہلی برفباری ہوئی۔ برف کے گیلے سفید سفوف نے ہر شے کی شکل کو بدل دیا۔ میں اپنی کھڑکی سے اُس کا سفید تواتر دیکھتا رہا جو اس طرح اُتر رہا تھا جیسے سرد صحیفے نازل ہو رہے ہیں۔ دو روز بعد جب برف باری تھمی تو میں اپنے آپ کو خوب اچھی طرح ڈھانپ کر وہسکی کے ہمراہ باہر نکلا۔ مکانوں کی قطار جہاں ختم ہوتی تھی وہاں ایک کچا راستہ کھیتوں اور ویران ٹیلوں کو جاتا تھا۔ یہ راستہ اب وہاں نہ تھا.... برف نے ہر شے کو سفید کر دیا تھا صرف لکڑی کا ایک پُرانا پھاٹک دکھائی دیتا تھا یا چند ٹہنیاں جن پر سے برف جھڑ گئی تھی۔ یہ ایک ونڈر لینڈ تھی جہاں ایسی شکلیں تھیں جو میں نے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ خاص طور پر سوکھی ٹہنیاں برف کو

سہارے ہوئے تھیں اور درخت اور جھاڑیاں جدید مصوری کے سفید سفید شاہکار لگ رہے تھے۔ میں سانس بھی زور سے لیتا تو تازہ برف ٹہنی سے جھڑنے لگتی۔ لے سانس بھی آہستہ کہ.... ہر طرف خاموشی تھی اور میں برف کے کنوارپن پر قدم رکھتا برفیلی ہوا کو اپنے اندر کھینچتا چلتا رہا۔ وہسکی اس سفیدی میں ایک سیاہ دھبے کی طرح ادھر ادھر لڑھکتا پھرتا.... میں واپسی کے لئے پیچھے مُڑا تو وہسکی بہت پیچھے تھا۔ میں نے سیٹی بجائی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

"وہسکی...؟" میں نے زور سے پکارا۔

کچھ ٹہنیوں سے برف گری۔

میں چلتا ہوا اس کے پاس گیا۔ برف کی وجہ سے وہسکی چلنے سے معذور ہو چکا تھا۔ تازہ برف اس کے پیٹ کے لمبے بالوں کے ساتھ اس طرح لپٹتی رہی کہ وہاں بڑے بڑے گولے بن چکے تھے اور وہسکی چل نہیں سکتا تھا.... میں نے اسے گود میں اٹھایا اور گھر کی جانب چلنے لگا.... اس نے اپنی تھوتھنی میرے بازو میں چھپا لی....

آتش دان روشن تھا۔ میں نے وہسکی کو اس کے پاس بٹھا دیا اور وہ باقاعدہ پگھلنے لگا.... تھوڑی دیر بعد وہسکی خشک ہو چکا تھا اور وہاں پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب بن چکا تھا۔ جون فیکٹری سے واپس آئی تو بُری طرح ٹھٹھر رہی تھی اور اُس کی ناک سُرخ ٹماٹر ہو رہی تھی اور وہ اِس ٹماٹر کو اپنے رومال سے پکڑ کر شُوں شُوں کرتی جا رہی تھی۔

"اوہ کرائسٹ" اس نے آتش دان کے پاس کھڑے پانی کو دیکھ کر کہا "یہ تم نے کیا کیا؟"

"میں نے کچھ نہیں کیا جون.... یہ سب کچھ وہسکی نے کیا ہے۔" میں نے ہنس

کر اسے بتایا۔

"وہسکی" وہ سوچ میں پڑ گئی "ایک کتے کے اندر اتنا پانی تو نہیں ہوتا"

"یہ کتے کے اندر نہیں تھا جون . . ."

میں نے اُسے اپنی برفانی سیر کی روئداد سنائی۔

"اوہ بلائمی . . . . برف میں گھومنا پھرنا تمہارے لئے تفریح ہے . . . . تمہارا دماغ خراب ہے ینگ مین" اس نے مجھے ایک کرسی یا میز کی طرح دیکھا اور پھر کندھے سکیڑ کر کہنے لگی "ہاں اِس عمر میں دماغ خراب ہی ہوتا ہے . . . . میں خود برف میں گھوما کرتی تھی کیونکہ میں بھی بہت . . . میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔ میرا کوٹ نچڑ رہا ہے"

وہ اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سردیاں اس طرح گذریں۔ آس پاس کے کھیت اور راستے اور مکانوں کی چھتیں سفید ہو جاتیں۔ برف پگھلتی اور ہر طرف گندگی پھیل جاتی۔ برف اور کیچڑ کے امتزاج سے جو "سلش" وجود میں آتا وہ لوہے کی طرح سخت اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہم سب آتش دان کو تقریباً گود میں لئے بیٹھے رہتے۔ اولڈ جیری کچھ ٹھیک نہیں تھا۔

"اگر میں ان سردیوں میں سے نکل گیا تو سمجھو کہ ایک اور برس مجھے کچھ نہیں ہوگا" وہ بڑے آرام سے حساب لگا کر بتاتا۔

برف آخری مرتبہ پگھلی تو کھیتوں کی ہریالی میں پہلی مرتبہ خوشبو نے جنم لیا۔ ہم آتش دان سے پرے ہو کر صوفوں پر جا بیٹھے۔ بھاری سویٹر چبھنے لگے اور ہوا میں سردی کے باوجود کچھ پرکشش دیوانگی سی تھی جو کچھ کہتی تھی۔

میں نے ایک مقامی سٹور سے ایک رُک سیک یعنی سامان کا تھیلا خریدا . . . . اور ایک چھوٹا سا خیمہ۔ سلیپنگ بیگ۔ مضبوط تلے کے بوٹ۔ ایک چولہا اور کچھ اسی قسم کا سامان۔ یہ میری خانہ بدوشی کی ابتدا تھی۔ اگرچہ میں نے ابھی تک صرف

انگلینڈ ہی دیکھا تھا لیکن میرے دل میں بقیہ یورپ دیکھنے کی خواہش نہ تھی۔ میں صرف اور صرف سوئٹزرلینڈ دیکھنا چاہتا تھا اور جو کچھ اس کے راستے میں آئے وہ سب کچھ . . . . میں نے اپنے تئیں ان قصبوں اور شہروں کی فہرست بنا لی جو مجھے دیکھنے تھے اور بالآخر گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہو گئیں . . . . مہینہ جولائی کا تھا۔ میری پیکنگ مکمل ہو چکی تھی۔ رُک سیک ایک کونے میں رکھا تھا اور اس پر خیمہ بندھا ہوا تھا۔

"یہ جو غیر ملکی ہوتے ہیں ناں . . . . فرانسیسی اور جرمن وغیرہ تو یہ کچھ اچھے لوگ نہیں ہوتے۔ تم اپنا خیال رکھنا" جون بیشتر ورکنگ کلاس برطانوی عورتوں کی طرح انگریزوں کے علاوہ دیگر نسلِ انسانی کو شک کی نظروں سے دیکھتی تھی۔ اس کے لئے وہ سب کے سب بلڈی فارنرز تھے اور اُن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا "تمہیں پتہ ہے تم بہت خوش قسمت ہو کہ یوں گھومنا پھرنا افورڈ کر سکتے ہو . . . میرا بھی بہت جی چاہتا ہے"۔

جون ایک قیدی تھی۔ اس کی رہائی کی بھی کوئی اُمید نہ تھی . . . . وہ فیکٹری میں کام نہ کرے تو کھائے کہاں سے اور باپ کو کہاں رکھے اور مکان کے قرضے کی قسطیں کون دے اور بجلی، گیس پانی کے بل کون ادا کرے . . . . اسے ہر صورت کام پر جانا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ گھر کی صفائی کرتی۔ کھڑکیاں دروازے پینٹ کرتی اور پھر چند روز کے لئے کسی سہیلی کے ہمراہ کسی سستے ہالیڈے ریسارٹ پر چلی جاتی . . . اُس کی واحد اُمید ایک عدد خاوند کا ظہور تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ کسی نہ کسی روز وہ آ جائے گا" میں اُسے چھیڑتا۔

"مشکل ہے . . . نہیں" وہ سر ہلاتی "میں رقص کے لئے جاتی ہوں تو مُجرم محسوس کرتی ہوں۔ میں اب اتنی جوان نہیں رہی اور سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ میں خاوند کے شکار کے لئے نکلی ہوں۔ کیا یہ شرمناک بات نہیں۔ اور پھر مجھے کوئی رقص کے لئے پوچھتا ہی نہیں . . . نہیں اب زندگی اسی طرح گذرے گی . . . اور میں شکایت نہیں

کر رہی۔"

یہ وہ زمانہ تھا جب دوسری جنگ عظیم میں مارے جانے والے انگریز مردوں کی کمی ابھی پُوری نہیں ہوئی تھی اور عورتوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ ..

"دیکھو" اولڈ جیری میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا "چھوڑو یورپ کو، میرا ایک بھائی ابھی تک زندہ ہے اور اس کے پاس اس کا ذاتی کارواں موجود ہے جو اس نے لیڈز کے قریب ایک ندی کے کنارے کھڑا کیا ہوا ہے۔ یہ کارواں ستمبر کے آخر تک بالکل خالی ہو جائے گا اور پھر ہم دونوں وہاں چند روز گذار سکتے ہیں... ندی میں مچھلیاں بھی ہیں۔"

جیری دراصل میرے جانے سے بہت آزردہ تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ جیری کے بھائی کا کارواں یعنی چھوٹا سا سفری گھر ستمبر کے آخر میں بے حد سرد ہو گا اور ہم دونوں ڈبل روٹی کھا کھا کر گذارا کریں گے۔

مانچسٹر کے ریلوے سٹیشن پر لنڈن روانہ ہونے والی ٹرین میں خاصا رش تھا۔

"واپسی پر تمہارے پاس سنانے کے لئے بہت ساری داستانیں ہوں گی" جیری مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ "اور جب بھی کسی کا بوسہ لو تو اولڈ جیری کو ضرور یاد کر لینا۔"

"پاپا تم بھٹکتے جا رہے ہو" جون نے پیار سے کہا اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی "ہم تمہیں مس کریں گے.... ہم دونوں اور وہسکی بھی.... کیوں وہسکی؟"

وہسکی اگلے دونوں پاؤں اُٹھا کر بیٹھ گیا اور خُر خُر کرنے لگا۔

گاڑی مانچسٹر سے باہر نکلی.... گہری، نیلے سمندر سے بھی گہری، محبت، یا اتنی زیادہ گہری ہوتی ہے۔

"کیا آپ نے ہمارا قدیم ترین اوک کا درخت دیکھا ہے؟" ایک انگریز بچہ میرے قریب آیا اور دفنٹ پاتھ پر رکھے رک سیک پر بیٹھ گیا۔

"میں اوک کے درختوں میں دلچسپی نہیں رکھتا" میں نے مکمل بیزاری سے کہا۔

"تو پھر آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"میں یہاں اس لئے کھڑا ہوں اور تقریباً دوپہر سے کھڑا ہوں کیونکہ مجھے کوئی کار والا لفٹ نہیں دیتا.... اور مجھے سات بجے والی فیری پر سوار ہو کر ڈوور سے فرانس کی بندرگاہ کیلے تک جانا ہے.... اور اب چار بج رہے ہیں اور ڈوور یہاں سے خاصا دور ہے.... اب پتہ چلا کہ میں یہاں کیوں کھڑا ہوں" میں نے انگریز بچے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اور آپ براہِ کرم میرے سامان پر مت بیٹھئے کیونکہ اس میں نازک چیزیں ہیں جو ٹوٹ سکتی ہیں۔"

"مثلاً؟" انگریز بچہ جرح پر اُتر آیا۔

"مثلاً..... مثلاً.... بہرحال ہیں نازک چیزیں.... اٹھو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور ہاتھ ملنے لگا "تو آپ واقعی ہمارا قدیم ترین اوک ٹری نہیں دیکھیں گے؟"

"نہیں بچے.... میں نہیں دیکھوں گا۔"

"سیاح دور دور سے آتے ہیں اسے دیکھنے کے لئے۔"

"میں اتنا بے وقوف سیاح نہیں ہوں۔"

بچہ کہیں گیا نہیں، وہیں کھڑا رہا اور مجھے دیکھتا رہا . . . . میں نے آگے ہو کر انگوٹھا ہوا میں اٹھایا اور گذرتی ٹریفک کو بتانے کی کوشش کی کہ دے جا سخیا مولا بھلا کرے گا . . . . لنڈن میں ایک دوست کے ہاں رات گذار کر میں گریوز اینڈ تک ٹرین میں آیا تھا اور وہاں سے ڈوور تک پہنچنے کے لئے ہچ ہائکنگ کا سہارا لیا اور یہ سہارا خاصا کمزور ثابت ہو رہا تھا۔ ایک دو نہایت چھوٹی چھوٹی لفٹوں کے بعد اب میں اس مقام پر کھڑا تھا جہاں اوک کا کوئی درخت بہت قدیم تھا اور بقول مقامی آبادی کے سیاح حضرات اس قدیمی درخت کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے تھے۔

دوپہر سے اب تک میں ہزاروں کاروں اور ٹرکوں اور دیگر ذرائع ٹرانسپورٹ کے آگے لفٹ کا سوال کر چکا تھا لیکن کوئی سخی ایسا نہ ہوا جو میری صدا پر رک جاتا۔ اب مصیبت یہ تھی کہ ڈوور کی بندرگاہ سے رود بار انگلستان کو کیلے فرانس تک عبور کرنے کے لئے دو سٹیمر چلتے تھے۔ ایک سات بجے شام اور دوسرا اگلی صبح . . . . اگر میں سات بجے والا سٹیمر مس کرتا ہوں تو پھر ڈوور میں کیسے رات بسر کروں گا . . . . ایک مرتبہ سوچا کہ نزدیکی ریلوے سٹیشن پر جا کر کوئی ٹرین پکڑ لی جائے لیکن اس میں بھی شدید ہتک کا پہلو تھا کہ گھر سے تو نکلے ہچ ہائکنگ کرنے اور گھر سے نکلتے ہی ناکام ہو کر ٹرین میں سوار ہو گئے۔ ایک اور مصیبت یہ تھی کہ پچھلے چار گھنٹوں میں تقریباً چار درجن بوڑھے جوان بچے وغیرہ مجھ سے ایک ہی سوال پوچھ چکے تھے "کیا آپ نے ہمارا قدیم ترین اوک کا درخت دیکھا ہے؟" پہلے تو میں نے نفیس ترین اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرا مسکرا کر کہا کہ جی نہیں جناب ابھی تو اتفاق نہیں ہوا اور یوں بھی میں فی الحال ڈوور جا رہا ہوں اس لئے واپسی پر دیکھ لوں گا . . . . لیکن یہ نفیس اخلاق پانچ چھ مرتبہ ہی کام آسکا۔ جب کوئی ستائیسویں مرتبہ ایک بوڑھی خاتون نے یہی سوال پوچھا

تو میں نے نفیس اخلاق کو طاق میں رکھا اور گرم ہو کر کہا "میں نے آپ کا قدیم ترین اوک کا درخت نہیں دیکھا نہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ جہنم میں گیا آپ کا درخت اور آپ کے درخت کی میں تو . . ."

"اوہ ڈیئر" بوڑھی خاتون خوفزدہ ہو گئیں "اوہ ڈیئر . . . . اوہ . . ." اور وہ اوہ اوہ کرتی چلی گئیں۔

مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس آبادی کے مکین مجھے اوک کا درخت کہہ کر چھیڑتے ہیں اور ویسے بھی میں صبح کا بھوکا تھا اور شام کو کس کے گھر لوٹتا . . . . وہاں کھڑا قسمت آزمائی کر رہا تھا اور وہ بچہ مجھے دیکھے جا رہا تھا۔

یہ قصبہ جہاں وہ اوک کا درخت تھا جسے دیکھنے کے لئے میں تو نہیں گیا تھا شائد کینٹربری کے نواح میں کہیں تھا۔

پانچ بجے کے قریب ایک چھوٹی سی فیئٹ رُکی جس میں تین لڑکیاں تھیں اور بے شمار سامان تھا . . . . اور ہاں تیسری لڑکی کی داڑھی بھی تھی اور داڑھی اس لئے تھی کہ وہ لڑکی نہ تھی۔ اس کے طویل گیسوؤں کی وجہ سے مجھے شک ہوا تھا۔ وہ فیئٹ خاصی دیر رکی رہی اور کچھ نہ ہوا اور آخر کار اس باریش "خاتون" نے سر باہر نکال کر کہا "ذرا میری سائڈ کا دروازہ کھولنا یہ اندر سے نہیں کھلتا۔"

میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو موصوف اس طرح باہر گرے جیسے میرے قدم چھونے لگے ہوں۔ بہر حال لڑکھڑا کر کھڑے ہو گئے "آؤ بیٹھو۔"

میں نے کار کے اندر دیکھا تو وہ سوٹ کیس کی طرح پیک تھی۔

"کہاں بیٹھوں؟"

اُن صاحب نے کار کے اندر جھانکا اور پھر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پچھلی نشست پر پیک کی ہوئی دونوں خواتین بھی دھڑام سے باہر آ گریں اور اُن کے ساتھ دو تین

پھولے ہوئے بیگ اور کمبل۔

"ابھی جگہ بن جائے گی" انہوں نے کار میں ٹھونسا ہوا سامان ذرا قرینے سے رکھنا شروع کر دیا۔ اس دوران دونوں خواتین نے اپنے لباس درست کئے اور پھر اندر گھس گئیں۔

"ویسے کہاں جاؤ گے؟"

"ڈوور"

"ڈوور؟.... ہم تو وہاں نہیں جا رہے" وہ میرا کندھا تھپک کر کہنے لگے" البتہ ہم تمہیں ایسی جگہ اُتار دیں گے جہاں سے تم ڈوور جا سکو.... چلو بیٹھو"

میں نے اپنا رک سیک اٹھایا اور اللہ کا نام لے کر کار میں کُود پڑا۔ پتہ نہیں کہاں لینڈنگ ہوئی بہر حال میں کار میں تھا۔

وہ انگریز بچہ ابھی تک وہیں فٹ پاتھ پر کھڑا تھا اور تماشہ دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا آپ سچ مچ ہمارا قدیم ترین اوک کا درخت نہیں دیکھیں گے؟" کار سٹارٹ ہوئی تو بچے نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"نہیں" میں نے غصے سے کہا" تمہارے اوک کی...."

"دیکھ لیتے.... یہ سامنے ہی تو تھا" وہ جھک کر بولا۔

"کہاں؟"

"یہ سامنے" اس نے فٹ پاتھ کے عقب میں واقع ایک پارک کی جانب اشارہ کیا جس کے درمیان میں ایک عام سا درخت کھڑا تھا اور بس درخت تھا۔ میں پورے پانچ گھنٹے تک اس تاریخی اور قدیمی درخت کے پاس کھڑا رہا تھا اور اس لئے ہر کوئی مجھ سے پوچھتا تھا کہ کیا آپ نے....۔

کار میں بیٹھتے ہوئے سامان سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ تینوں خواتین و حضرت دنیا کی سیاحت کے لئے جا رہے ہیں۔ میری ناک کو چھونے والا بیگ میری آنکھوں کے سامنے بھی تھا اس لئے میری بصارت خاصی محدود ہو چکی تھی۔

"کیا آپ لوگ ورلڈ ٹور پر جا رہے ہیں؟" میں جہاں بھی تھا وہاں سے بلند آواز میں بولا۔

"گڈ مین نہیں" ڈرائیور کی آواز آئی" ہم تو ویک اینڈ گذارنے کے لئے سی شیل جزیرے پر جا رہے ہیں"

"کیا یہ جزیرہ فرانس کے ساحل کے ساتھ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"گڈ مین نہیں" ڈرائیور کھلکھلا کر ہنس دیا" یہ تو یہاں سے کتنا ہوگا! ہاں شائد بیس تیس میل ہوگا، یہیں انگلینڈ میں"

"تو آپ ڈوور نہیں جا رہے؟"

"نہیں لیکن ہم ایک خاص مقام سے جب سی شیل کی جانب مڑیں گے تو تمہیں ڈراپ کر دیں گے اور تم وہاں سے ڈوور چلے جانا.... درست؟"

"جی درست"....

"اگر تم میرا ہاتھ چھوڑ دو تو میں تمہاری بے حد ممنون ہوں گی" ایک خاتون کی آواز سنائی دی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے رک سیک کو تھام رکھا تھا اور میرے دائیں بائیں اور سامنے بے شمار الّم غلّم سامان تھا تو پھر میں ان خاتون کا ہاتھ کیسے تھام سکتا تھا....

"آپ کا ہاتھ میں نے ہرگز نہیں تھاما ہوا خاتون.." میں نے اپنی آواز کو ذرا پُر مسرت بنا کر کہا۔

"تم نے میرا ہاتھ تھاما نہیں ہوا تم اُس کے اوپر بیٹھے ہوئے ہو" خاتون کی ذرا کم پُرمسرت آواز آئی اور میں نے بھی محسوس کیا کہ جس شے پر میں براجمان ہوں وہ کوئی ہاتھ وغیرہ ہے۔ بہرحال میں نے بڑی مشقت سے اپنے آپ کو ذرا اوپر کیا اور خاتون سے کہا کہ خاتون ہاتھ کھینچے اور یوں یہ ہاتھ مجھے گدگدی کرتا ہوا میری دنیا سے نکل گیا۔۔۔۔ میں نے ایک اچھے پیچ ہائیکر کی طرح اپنا تعارف کروایا۔

"اچھا تو تم سوئٹزرلینڈ جا رہے ہو؟" دوسری خاتون کی آواز میرے کانوں میں آئی "اوہ لکی یُو"

"اچھا بھائی ذرا دیکھو اِدھر میں ہوں" ڈرائیور کی آواز آئی۔

"میں آپ سب کو دیکھ تو نہیں سکتا بہرحال۔۔۔"

"بہرحال میں فلپ ہوں اور لنڈن میں ہیئر ڈریسر ہوں۔ اپنی دوکان ہے اور یہ دونوں خواتین یعنی ویلری اور جین میری اسسٹنٹ ہیں۔"

"آپ کو پتہ ہے ہماری زبان میں ہیئر ڈریسر کو کیا کہتے ہیں۔۔۔ نائی!"

"نائی؟" فلپ نے خوش ہو کر کہا "تو پھر آئی ایم اے بلڈی نائی۔۔۔ اور یہ لڑکیاں بھی نائی ہیں"

"نہیں نہیں" میں نے سامان میں سر ہلایا "خواتین کے لئے لفظ نائن استعمال ہوتا ہے۔"

ایک نائن کی ہنسی کی آواز آئی "جرمن میں نہیں کو نائن کہتے ہیں۔۔۔ تو ہم نائن ہیں ویلری؟"

اُدھر سے ویلری بھی اس نئے خطاب پر بے حد راضی ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد ہم اس دوراہے پر پہنچ گئے جہاں سے سیدھی سڑک تو ڈوور کو جا رہی تھی اور اس کی ایک شاخ کا رُخ سمندر کی جانب تھا۔ فلپ بمشکل باہر نکلا

پھر اس نے بمشکل مجھے باہر نکالا اور اپنی طرح میرے رُک سیک کو بھی کھینچ کھینچ کر برآمد کر لیا۔ اس دوران دونوں خواتین بھی مجھے گڈ بائے کہنے کے لئے باہر آگئیں۔۔۔ باہر شام ہو رہی تھی اور گرمیوں کے باوجود خنکی تھی۔ میں کسی صورت بھی سات بجے والا سٹیمر نہیں پکڑ سکتا تھا۔۔۔ مجھے تھکاوٹ کا بھی شدید احساس ہوا۔

"گڈ مین تم وہ سات بجے والا سٹیمر تو نہیں پکڑ سکتے" فلپ نے گھڑی دیکھ کر کہا اور میں چونکا کہ اس نے میرے خیال کو کیسے پڑھ لیا۔

"ہاں" میں نے سر ہلایا "میں ڈوور میں رات بسر کر کے صبح سویرے فرانس چلا جاؤں گا۔"

فلپ نے اپنی داڑھی میں انگلیاں چلائیں اور پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا "شیل آئی لینڈ پر میرا ایک کیبن ہے ساحل کے ساتھ۔۔۔۔ ہم ویک اینڈ کے لئے وہیں جا رہے ہیں۔ وہاں رہائش کچھ زیادہ شاہانہ نہیں ہے لیکن تم آج رات وہاں بسر کر سکتے ہو۔ اگر تم پسند کرو تو۔۔۔"

"اور اگر تم کھانا اپنے پلّے سے کھاؤ تو" ویلری نے فوراً کہا۔

"ہم تمہیں ایک بستر دے سکتے ہیں" جین بولی۔

"بستر؟" میں مسکرایا "ایک انسان کو اور کیا چاہیئے"

"تو پھر بیٹھو کار میں" فلپ ڈرائیور کی نشست میں جا بیٹھا۔ ہم تینوں کے باہر آنے سے سامان اِدھر اُدھر سے گر کر نشستوں کو پُر کر چکا تھا اور وہاں بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ باقی نہ تھی چنانچہ سارے سامان کو باہر نکال کر دوبارہ کار میں رکھا گیا اور اس کے بعد ہم تینوں رکھے گئے۔ کار سٹارٹ ہو گئی۔

میں آج صبح ڈوور جانے کے لئے سڑک پر آیا تھا اور اب شیل آئی لینڈ جا رہا تھا۔

پتہ نہیں کہاں تھا اور میں نے اس کا نام اس سے پیشتر بالکل نہیں سنا تھا۔

"آپ کا یہ جزیرہ کدھر ہے؟" میں نے فلپ سے پوچھا۔

"یہ جزیرہ نہیں ہے بلکہ زمین کا ایک حصہ ہے جو دُور تک سمندر کے اندر گیا ہوا ہے۔ بالکل ویران ہے۔ صرف لکڑی کے چند کیبن ہیں۔"

"اور تیز ہوا ہے۔" ویلری بولی۔

"اور مکمل تنہائی ہے۔" جین بولی۔

"تیز ہوا اور مکمل تنہائی... بس مجھے انہی کی تلاش تھی۔" میں نے اُن دونوں کی طرف دیکھا اور شاید پہلی مرتبہ دیکھا۔ وہ نوجوان کم پڑھی لکھی بہت زیادہ ہنسنے والی لڑکیاں تھیں جن کے چہرے صاف ستھرے اور سادہ تھے ابھی نقاب نہیں ہوئے تھے۔ ان کی شکلیں خاصی واجبی تھیں اور جسم واجبی نہیں تھے۔ فلپ کو وہ دونوں پیار سے فی لپ کہتی تھیں۔ فی لپ ان کا باس تھا اور وہ باس کے ہمراہ اس کے لکڑی کے کیبن میں ویک اینڈ گذارنے جا رہی تھیں۔ میں نے حساب لگانے کی کوشش کی کہ ان میں سے کونسی فالتو ہے لیکن کامیاب نہ ہو سکا... باہر دیکھا تو ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی اور کار ایک خاص رفتار کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ یہ علاقہ بالکل ویران تھا۔ کہیں دور شام کی اترتی سیاہی میں ایک روشنی نمودار ہوئی... میرے اندر ایک خوف نے سر اُٹھایا۔ کتنی بیوقوفی کی بات ہے۔ میں ان تینوں کو جانتا تک نہیں، جانے کون ہیں، کیا ہیں اور ان کے ساتھ کسی ویران جزیرے کی طرف جا رہا ہوں۔

ایک چھوٹی سی بستی دکھائی دی بلکہ اس کی چند روشنیاں نظر آئیں۔ دو دوکانیں ایک شراب خانہ اور دو تین گھر۔ ہم ان کے قریب ہوئے تو میں نے فلپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ سی شیل ہے۔

"نہیں... یہ وہ قصبہ ہے جہاں سے ہم دودھ اور مکھن وغیرہ خریدنے کے لئے آتے ہیں... سی شیل یہاں سے خاصی دور ہے۔"

وہ چند دوکانیں گذریں تو تاریکی گہری ہو چکی تھی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد سمندر کی آواز کانوں میں آنے لگی۔ اِس ویران راستے پر سوائے ہماری کار کے اور کچھ نہ تھا۔ کوئی روشنی نہ تھی اور کوئی آبادی نہ تھی۔ صرف سمندر کا ہلکا شور تھا جو نزدیک آتا گیا اور بلند ہوتا گیا۔

کسی مقام پر کار رُک گئی "خواتین وحضرات سی شیل آئی لینڈ" فلپ نے اعلان کیا میں کار سے باہر آیا تو واقعی تیز ہوا تھی اور وہاں مکمل تنہائی تھی۔ دور دور تک کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ میں نے کار میں سے اپنا رُک سیک نکال کر کندھوں پر ڈال لیا۔

"وہ ادھر چلو کیبن کی طرف" فلپ کار میں سے سامان نکالتا ہوا بولا۔

میں نے اُدھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا صرف ایک ہلکی تاریکی تھی جس میں تیز ہوا چلتی تھی اور سمندر کا شور تیرتا تھا۔ سڑک سے اتر کر جب میں نے پہلا قدم رکھا تو جیسے میرے بوٹوں تلے ہزاروں کانچ کے نازک برتن ٹوٹ ٹوٹ کر چُور ہوئے۔ دوسرے قدم پر بھی جیسے کورے کاغذ کو مٹھی میں بھینچا جائے تو وہ کڑکڑاتا ہے... میں نے جھک کر زمین پر ہاتھ رکھا کہ کیا ہے۔ میرے قدموں تلے زمین نہ تھی بلکہ سمندری گھونگھے اور سیپیاں تھیں۔ شائد اسی لئے اس علاقے کو سی شیل کہتے تھے۔ میں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ میرے پیچھے جین اور ویلری سامان اُٹھائے چلی آ رہی تھیں اور فلپ ابھی تک کار کے پاس کھڑا تھا۔ تقریباً سو میٹر کے فاصلے پر ایک خاصا مخدوش سا کیبن دکھائی دیا جو تیز ہوا کی یلغار میں کھڑا تو تھا لیکن ہولے ہولے لرزتا بھی تھا۔

جین آگے آئی اور لکڑی کا دروازہ کھول دیا "آجاؤ" میں اندر داخل ہو گیا۔ ویلری بھی آگئی اور اُس نے ماچس جلا کر سر کے اوپر کی۔ کیبن میں دو حصے تھے جن

میں لکڑی کے بنچ بنے ہوئے تھے اور یہ بستر تھے۔ اس کے علاوہ وہاں کچھ نہ تھا۔ یا تختوں میں سوراخ تھے جن کے راستے ہوا اندر آتی تھی۔ فرش بھی لکڑی کا تھا اور گھونگھوں کی سطح سے ذرا اونچا تھا اس لئے نیچے سے بھی ہوا کی آمدورفت کا مناسب انتظام تھا۔ میں نے رُک سیک کندھے سے اتار کر فرش پر رکھ دیا۔

"پلیز سامان لانے میں ہماری مدد کرو" ویلیری کہنے لگی۔

میں کیبن سے نکل کر فلپ کی طرف گیا جو کچھ تھیلے وغیرہ اٹھائے چلا آرہا تھا۔

"صرف چار یا پانچ بیگ باقی ہیں اُن میں سے دو اُٹھا لاؤ" وہ بولا اور کیبن کی طرف چلا گیا۔ کوئی ویرانی سی ویرانی تھی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ انگلینڈ جیسے گھنی آبادی والے ملک میں کوئی مقام ایسا بھی ہے اور لنڈن سے زیادہ دور بھی نہیں جہاں صرف ہوا ہے اور تنہائی ہے۔ میں جب بھی قدم رکھتا ہزاروں گھونگھے ٹوٹ کر چُورا بن جاتے بیگ اٹھا کر میں واپس کیبن میں آیا تو لڑکیوں نے ماحول کو خاصا "چیئر فل" بنا لیا تھا۔ دو موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ریڈیو پر کوئی پُرشور دُھن سنائی دے رہی تھی اور سامان اِدھر اُدھر قرینے سے رکھا جا چکا تھا۔

"یہ کیبن ذرا غریبانہ سا ہے" فلپ داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا "لیکن اپنا ہے اور تم دیکھنا تم اسے پسند کرنے لگو گے"

"کافی تیار ہے" ویلیری کی آواز کہیں سے آئی۔

"کافی؟ ....."

"اس کیبن کے دو کمروں کے ساتھ ایک کچن بھی ہے مائی ڈیئر" فلپ خوش ہو کر کہنے لگا۔ اور پھر ہونٹ گرم کافی پر لگے تو ایسی جلتی خوشبو آئی کہ ساری تھکن غائب ہو گئی اور ہم سب باتیں کرنے لگے۔ باہر تاریکی مکمل ہو گئی اور ہوا کی رفتار زیادہ ہونے لگی۔

"لنڈن کا گاہک بہت نک چڑھا ہے" فلپ اپنے کاروبار کے بارے میں گفتگو کرنے لگا: "اُس کو فیشن کے بارے میں کچھ زیادہ پتہ نہیں ہوتا اور وہ خواہ مخواہ تنقید کرتا رہتا ہے۔ اور اس کو درست طور پر یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کی شکایت کیا ہے۔ وہ صرف یہ کہے گا کہ جی آپ نے میرے بال ٹھیک طرح سے نہیں کاٹے.... ان کا سٹائل غلط ہو گیا ہے اور یہ ہو گیا ہے اور وہ ہو گیا ہے.... اس کا خیال ہے کہ وہ جتنی زیادہ تنقید کرے گا اتنا ہی اس کا جدید فیشن کا علم ہم پر ظاہر ہو گا حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا.... تو پورے پانچ دن کی شکایتوں اور مشقت کے بعد میں یہاں آ جاتا ہوں۔ اس مرتبہ ان دونوں لڑکیوں نے کہا کہ سر ہم بھی جانا چاہتی ہیں تو میں نے کہا چلو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...."

"بڑی زبردست جگہ ہے فی لپ" ویلیری اپنے ٹھنڈے ہاتھوں کو بغلوں میں داب کر کہنے لگی۔

"فی لپ ہمیشہ اپنی کیبن کے بارے میں گفتگو کرتا رہتا تھا" جین مجھ سے مخاطب ہوئی "ہم نے سوچا دیکھیں تو سہی کہ وہ کونسا بکنگھم پیلیس ہے جس کے بارے میں یہ اتنا جذباتی ہوتا رہتا ہے"

"ہر شخص کا اپنا اپنا بکنگھم پیلیس ہوتا ہے جین" فلپ کو شاید جین کی بات بُری لگی "یہاں پر میں کسی ملکہ سے زیادہ خوش رہتا ہوں۔ اور یہ میرا اپنا ہے۔ میں نے لوگوں کے بال کاٹ کاٹ کر اور ان کے سر کی مالش کر کے یہ کیبن خریدا ہے۔ کیا ملکہ اپنے بکنگھم پیلیس کے بارے میں یہ کہہ سکتی ہے؟"

"تم تو بُرا مان گئے" جین روہانسی ہو گئی۔

"نہیں تم نے اتنی عمدہ کافی بنائی ہے بھلا میں کیسے بُرا مان سکتا ہوں... اور ہاں بھئی ڈنر کا انتظام کیا ہو گا؟"

"ہم دونوں کپڑے تبدیل کرلیں تو پھر ڈنر۔ ۔ ۔" جین بولی۔

"یعنی آپ ان کپڑوں میں ڈنر تیار نہیں کریں گی بلکہ اس مقصد کے لئے کوئی خاص لباس ہے؟"

"ڈنر یہاں تیار نہیں ہوگا براؤن بوائے۔ ۔ ۔" ویلری ذرا دوست ہوگئی۔ "ہم اُس قصبے میں چلیں گے اور ہنری ہفتم میں کھانا کھائیں گے۔"

"ہنری ہفتم کے ساتھ؟ ۔ ۔ ۔" میں بھی ذرا بے تکلف ہوا۔

"ہنری ہفتم اس آبادی کی واحد پَب ہے جہاں ہم بیئر پئیں گے اور کھانا کھائیں گے۔ ۔ ۔ ۔ اپنے اپنے پیسوں کا" فی لپ نے بتایا۔

میں اُس کوہ پیما کی طرح تھا جو سارے دن کی کوہ پیمائی کے بعد اب آرام کرنے کی خاطر بیٹھ گیا تھا۔ اور اب اٹھنا اور دوبارہ عازمِ سفر ہونا بے حد ناممکن لگ رہا تھا۔ تھکاوٹ میرے بدن پر حاوی تھی اور میں اُس کے بوجھ تلے تھا لیکن میں اس ویران جزیرہ نما جگہ میں اکیلا تو بالکل نہیں رہ سکتا تھا۔ میرے اندر وہ تمام تر مشرقی خوف اور واہمے موجود تھے جو مغرب میں نہیں ہوتے چنانچہ میں نے با دل ناخواستہ ان کے ہمراہ جانے کا ارادہ کرلیا۔

اب ہم چاروں بخوبی کار میں بیٹھ گئے کیونکہ سامان کیبن میں منتقل ہو چکا تھا۔ تاریکی مکمل ہو چکی تھی اور ہم جیسے ایک وسیع خلا میں تھے جہاں سمندر کا شور تھا اور ہم تھے۔ فی لپ اور دونوں خواتین اب اُس مُوڈ میں تھے جو ہفتے کی شب پورے انگلستان کا ہوتا ہے۔ ۔ ۔ یعنی جیب میں ہفتے بھر کی تنخواہ ہے اس میں سے ضروری اخراجات نکال کر بقیہ رقم کو ہواؤں میں اڑا دو کہ صرف عمر خیام نہیں ہم بھی جانتے ہیں کہ خمار میں کیا کیا جنّتیں ہیں اور بابر کا نام نہ جاننے کے باوجود جانتے ہیں کہ عالم دوبارہ نیست۔

"اِن دونوں خواتین کے بے شمار مدّاح ہیں لیکن یہ انہیں چھوڑ کر

مجھ بوڑھے کے ساتھ آگئی ہیں۔" فلپ نے خوش ہو کر بتایا۔

"جو بھی بال کٹوانے آتا ہے وہ پہلا سوال یہی کرتا ہے کہ آج شام کے بارے میں کیا خیال ہے" جین بے حد خوشگوار انداز میں بولتی گئی "اس طرح روزانہ درجنوں مدّاح پیدا ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ قابل اعتبار نہیں ہوتے۔"

"قابلِ اعتبار تو فی لپ بھی نہیں ہے۔" ویلری جو پچھلی نشست پر میرے ساتھ براجمان تھی مجھے کہنی مار کر کہنے لگی "اپنے آپ کو بوڑھا کہتا ہے۔ ۔ ہا ہا تمہیں کچھ پتہ ہی نہیں ہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ ۔ ۔ ہم سے پوچھو۔"

"بتاؤ بتاؤ" جین نے شور مچا دیا۔

"خبردار ویلری" فلپ نے مصنوعی غصّہ سے کہا۔

قصبے کی دو چار روشنیاں ملگجے آسمان میں سے جھانکیں۔ ۔ ۔ ۔

ہنری ہفتم ایک پُرانی برطانوی پَب یعنی پبلک ہاؤس تھی اور ہمارے علاوہ اس کے نیم تاریک اندرون میں بہت کم لوگ تھے۔ ہم کاؤنٹر کے ساتھ رکھے سٹولوں پر بیٹھ گئے۔

"ہیلو ہیری۔ ۔ ۔" فِلپ پَب کے مالک موٹے ہیری کو جانتا تھا "وہی کچھ دو جو میں ہر ہفتے پیتا ہوں۔"

سب کو وہی کچھ دیا گیا جو وہ پیتے تھے۔

دو تین وہی کچھ نوش کرنے کے بعد پبلک ذرا موڈ میں آگئی۔ ۔ ۔ پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ یہاں تو بہت مست کرنے والی موسیقی بھی بج رہی ہے اور شام ابھی جوان ہے اور ہم تو خیر ہیں ہی۔ ۔ ۔ ۔ فی لپ اور ویلری اُٹھے اور کرسیوں کے درمیان بے حد سُستی سے رقص کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے اپنے مگ بھی اُٹھا رکھے تھے۔ ۔ ۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ کونسی موسیقی ہے اور اس پر رقص کرنے کا کیا

طریقہ ہے۔ مغربی موسیقی میرے لئے ایک نیا اور بہت سنسنی خیز تجربہ تھی، میرے خون کی گردش گٹار کو چھیڑنے سے کچھ تیز ہو جاتی تھی اور مجھے احساس ہوتا تھا کہ مجھے کچھ کرنا چاہیئے لیکن کیا؟ یہ میں نہیں جانتا تھا ۔۔۔۔ اور نہ ہی میں رقص کرنا جانتا تھا۔ اُن دنوں جو موسیقی خرگوشوں کے لئے بھی تیز سمجھی جاتی تھی وہ ان دنوں کے کچھوے بھی شاید سُست ہونے کی بنا پر پسند نہ کریں ۔۔۔۔ تیز ترین راک اینڈ رول کی اوّلین شکل تھی اور اس میں روائتی جاز کی دُھنیں بھی سر دُھننے کے لائق تھیں ۔۔۔ عام بینڈ دو گٹاروں۔ ایک ڈرم اور ایک بیس پر مبنی ہوتا تھا۔ اگر اس میں جاز کی آمیزش کرنی ہوتی تو ایک عدد سیکسافون شامل کر لیا جاتا ۔۔۔۔ یہ موسیقی میرے لئے بالکل نئی تھی۔ میں "یہ رات یہ چاندنی پھر کہاں ۔۔۔" کی دنیا سے نکل کر "وین دے سینٹس گو مارچن ان" میں جا پہنچا تھا۔

فلپ اور ڈیلری صرف اپنے خالی گلاس بھرنے کے لئے کاؤنٹر تک آتے اور پھر موسیقی کی لَے پر جھومتے رقص کرنے لگتے۔

"تم کتنی عمر کے ہو؟" یکدم جین نے سوال کیا اور میں چونک گیا ۔۔۔ یہ سوال مجھے بہت تنگ کر رہا تھا۔ نوٹنگھم کی ایک پارٹی میں مجھے لے جایا گیا اور مجھے لے جانے والے حضرات نے وہاں موجود خواتین کو بتایا کہ میں ماشاءاللہ اکیس برس سے زائد کا ہوں اور بالکل جائز ہوں۔

ایک خاتون مجھ پر ذرا مہربان ہو گئیں۔ میں بھی مہربان ہوا لیکن غلطی یہ کی کہ اُسے اپنی عمر بتا دی ۔۔۔ اس نے ایک ہلکی سی چیخ ماری اور واک آؤٹ کر گئی ۔۔۔ "میں ایک بچے کے ساتھ شام نہیں گذار سکتی!" ۔۔۔ یہ اس کے آخری الفاظ تھے ۔۔۔ میں میں اتنا بچہ بھی نہ تھا باقاعدہ انیس بیس برس کا تھا۔ اور اب جین نے بھی یہی سوال پوچھا تھا اور مجھے یقین ہے کہ اُسے بھی شک ہوا تھا کہ میں ذرا کچا ہوں۔

میں تقریباً بیس برس کا ہوں" میں نے اپنے تئیں بے حد اعتماد کے ساتھ کہا۔

"کرائسٹ، تم تو ابھی بچے ہو" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی "میرا خیال تھا کہ تم کم از کم پچیس چھبیس برس کے ہو ۔۔"

"میں ہوں تو اتنے ہی برس کا لیکن والدین کے بے جا لاڈ پیار کی وجہ سے چھوٹا رہ گیا ہوں" میں آہستہ سے بولا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے مزید لاڈ پیار نہیں کرنا چاہیئے ورنہ تم زیادہ چھوٹے ہو جاؤ گے" وہ شرارت سے ہنسی۔

"ضروری تو نہیں کہ لاڈ پیار سے انسان چھوٹا ہی ہو۔ ہو سکتا ہے بڑا ہو جائے" جین یکدم سنجیدہ ہو کر میری طرف دیکھنے لگی "ہُوں تم اتنے چھوٹے بھی نہیں ہو ۔۔۔۔ تمہیں کسی وقت آزمانا چاہیئے" اس کا پاؤں لکڑی کے فرش پر موسیقی کے ساتھ تال دے رہا تھا اور وہ بیئر کی وجہ سے تھوڑی سی لاپرواہ ہوئی جاتی تھی "کل صبح جاؤ گے؟"

"ہاں اگر فلپ مجھے ڈوور جانے والی سڑک پر ڈراپ کر آئے تو ۔۔۔۔ ورنہ اس ویرانے سے کیسے نکلوں گا"

"یہ اتنا ویرانہ بھی نہیں" جین نے ایک پُورا بدن بھرنے والا گھونٹ بھرا "تم اگر اگر لنڈن کی بھیڑ میں میری طرح کچلے جاؤ ناں تو تمہیں پتہ چلے ۔۔۔۔ یہ ویرانہ نہیں ہے ۔۔۔ کیا یہ جگہ خوبصورت نہیں یہاں گرمی ہے اور باہر سرد ہوا اور سمندر ہے"

تب مجھے بھی یاد آیا کہ باہر سرد ہوا اور سمندر ہے اور ہم اِن سے چھُپ کر یہاں کتنے سکون سے بیٹھے ہیں۔

"تمہیں اپنا پیشہ پسند ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں" اس نے کندھے جھٹکے "سکول کے بعد مجھے اس سے بہتر ملازمت

تو ملنے سے رہی اور پھر ٹپس بھی اچھے مل جاتے ہیں . . . . ویسے میں شام کو ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کا کورس بھی اٹینڈ کرتی ہوں . . . کسی روز میں کسی بڑے امیر کبیر شخص کی پرائیویٹ سیکرٹری بنوں گی اور پھر وہ مجھ سے شادی کر لے گا . . " آخری فقرے صرف شرارت تھے۔

" اور ہاں تم کون ہو ؟" اس نے بات جاری رکھی۔

" میں ؟ . . . . میں ایک پاکستانی ہوں ، میری عمر بیس سال کے قریب ہے انگلستان میں پڑھنے آیا تھا لیکن ایک رولنگ سٹون کی طرح لڑھکتا رہتا ہوں کبھی یہاں کبھی وہاں . . . اور آوارہ گردی میری سرشت میں ہے . . . . اور جین کیا یہاں کھانے کو بھی کچھ ملے گا یا نہیں ؟"

" کیوں کیا پینے سے تسلی نہیں ہوئی ؟ . . . . یہاں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا براؤن بوائے . . . " اس نے ایک مرتبہ پھر گلاس ختم کر دیا۔

ایک بوڑھا سر جھکائے پب کے اندر آیا اور اس کے ساتھ ہی ہوا اور سمندر کا شور اندر آیا اور دروازہ بند ہوتے ہی باہر رہ گیا۔

ساڑھے دس بجے ہنری ہفتم کا کلوزنگ ٹائم تھا اور موٹے ہیری نے ہمیں اور بقیہ پبلک کو منتیں کر کر کے پب سے باہر نکالا۔

اور باہر ہوا کے تھپیڑے تھے اور ان میں سمندر کی نمی تھی۔ اور بے حد تاریکی تھی ، لگتا تھا جیسے ہم سمندر کے کنارے نہ ہوں اس کے عین درمیان میں کسی ڈولتی کشتی پر ہوں۔

فلپ کی کار نے سٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا . . . . دھکے لگائے ، بانٹ کھول کر انجن چیک کیا لیکن کچھ نہ ہوا . . . .

فلپ مایوس ہو کر جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہو گیا . . . . اور پھر فوراً ہی کہنے

لگا ! "او ہو بھلا چابی کے بغیر کار کس طرح سٹارٹ ہو سکتی ہے " اس نے جیب سے چابی نکالی اور کار میں بیٹھ گیا . . . . وہ ذرا مخمور تھا۔

ساحل کے ساتھ ساتھ سڑک پر کار کی روشنیاں ڈولتی پھرتی تھیں۔ اور ارد گرد بالکل اندھیرا تھا۔ ہم کوئی انگریزی لوک گیت گا رہے تھے جس کے آخر میں سب لوگ " شی ڈڈراٹ " کا نعرہ لگاتے . . . یعنی " وہ کر گئی " پتہ نہیں کیا کر گئی لیکن کر گئی . . .

" خواتین و حضرات اب میں تمام روشنیاں گل کرنے لگا ہوں " فلپ کی آواز آئی خواتین نے مصنوعی چیخیں ماریں کہ ہائے اب کیا ہو گا۔ کار کی روشنیاں بجھ گئیں . . . ایک عجیب غیر حقیقی منظر ونڈ سکرین کے سامنے تھا اور ہم اس میں سے گذر رہے تھے۔ باہر اندھیرا نہ تھا بلکہ ڈھلتے چاند کا ایک تھال تھا جس کی روشنی ریت گھونگھوں اور سرمئی سمندر پر سلیٹی ہو رہی تھی۔

" اور اگر ہم سیدھے سمندر میں چلے جائیں تو ؟" ویلیری کی آواز میں خوف تھا۔

" تو یہ کار ایک بادبانی کشتی کی طرح تیرے گی . . . " فلپ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

" جہاں تک تیرنے کا تعلق ہے تو وہ تو ہم سب تیر رہے ہیں " جین نے ایک ہچکی لی۔ اس لمحے میں ان سب سے یکدم کٹ گیا۔ میں اُن تینوں سے اور اُس کار سے الگ ہو گیا۔ ہر آوارہ گرد پر یہ لمحہ آتا ہے جب وہ آس پاس کو حیرت سے تکتا ہے کہ یہ میں کہاں آ گیا ہوں۔ اور اس مقام پر کس طرح پہنچ گیا ہوں . . . . میں تو اپنا رک سیک اٹھائے ڈوور جا رہا تھا اور اب ایک ڈھلتے تھال کی ناکافی روشنی میں سلیٹی سمندر کے ساتھ ساتھ کن لوگوں کے ساتھ سفر کر رہا ہوں . . . . مجھ پر یہ لمحہ آیا اور بیت گیا . . . کار میں سمندر کا اور باتوں کا شور تھا اور ہنسی تھی۔ پتہ نہیں کون ہنس رہا تھا . . . . پھر کار رُک گئی۔ ہم باہر آ گئے۔ ہوا ہمیں روکتی تھی۔

کیبن کے اندر پہنچ کر میں نے اپنا سلیپنگ بیگ نکالا اور لکڑی کے ایک تختے

پر بچھا کر لیٹ گیا۔ فی لپ خراٹے لے رہا تھا اور دونوں لڑکیاں ساتھ والے حصے میں کچھ کھسر پُسر کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اُدھر بھی خاموشی ہو گئی۔ میں بے چینی سے پہلو بدلتا رہا اور پھر تنگ آکر اٹھا اور باہر آگیا۔۔۔ یہ نصف شب کے قریب کا عمل تھا۔ گھونگھوں کا یہ جزیرہ ایک راستے کی صورت دور تک سمندر کے اندر جا رہا تھا۔ میں ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو کیبن نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ میں وہیں ساحل کے قریب گھونگھوں پر بیٹھ گیا اور سُرمئی پانیوں کو آگے آتے اور پیچھے ہٹتے دیکھنے لگا۔ ان کے تواتر میں ایک سُلا دینے والا سحر تھا۔ رات زیادہ خوشگوار نہ تھی۔ سمندر کی نمی سے بدن سرد ہوتا تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو شائد میں وہیں سو جاتا۔ اِس جزیرے پر تین چار اور کیبن تھے شکستہ اور ویران۔ یا شائد اُن میں کوئی ہو۔ کیا پتہ۔۔۔ چاند کے ڈھلنے سے سمندر کا شور بھی آہستہ آہستہ دھیما پڑنے لگا۔

میں اُٹھا اور اپنے آپ کو ہوا سے بچاتا کیبن کی جانب چل دیا۔

اگلی صبح جب آنکھ کھُلی تو کیبن کے تختوں میں سے دھوپ کی سیدھی لکیریں میرے سلیپنگ بیگ پر پھیل رہی تھیں۔ میں آنکھیں ملتا باہر آیا تو اُس جزیرے کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ اس کی بیابانی اور ویرانی تو قائم تھی لیکن دھوپ کی وجہ سے سمندر چمک رہا تھا اور اس کی چمک سے گھونگھوں کا ساحل اور ٹیلے بھی روشن ہو رہے تھے۔ جین اور ویلری نہانے کے مختصر لباس میں اوندھی لیٹی دھوپ سینک رہی تھیں اور فی لپ ان سے کچھ فاصلے پر کرسی ڈالے کوئی رسالہ پڑھ رہا تھا۔

"ناشتے سے پہلے ایک ڈبکی لگا لو" ویلری نے پکارا "پانی ٹھیک ہے۔"

فی لپ رسالہ پڑھتا رہا اور جین اُسی طرح لیٹی رہی۔

میں نے کیبن میں جا کر کاسٹیوم پہنا اور پھر باہر آگیا۔۔۔ جین نے بمشکل تمام سر اُٹھایا اور پھر آنکھیں بند کر کے اونگھنے لگی۔

میں پانی کے اندر گیا تو اس میں ابھی رات کی خنکی موجود تھی۔ میں نے اپنے آپ کو اچھی طرح بھگویا اور پھر باہر آکر لیٹ گیا۔

"اوہو" جین نے سر اٹھایا "تم پر تو سورج فوراً اثر انداز ہو جاتا ہے۔ اِدھر دھوپ میں لیٹے ہو اور اُدھر کتنے براؤن ہو گئے ہو۔"

فی لپ اپنا رسالہ بغل میں دابے کیبن کی طرف جا رہا تھا "فی لپ۔۔ کیا پروگرام ہے؟"

"کونسا پروگرام؟" وہ رُک گیا۔

"یاد ہے مجھے ڈوور پہنچنا ہے۔۔؟"

"ہاں" اُس نے سر ہلایا "تو تم چلے جاؤ" اور کیبن میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر آیا تو میں نے غصے سے کہا کہ کیسے چلا جاؤں۔۔۔ پیدل چلا جاؤں؟

"ہاں۔۔۔ یہ تو ہے" اس نے پھر سر ہلایا "بھئی اس جزیرے سے ڈوور جانے والی سڑک تک کل صبح ایک کار جائے گی۔۔ اس سے پہلے اگر کوئی جانا چاہتا ہے تو میں اُسے روکوں گا نہیں۔"

"لیکن تم نے وعدہ کیا تھا فلپ"

"ہاں کیا تھا" اس نے لاپرواہی سے کہا "لیکن تمہیں اور کیا چاہیئے۔ ایک ویران جزیرہ۔ دو لڑکیاں اور ایک کیبن۔۔۔ اور کیا چاہتے ہو؟"

"تو میں اب یہاں بیٹھا رہوں؟"

"ہاں کل صبح سے پہلے میں اس کار میں نہیں بیٹھوں گا۔۔۔۔ تم بھی آرام کرو۔۔۔ آج اور کل میں کیا فرق ہے۔"

فلپ شائد درست کہتا تھا۔ مجھے کہاں جانا تھا؛ میرا کوئی پروگرام نہ تھا۔ مجھے کسی سے ملنا نہیں تھا۔ کسی ٹائم ٹیبل پر عمل نہیں کرنا تھا تو پھر آج نہ سہی کل

صبح سہی . . . . میں ذہنی طور پر مطمئن ہو کر لیٹ گیا۔ گھونگھے ننگے بدن پر نشان بناتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ویلری کافی اور بسکٹ لے کر آگئی۔ یہ ناشتہ تھا۔

دوپہر کے کھانے میں ایک سوکھی ہوئی ڈبل روٹی اور کھیرے کا اچار ملا۔ میں دھوپ سینکتا رہا اور خالی الذہن ہو کر سمندر کو سُنتا رہا۔ کبھی اونگھ آجاتی اور کبھی میں ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگتا۔ اُن تینوں میں سے کوئی بھی گفتگو کے موڈ میں نہ تھا۔ وہ پورا ہفتہ لنڈن میں اتنی مشقت کرتے تھے۔ ہزاروں لوگوں سے خوشگوار باتیں کرتے تھے کہ اب وہ صرف چپ رہنا چاہتے تھے اور اونگھنا چاہتے تھے۔ میں بھی اُن کی رفاقت میں اُن جیسا ہو گیا۔

شام ہوئی تو ہم کیبن میں آگئے . . . باہر ہوا تیز ہو گئی تھی۔

میرے پاس کچھ پنیر اور اُبلے ہوئے انڈے تھے جو میں نے اُن تینوں کی خدمت میں پیش کئے۔ یہ ڈنر تھا۔

”ہنری ہفتم ہمیں پکار رہی ہے“ فلپ نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کر اعلان کیا۔

”ہنری ہفتم عورت تھی؟“ میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

”نہ“ ویلری نے سر ہلایا۔

”نہیں نہیں“ جین نے بھی انکار کر دیا۔

”تو پھر میں اور براؤن بلائے چلے جاتے ہیں“ فلپ بولا۔

”وہاں اگر کچھ کھانے کو بھی ملتا تو شائد میں تمہارا ساتھ دیتا؟“

”وہاں ایک سٹور بھی ہے جہاں سے تم دودھ اور ڈبل روٹی وغیرہ خرید سکتے ہو . . . کیا تم ایک جانور کی سطح سے بلند نہیں ہونا چاہتے۔ انسان کو تو کھانے کی پرواہ ہی نہیں ہونی چاہیئے“

”اور پینے کی؟“ میں نے ہنس کر کہا۔

”ہاں یہ معاملہ الگ ہے . . . اچھا تو پھر نہیں جاؤ گے؟“

”نہیں“

”تو پھر اکیلا جا کر کیا کروں گا . . . یوں بھی صبح سوموار ہے اور ہم یہاں سے سیدھے اپنی دوکان پر جا کر کاروبار کا آغاز کر دیں گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں بھی آرام ہی کروں“ اس نے اپنا اکلوتا رسالہ نکالا اور اُسے پڑھنے میں مشغول ہو گیا . . . .

. . . .

موم بتی گل ہو چکی تھی اور فلپ اپنے رسالے کو چہرے پر اوڑھے سو رہا تھا اور ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔ جین اور ویلری بھی شائد سو چکی تھیں . . میں سونے کی کوشش میں تھا۔ رات تھی اور پتہ نہیں کیا وقت تھا۔ کیبن کے تختوں کی درزوں میں سے پہلے اندھیرا داخل ہوتا رہا تھا لیکن اب ان میں ہلکی سی روشنی تھی۔ پچھلی رات کا چاند ابھر چکا تھا . . . سمندر میں جوار بھاٹا کا عمل تیز ہو رہا تھا . . . کیبن کے اندر کسی نے حرکت کی۔

”یہ کون ہے؟“ میں نے کچھ خوفزدہ لہجے میں فوراً کہا۔

”میں جین ہوں“ وہ قریب آگئی۔ نیم غنودگی میں یکدم مجھے شائبہ ہوا کہ وہ بالکل بے لباس ہے لیکن ایسا نہ تھا وہ کچھ نہ کچھ ضرور پہنے ہوئے تھی جو مجھے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ”سومنگ کے لئے چلو گے؟“

”اس وقت؟“ میں نے حیرت سے کہا۔

”بہت اچھا وقت ہے۔ میرے پاس گرم کافی سے بھری ہوئی فلاسک ہے اور کچھ سینڈوچ ہیں۔ آؤ چلیں“

”نہ“

" تم تو بالکل سست ہڈّی ہو" وہ مجھے جھنجوڑتے ہوئے کہنے لگی" ڈیلری کو جگانے کی کوشش کی تو وہ ناراض ہو گئی۔ ابھی فلپ سے کہا تو وہ کہنے لگا کہ تمہارا دماغ خراب ہے دفع ہو جاؤ اور سو جاؤ۔"

" فلپ ٹھیک کہتا ہے۔ سو جاؤ"

" تم ذرا باہر چل کر دیکھو تو سہی۔۔۔"

" باہر سرد ہوا ہے اور شور ہے۔"

" اور چاندنی ہے۔"

" مجھے نیند آ رہی ہے۔"

" میں اگر اکیلی جا سکتی تو ضرور چلی جاتی تم لوگوں کی منتیں نہ کرتی۔۔۔ میں نے تو کپڑے بھی بدل لئے ہیں۔"

تو وہ بے لباس نہیں تھی بلکہ نہانے کا ایک مختصر لباس پہنے ہوئے تھی۔۔

۔۔۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنا گرم سلیپنگ بیگ چھوڑا اور بوٹ پہننے لگا۔

" تھینک یو براؤن بوائے" وہ ہنس کر بولی۔

باہر کچھ ایسا تھا جیسے یہ کوئی اور سیارہ ہے۔ چاند کا زرد گرتا ہوا تھال شائد زمین تھا۔ ایک ویران خلا تھا اور اس میں سمندر کسی ذی روح کی طرح کروٹیں لیتا پھنکار رہا تھا۔ ویرانی میں ہوا ہمارے قدموں کو اکھاڑتی تھی جو گھونگھوں کو پیستے ہوئے آگے بڑھتے تھے۔ میں اپنے ساتھ چلتی جین کی موجودگی سے بھی غافل ہو رہا تھا۔

" کہاں جانا ہے؟"

" اُدھر ایک کنکریٹ کا مورچہ ہے وہاں کوئی نہیں ہو گا" اس نے بلند آواز میں جواب دیا۔

" مورچہ؟"

" دوسری جنگ عظیم میں جب جرمن حملے کا خطرہ تھا تو اس ساحل کے ساتھ ساتھ حفاظتی مورچے تعمیر کئے گئے تھے جو اب ویران پڑے ہیں۔ میں آج صبح دیکھ آئی تھی۔ وہاں تو انسان رات بھی بسر کر سکتا ہے۔"

" اس سردی میں اور ہوا میں؟"

" اکیلا تو نہیں کوئی ساتھ ہو تو" اس نے عجیب انداز میں کہا۔

ہم ہوا کے آگے سر جھکائے گھونگھوں پر قدم جمائے چلتے رہے۔ آس پاس کہیں بھی کوئی روشنی نہ تھی۔

ساحل کے ساتھ ایک سیاہ حجم نظر آیا۔

" وہ" جین بولی۔

ہم قریب گئے تو ایک دو چمگادڑیں برآمد ہو کر ہمارے اُوپر سے اڑ گئیں۔۔۔

" میں تو اندر نہیں جاؤں گا"۔۔۔

جین نے فلاسک اور اپنا تولیہ مورچے کی چھت پر رکھا اور پانی کی جانب چلنے لگی۔

" تم بھی آ جاؤ۔ پانی اتنا سرد نہیں" وہ گھونگھوں پر احتیاط سے چلتی جب پانی میں داخل ہوئی تو کھڑی ہو گئی" اوہ پانی تو باقاعدہ نیم گرم ہے۔ آؤ"

مجھے یاد آیا کہ سومنگ کاسٹیوم تو کیبن کے باہر میں نے سوکھنے کے لئے ڈالا تھا۔۔

جین پانی میں چلتی گئی اور پھر چاند کی ناکافی روشنی میں وہ سمندر میں مل گئی۔۔۔

تھوڑی دیر بعد شور سے اس کی آواز تیرتی آئی" آ جاؤ پانی بہت اچھا ہے۔"

میں جب پانی میں داخل ہوا تو میرے گھٹنے بھڑنے لگے۔ میری ٹانگیں بے اختیار ہو گئیں۔ سمندر بالکل گلیشیر تھا اور بی بی نے اسے نیم گرم قرار دے کر مجھے پھنسا دیا تھا۔ وہ کہیں آگے تھی اور مجھے نظر نہیں آ رہی تھی۔

" میں واپس جا رہا ہوں نمونیہ نہیں کروانا میں نے اپنے آپ کو" میں مڑنے لگا۔

"تم ہمت کر کے چھلانگ لگا دو ایک مرتبہ، کچھ نہیں ہوگا" وہ سمندر میں کہیں تھی۔

میں اُسی طرح کانپتا ہوا آگے بڑھا اور پھر جی کڑا کر کے قدرے گہرے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ ایک مرتبہ تو سٹی گم ہو گئی۔ سانس بھی سرد ہو گیا اور بدن منجمد ہو گیا لیکن دو چار ڈبکیوں کے بعد کپکپی کچھ کم ہو گئی۔ پانی نیم گرم تو دور کی بات ہے نیم بھی نہ تھا باقاعدہ برفیلا تھا۔

"اِزن اِٹ لَولی؟" جین میرے آس پاس ڈولفن مچھلی کی طرح اُبھرتی اور ڈوبتی تھی۔

"تم کہتی ہو تو اِٹ اِز لَولی . . . !"

"پانی میں کھڑے مت ہو۔ ڈبکیاں لگاتے رہو" اس نے قریب سے تیرتے ہوئے مجھے تھوڑا سا دھکیلا اور میں پھر پانی میں تھا۔ اور اس کا نمک میرے سارے بدن پر تھا جو اسے چوس رہا تھا اور میرے ہونٹ نمکین ہو رہے تھے۔ میں اگر پانی میں کھڑا ہوتا تو سردی لگتی لیکن پانی کے اندر صورت حال کچھ بہتر تھی۔

"یا ہُو" میں نے یکدم ایک زوردار چیخ ماری کیونکہ کوئی شے میری ٹانگوں کو چھو کر گزر گئی تھی یقیناً کوئی آبی جانور مگرمچھ وغیرہ۔

"کیا ہوا؟" دور سے اُس کی آواز آئی۔

"یہاں کچھ تھا"

"میں تھی" وہ ہنسی۔

زرد تھال جیسے تھکا ہوا تھا۔ پیلا اور پژمردہ۔ ذرا اُبھرا اور پھر سمندر میں دفن ہونے لگا۔ میں پانی سے باہر آ گیا۔

"تم ہی بتاؤ کیا یہ زبردست سوم نہیں تھی؟" وہ بھی باہر آ رہی تھی۔

ہم چھوٹے سے تولیے پر بیٹھ گئے۔ کافی گرم تھی۔ اس نے پہلے ہمارے نیلے پڑتے ہونٹ گرم کئے اور پھر بدنوں میں نیم گرم لاوے کی طرح بہنے لگی۔ چاند جا

چکا تھا اور اب پھر اندھیرا تھا لیکن اس میں ایک ہلکی گھلاوٹ تھی صبح کی روشنی کی۔ سمندر کا شور مدھم پڑ رہا تھا۔

فلپ کی فیئٹ رُک گئی۔

دائیں ہاتھ پر سڑک کینٹربری کے راستے لنڈن تک جا رہی تھی اور دائیں ہاتھ پر "ڈوور" کا سائن پوسٹ آویزاں تھا۔

میں نے اپنا رُک سیک نکالا اور کاندھے پر ڈال لیا۔۔۔۔

"کل رات پاٹی کتنا خوبصورت تھا۔۔" جین نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا "اور تم اتنے چھوٹے بھی نہیں ہو۔۔۔ تم اگر لنڈن آؤ تو میں تمہاری حجامت مفت میں بنا دوں گی۔۔۔ کیسی آفر ہے؟"

"یہی آفر میری بھی ہے۔" ویلری نے اپنا ہاتھ آگے کیا "بلکہ میں ہیئر کٹ کے ساتھ شیمپو بھی مفت میں کر دوں گی"

"گڈ مین" فلپ نے کسی راہب کی طرح اپنی داڑھی کو پیار سے ٹٹولا "اور میں تمہاری شیو کر دوں گا۔۔۔ چونکہ تمہارے بال تو قدرتی طور پر گھنگھریالے ہیں اس لئے میں انہیں کیا کر سکتا ہوں؟ ۔۔۔ تم اچھی کمپنی تھے خدا حافظ"

وہ تینوں ہاتھ ملا کر چلے گئے اور اُن کے ساتھ گھونگھوں کا پورا جزیرہ اور ایک زرد تھال اور تیز ہوا اور سمندر بھی۔۔۔ پھر میں کبھی اُس جزیرے کی جانب نہیں گیا۔

وہ وہیں ہو گا مجھے یقین ہے۔ اور اتنے برس گذر گئے کہ مجھے اس کا صحیح نام بھی یاد نہیں شاید یہی تھا سی شیل آئی لینڈ۔۔۔

ڈوور کی بندرگاہ میں سٹیمر تو لنگر انداز تھا لیکن اس میں کوئی جگہ نہ تھی۔ اگلا سٹیمر شام پانچ بجے کا تھا۔ میں نے ٹکٹ خرید کر جیب میں ڈالا، سامان بندرگاہ میں جمع کروایا اور ساحل کے اس حصّہ میں چلا گیا جس کے ساتھ ساتھ سفید چٹانوں کی ایک دیوار دور تک چلی جاتی ہے۔ چونے کی بنی ہوئی یہ سفید دیوار ایک عظیم قلعے کی طرح انگلستان کے دروازے کے ساتھ کھڑی ہے۔ ساحل پر اِدھر اُدھر بے مقصد گھومنے کے بعد ایک دوکان سے فش اینڈ چپس خریدے اور انہیں کھاتا ہوا میں واپس بندرگاہ کو چلا گیا سٹیمر شاید بھونپو بجا بجا کر مجھے ہی بلا رہا تھا۔

رودبارِ انگلستان کے پانی ایک ہموار چادر کی طرح پُرسکون اور خاموش تھے۔۔۔ ہم بے حد پُرامن سمندر پر محوِ سفر تھے۔ رات دس بجے کے قریب ہم فرانس کی بندرگاہ کیلے میں پہنچے۔ اگرچہ میں ہچ ہائکنگ کے ذریعے سفر کرنا چاہتا تھا لیکن کیلے سے پیرس اور پیرس سے سوئٹزرلینڈ کے شہر جنیوا تک کے لئے میں نے تھامس کک اینڈ سنز سے ریلوے کا ٹکٹ خرید رکھا تھا۔۔۔ صرف اس لئے کہ میں جلد از جلد سوئٹزرلینڈ پہنچنا چاہتا تھا۔ کیلے سے پیرس تک کا ٹرین کا سفر ویسا ہی تھا جیسا کہ ایک عام سفر ہوتا ہے۔ مسافر، رات، سردی، بھوک، غیر معروف سٹیشن اور آہنی پہیوں کی متحرک آواز۔۔۔ نہ کوئی حادثہ نہ کوئی واقعہ۔۔۔ پیرس کا ریلوے سٹیشن بھی کچھ زیادہ پُررونق نہ تھا۔ مجھے یہاں سے گاڑی بدلنی تھی اور جنیوا جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر کھڑی تھی وہ اتنا تاریک اور اتنا عام سا تھا کہ اپنا کامونکی سٹیشن اُس سے بہت بہتر ہے۔۔۔ میں تھکا ہوا تھا۔۔۔ میں نے ایک کمپارٹمنٹ میں اپنا رُک سیک رکھا اور پھر خالی نشست پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔۔۔ مجھے معلوم نہیں کہ گاڑی کب

سٹیشن سے باہر نکلی اور کب فرانس کے بلند پہاڑوں میں سے گذرتی ہوئی سوئٹزرلینڈ کے کسی سرحدی سٹیشن پر جا کھڑی ہوئی۔ کسٹم کا عملہ ٹرین میں آیا اور پاسپورٹ وغیرہ چیک کر کے فوراً ہی نیچے اتر گیا۔

میں نے کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی.... کیونکہ باہر سوئٹزرلینڈ تھا.. اگر یہ ملک نہ ہوتا تو کیلنڈروں پر پتہ نہیں کہاں کی تصویریں چھپتیں.. باہر کچھ بھی نہ تھا۔ طویل اور تاریک سائے تھے جو شاید پہاڑ تھے۔ پھر جیسے سمندر کا کنارہ ہو۔ کہیں کہیں کوئی روشنی نظر آجاتی۔ ہم جنیوا کے سٹیشن میں داخل ہوئے تو ابھی صبح ہونے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ میں ٹرین سے باہر نکلا تو فضا میں وہی سرد مہک تھی جو راشڈیل روڈ کے کھیتوں اور ٹیلوں پر برف پڑنے کے بعد بدن میں پھیلتی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو جیکٹ میں بند کیا اور پلیٹ فارم پر چلنے لگا... مجھے کہاں جانا تھا؛ کہیں بھی نہیں... بس میں آگیا تھا اور آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ ٹکٹ چیکر کے پاس پہنچنے والا میں آخری مسافر تھا... سامنے سٹیشن سے باہر مجھے ایک سنسان بازار نظر آرہا تھا۔ سٹریٹ لائٹس روشن تھیں اور کبھی کبھار کوئی کار بے حد معمولی رفتار سے رینگتی ہوئی گذر جاتی۔ اس بازار سے پرے ایک تاریک حجم تھا جو جھیل جنیوا کے پانیوں کا تھا۔

میں ٹکٹ چیکر کے قریب کھڑا ہو گیا "کیوں جناب یہاں جنیوا میں بہت سستی رہائش کہاں مل سکتی ہے؟"

"اِس وقت؟" اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی "کہیں بھی نہیں۔ سورج نکلنے میں دو ڈھائی گھنٹے باقی ہیں تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔"

"یہیں سٹیشن پر انتظار کر لوں؟"

"نہیں یہاں اجازت نہیں ہے.."

"تو پھر کہاں جاؤں؟"

"مجھے کیا پتہ؟" اُس نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ٹورسٹ آفس کب کھلے گا؟"

"صبح آٹھ بجے۔"

"اور اگر مجھے کچھ معلومات درکار ہوں تو میں کیا کروں.... میں نے تو سنا تھا کہ یہ ملک سیّاحوں کی جنّت ہے... اچھی جنّت ہے جہاں پلیٹ فارم پر مسافروں کو انتظار بھی نہیں کرنے دیتے۔"

"تم میرے ساتھ آؤ" اس نے پھر کچھ ناپسندیدگی سے کہا۔

"چلو" میں نے رُک سیک اُٹھا لیا۔

جنیوا سٹیشن کے اندر وہ کسی قسم کا دفتر تھا۔ شائد کسی فضائی کمپنی کا۔ اس کی چابی اس ٹکٹ چیکر یا گارڈ کے پاس تھی۔ اس نے دفتر کا دروازہ کھولا اور سر جھٹک کر کہنے لگا "یہاں بیٹھ جاؤ صبح تک۔ سات بجے سے پہلے پہلے چلے جانا... میری ڈیوٹی بھی ختم ہو گئی ہے۔ خدا حافظ۔"

دفتر کے کاؤنٹر کے سامنے ایک طویل صوفہ رکھا تھا۔ میں نے رُک سیک میں سے اپنا سلیپنگ بیگ نکال کر صوفے پر بچھایا اور جوتے اتار کر اُس میں گھس گیا۔ تھکاوٹ اتنی شدید تھی کہ بہت دیر تک میں سو نہ سکا... پھر میری بند آنکھوں میں نیند کسی ماہر تیراک کی طرح نرم اور بے آواز تیرنے لگی۔

کوئی میرے سر پر کھڑا کچھ کہہ رہا تھا.. کمال ہے۔ آخر پرائیویسی بھی کوئی چیز ہوتی ہے نہ سلام نہ دعا اور دستک دیئے بغیر میرے کمرے میں آگئے... کون ہے بھئی.... ایک ادھیڑ عمر خاتون کسی عجیب سی زبان میں کچھ کہے جا رہی تھی... تب میں نے سر جھٹک کر اپنے خوابیدہ حواس بحال کرنے کی کوشش کی اور یاد کیا کہ

میں کہاں ہوں اور کیوں ہوں . . . یہ میرا کمرہ نہیں تھا اور میں اپنے بستر پر محوِ خواب نہیں تھا بلکہ یہ جنیوا کے ریلوے سٹیشن پر کوئی دفتر تھا جس کے صوفے پر میں قابض تھا۔ وہ خاتون دراصل دفتر میں کام کرنے آئی تھیں اور مجھے یوں اس دفتر کو بیڈ روم بنائے ہوئے دیکھ کر کہہ یہ رہی تھیں کہ میاں تم جو بھی ہو اپنی راہ لو . . . میں اُٹھا اور سلیپنگ بیگ سمیٹ کر رُک سیک میں رکھ لیا۔

"وہ دراصل رات کو . . . سونے کی جگہ . . . آئی ایم سوری" میں نے خاتون کو اپنی موجودگی کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی جو ناکام ہو گئی کیونکہ وہ خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ دراصل وہ غریب حیران بہت تھی کہ یہ لڑکا دفتر کے اندر کیسے آ گیا اور کتنے مزے سے سو رہا ہے۔ بہر حال میں سٹیشن پر آیا تو ٹورسٹ آفس بھی کھل چکا تھا اور پلیٹ فارم پر مسافر بھی آ جا رہے تھے۔

"مجھے جنیوا میں دو چار روز کے لئے بہت ہی ارزاں رہائش چاہیئے۔" میں نے ٹورسٹ آفس کی انکوائری کے پیچھے کھڑی خاتون سے کہا۔ یہ خاتون ابھی ایک چھوٹے سے آئینے کی مدد سے اپنی لپ سٹک درست کر رہی تھی۔

"کتنی ارزاں؟" اس نے بے حد کاروباری انداز میں فوراً وہ رجسٹر کھول لیا جس پر مختلف ہوٹلوں، پرائیویٹ رہائش گاہوں اور ہوسٹلوں وغیرہ کے فون نمبر اور پتے درج تھے۔

"بے شک مفت ہو . . ." میں نے کہا۔

"مفت؟" وہ سنجیدہ ہو گئی "مفت تو نہیں مل سکتی۔"

"نہیں نہیں میں تو . . . مذاق کر رہا تھا۔"

"اچھا؟" وہ پھر رجسٹر پر جھک گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے سر اٹھایا اور مجھے دیکھا اور پھر میرے رُک سیک کو دیکھا اور پھر کہنے لگی "تمہارے پاس تو خیمہ ہے"

"وہ تو ہے"

"تو پھر تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا" وہ ذرا ناراض ہو کر کہنے لگی "تم کیمپنگ میں چلے جاؤ" اس نے جنیوا کا ایک تفصیلی نقشہ میز پر پھیلا کر اُس پر چند لکیریں لگائیں

"یہاں سے . . . جھیل جنیوا کے کنارے سے یہ ٹرام لو اور یہاں . . . جہاں میں نے کراس لگایا ہے یہاں اُتر جاؤ . . ." اس نے نقشہ میرے حوالے کر دیا۔

"شکریہ مس"

"مس نہیں" وہ مسکرا بولی "میڈموزیل . . . جنیوا میں فرانسیسی بولی جاتی ہے"

"میاسی" میں نے فرانسیسی کا واحد "شکریہ" اُس کے حوالے کیا اور سٹیشن سے باہر آ گیا۔ کسی بھی سوس شہر کی سب سے بڑی پہچان سُرخ رنگ کے وہ پرچم ہیں جن پر ایک سفید کراس بنا ہوا ہے اور جو ہر کھڑکی اور ہر دوکان سے لٹک رہے ہوتے ہیں۔ سوس اپنے جھنڈے کو سجاوٹ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی ناممکن ہے کہ آپ سوئٹزرلینڈ میں ہوں کسی جگہ بھی اور آپ کی نظر سوس فلیگ پر نہ پڑے . . . اور کچھ نہیں تو آپ جو کیک پسند کریں گے اس پر بھی سوس جھنڈا بنا ہو گا۔ سوس شہروں کی دوسری سب سے بڑی پہچان جرینیم کے سُرخ پھول ہیں جو تقریباً ہر کھڑکی کے سامنے بہار دکھاتے ہیں . . . جنیوا کے اس بازار میں جو سٹیشن کے عین سامنے تھا اور سیدھا جھیل جنیوا میں اترتا تھا سوس پرچم لہرا رہے تھے اور کھڑکیوں میں پھول تھے۔ یہ میرا پہلا سوس شہر تھا اور یہ مجھے بہت مختلف لگا۔ ہاں یہ بہت صاف اور شفاف تھا لیکن صفائی تو جرمنی میں بھی بہت ہوتی ہے۔ یہ خوبصورت بھی تھا اور فرانس کے شہر بھی بہت خوبصورت ہوتے ہیں تو پھر جنیوا کیا تھا . . . جنیوا صرف ایک سوس شہر تھا اور اس کے تعارف کے لئے بس یہی لفظ کافی ہیں۔

میں ٹرام پر سوار ہونے کے لئے جھیل کی جانب جا رہا تھا کہ ایک ریستوران کے برحے تازہ کافی کی ایسی مہک آئی کہ میرے قدم رُک گئے . . . میں اندر جانے لگا اور

رک گیا۔ وہ ریستوران اتنا صاف اور اُجلا تھا کہ میں رک گیا۔ میرے بوٹ گندے تھے اور دوور سے لے کر جنیوا تک کے سفر کی تھکاوٹ مجھ میں اور میرے کپڑوں میں تھی... میں نے نظریں جھکا دیں اور پھر چلنے لگا۔ اب میں شہر جنیوا کو دیکھتا نہ تھا... صرف اس لئے کہ میں تمہیں دیکھوں گا لیکن ذرا تازہ دم ہو کر، ذرا بہتر لباس ہو کر۔ ٹرام میں سوار ہو کر میں نے نقشہ کنڈکٹر کو دکھایا کہ بھائی یہاں اتار دینا۔ اس نے نقشے کی جانب دیکھے بغیر سر ہلایا "کیمپنگ ؟... ہاں ہاں..."

ٹرام ایک ایسے شہر میں سے گذر رہی تھی جو انگلستان کے شہروں سے بہت مختلف تھا۔ ایک تو اس کی فضا بلور کی طرح صاف تھی اور ہوا میں وہی برفباری کے بعد کی سرد مہک تھی۔ ٹرام جھیل کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی... میرے ساتھ سفر کرنے والے سوس مجھے ایک نظر دیکھتے اور پھر میں ان کے لئے ختم ہو جاتا اور وہ میرے وجود سے غافل ہو کر اخبار دیکھنے لگے۔

جھیل جنیوا ایک مقام پر ذرا سکڑی تو اس پر ایک پُل تھا۔ اور پُل کے دونوں طرف آہنی جنگلے پر سوس جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ٹرام نے جھیل کو اسی جگہ سے عبور کیا اور شہر کے دوسرے حصے میں داخل ہو گئی۔ جنیوا تقریباً ہموار شہر تھا اور اس کے آس پاس بھی کوئی بلند برفانی پہاڑ نہ تھے بلکہ چند پہاڑیاں تھیں... پھر ایک اور پُل آیا جو دریائے رہون کے اُوپر تھا۔ یہاں سے چڑھائی شروع ہو گئی۔ چند فرلانگ کے فاصلے پر ٹرام رک گئی "کیمپنگ" کنڈکٹر نے رک سیک کندھے پر رکھنے میں میری مدد کی۔

"کہاں ؟" میں نے پوچھا۔

کنڈکٹر نے دائیں ہاتھ پر اُوپر کو جاتی ہوئی ایک سڑک کی طرف اشارہ کیا...

ٹرام جب چلی گئی تو میں اُس راستے پر آہستہ آہستہ چلنے لگا... یہ شارع عام نہیں تھی۔ تھوڑی دور جا کر چند درخت نظر آئے جن کے آس پاس چند خیمے لگے ہوئے

تھے۔ وہیں کیمپنگ کا دفتر تھا۔ میں نے پاسپورٹ جمع کروایا اور رسید حاصل کر لی۔

"خیمہ کہاں لگاؤں ؟" میں نے کلرک سے پوچھا۔

"کہیں بھی لگا لو۔ یہ کیمپنگ کارپوریشن نے شروع کی ہے اس لئے یہاں فی الحال کوئی کرایہ نہیں۔ باتھ روم وغیرہ ادھر درختوں کے جھنڈ میں ہیں اور ریستوران دوسری جانب پہاڑی کے سرے پر ہے" کیمپنگ میں ابھی کچھ زیادہ رونق نہ تھی۔

میں نے رک سیک زمین پر رکھا اور خیمہ کھول کر زمین پر پھیلا دیا... پھر میخیں گاڑ کر تنابیں کھینچ دیں۔ میں خیمے میں سامان رکھ رہا تھا اور ساتھ میں اُس بوڑھے کو دیکھ رہا تھا جو نیکر پہنے ایک انتہائی بوسیدہ خیمے کے باہر ایک چھوٹے سے سٹول پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اُس نے اخبار پر سے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور مسکرایا اور پھر اخبار پڑھنے میں مشغول ہو گیا..
...اس نے اپنے انداز میں مجھے خوش آمدید کہہ دیا تھا...

میں نے اپنے چھوٹے سے گھر میں جھانکا تو اس نے مجھے بلایا کہ آجاؤ تم تھکے ہوئے ہو۔ تم میں جذبہ زیادہ ہے اور ہمت کم ہے۔ آؤ آرام کر لو کیونکہ جنیوا کا شہر اور جھیل کہیں نہیں جائیں گے یہیں رہیں گے۔ تم سے پیشتر لاکھوں آئے اور اس کے ساحلوں پہ خیمے نصب کر کے پل دو پل کے لئے رُکے اور چلے گئے۔ وہ چلے گئے اور جھیل جنیوا کے پانی وہیں رہے... آرام کرو۔

خیمے کے کپڑے پر دھوپ تھی جو اسے گرم کرتی تھی اور اس کے سبز رنگ کو روشن کرتی تھی... اندر ایک خوشگوار حدت تھی... میں نے کپڑے تبدیل کئے اور ایک نیلی نیکر پہن کر لیٹ گیا... اور شاید فوراً ہی سو گیا۔

پتہ نہیں کیا وقت ہو گا... کسی نے فرانسیسی میں کچھ کہا اور پھر میرے خیمے کا پردہ اٹھایا۔ میں نے خمار آلود آنکھوں سے کسی کو جھکتے دیکھا اور ایک ہاتھ اندر آیا جس میں کافی کا ایک مگ بھاپ دے رہا تھا... میں اُٹھ کر بیٹھ گیا، پہلے مگ تھاما اور

پھر واپس جاتے ہوئے ہاتھ کے ساتھ اپنی گردن لمبی کر کے باہر دیکھا۔ وہی بوسیدہ خیمے والا بوڑھا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ اس نے بھی صرف نیکر پہنی ہوئی تھی۔ سفید بال بڑی نفاست سے جمے ہوئے تھے اور اس کا بدن دھوپ سے سنولایا ہوا تھا۔
میں باہر آگیا وہ تھوڑی سی انگریزی بول لیتا تھا۔

ڈاکٹر پیئر جنیوا میں پریکٹس کرتا تھا اور خواتین کے جبڑوں کا ماہر تھا کیونکہ وہ دانتوں کا ڈاکٹر تھا۔ بیوی سے علیحدگی ہو چکی تھی۔ اولاد اپنے اپنے کاموں میں محو تھی۔ ڈاکٹر پیئر گرمیوں کے تین مہینے اپنے پرآسائش اپارٹمنٹ کو چھوڑتا اور ادھر لیپنک میں آکر اپنا بوسیدہ خیمہ لگا لیتا۔

"میرے پاس کھانے پینے کے لئے بہت کچھ ہے تو میں کیوں اپنے آپ کو غلاموں کی طرح کام کر کر کے ہلاک کر لوں... میرے گاہک جانتے ہیں کہ ڈاکٹر پیئر گرمیوں کے تین مہینوں میں غائب ہو جائے گا۔ جنیوا میں میرے دوست ہیں رشتے دار ہیں لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ میں یہاں جھیل جنیوا کے ساتھ ایک پہاڑی پر بیٹھا دھوپ تاپ رہا ہوں.... میں یہاں سادہ ترین زندگی بسر کرتا ہوں۔ سادہ ترین خوراک کھاتا ہوں۔ تقریباً ایک ماہ یہاں... اس کے بعد سوئٹزر لینڈ کے کسی اور شہر میں اور پھر تین ماہ کے بعد واپس اپنے گرے سوٹ بوٹ اور کلنک میں.... تم اگر کبھی میرے کلنک میں آؤ تو مجھے پہچان نہ سکو... یہ تمہارے دانت کس نے بنائے ہیں؟"

"میرے دانت؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں کس نے بنائے ہیں؟"

"میرے باقی جسم کی طرح اللہ میاں نے بنائے ہیں۔"

"اچھا؟" وہ بے حد حیران ہوا "یہ اتنے پرفیکٹ ہیں کہ جعلی لگتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ تمہاری بتیسی نقلی ہے"... اس کے بعد جب کبھی ڈاکٹر پیئر سے ملاقات ہوتی تو

میں ذرا احتیاط سے مسکراتا۔

ڈاکٹر پیئر کی پیش کردہ کافی پیتے ہوئے ہم ایک دوسرے سے تفصیلی طور پر متعارف ہوئے۔ "ہوں تو تم پہلی مرتبہ سوئٹزرلینڈ آئے ہو..." ڈاکٹر پیئر نے مجھے کچھ حسرت سے دیکھا "تمہارے دانت چمکتے ہیں اور تمہاری آنکھوں میں ابھی نیند کی سرخی تیرتی ہے.. تمہارا ماس ہڈیوں پر منڈھا ہوا لگتا ہے... ہاں جوان ہونا زندگی ہے اور اس زندگی کا احساس تب ہوتا ہے جب انسان کی عمر ڈھل جاتی ہے..."

"جنیوا میں کیا کیا دیکھا جا سکتا ہے؟" میں نے ڈاکٹر پیئر سے قابل دید مقامات کے بارے میں دریافت کیا۔

"آنکھیں جوان ہوں تو کیا کیا نہیں دیکھا جا سکتا" پیئر مسکرانے لگا "بس جو دیکھو گے، جسے دیکھو گے اچھا لگے گا۔"

میں نے اجتماعی غسل خانے میں جا کر شیو بنائی اور پھر ٹھنڈے یخ پانی سے بدن کو بھگو کر باہر آگیا۔ میں سوچ میں تھا کہ کہاں جاؤں اور کس طرح جاؤں۔ ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر پیئر سے رجوع کیا تو وہ کہنے لگا "پہلے تو تمہیں یہاں سے پرے درختوں میں گھری ہوئی سیرگاہ میں سے گزر کر نیچے رہون کے پل کے قریب جانا ہو گا جہاں سے تمہیں کہیں بھی جانے کے لئے ٹرام ملے گی.... شہر جاؤ گے تو ظاہر ہے دیر سے لوٹو گے۔ اور دیر سے لوٹو گے تو گم ہو جاؤ گے۔"

"خیر میں اتنا چھوٹا بھی نہیں" میں نے ہنس کر کہا۔

"نہیں دراصل قصہ یہ ہے کہ رہون کے پل کے ساتھ ادھر پہنچنے کے لئے ایک راستہ بلند ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ تم اوپر آتے جاتے ہو اور دریائے رہون دور ہوتا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی جنیوا کا شہر اور جھیل بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک پتھریلی دیوار کے ساتھ چل کر تم یہاں تک آتے ہو۔ مصیبت صرف یہ ہے کہ اگر تم رات کے

وقت واپس آؤگے تو راستہ تلاش نہیں کر پاؤگے اور یوں بھی آس پاس چونکہ صرف درخت ہیں اس لئے تاریکی کی وجہ سے کچھ دکھائی بھی نہیں دیتا۔۔۔ ایک مرتبہ دن کی روشنی میں یہ راستہ طے کر لو پھر بے شک چلے جانا۔"

"اور اب میں کیا کروں؟"

"اگر تم مجھے اجازت دو تو میں نیکر کی بجائے پتلون پہن لوں؟" وہ دانت نکال کر شرارت سے بولا۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ اور کیوں؟"

"تاکہ میں تمہیں وہاں جہاں پر کیمپنگ ختم ہو رہی ہے اُس کے برابر میں واقع پہاڑی کے عین کنارے پر بنے ہوئے کافی بار میں تمہیں کچھ مشروبات وغیرہ پلاؤں۔۔۔ نہیں نہیں پروٹسٹ کرنے کی ضرورت نہیں اگر تم اپنی ڈرنکس کی قیمت خود ادا کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"کافی بار" ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک کاؤنٹر۔ دو چار کرسیاں اور ایک جیوک بوکس پڑا ہوا تھا۔ البتہ ٹیرس پر متعدد میزیں تھیں اور یہاں سے جنیوا شہر ایک مختصر تصویر کی طرح اپنی تمامتر تفصیل کے ساتھ نظر آرہا تھا۔ شام ہو رہی تھی اور جھیل کنارے اکا دکا روشنیاں نمودار ہونے لگی تھیں۔ کیمپنگ میں مقیم نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا ایک گروہ آیا اور جیوک بوکس میں سکے ڈال کر اپنے من پسند نغمے سننے لگا۔ ان میں پسندیدہ ترین نغمہ پیٹ بون کا "مت روکو۔ مجھے اپنے ہونٹوں کو چومنے سے مت روکو۔۔" تھا اور اس "مت روکو، مت روکو" کی تکرار پوری شام ہوتی رہی۔

"اُس شہر میں۔۔" پیئر نے پہاڑی کے نیچے روشن ہوتے ہوئے جنیوا کی طرف اشارہ کیا "میرا کلنک ہے۔ میرا لگژری فلیٹ ہے لیکن میں یہاں ہوں اپنے خیمے میں مست وہاں کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ میں کہاں ہوں۔"

"کیا آپ شہر نہیں جاتے؟"

"میں نے شہر جا کر کیا کرنا ہے۔۔۔ بس یہیں رہتا ہوں۔ اخبار اور رسالے پڑھتا ہوں اور نیکر پہن کر دھوپ تاپتا ہوں۔۔۔ کافی خود بناتا ہوں اور کھانا اِدھر بار سے مل جاتا ہے۔"

"یہاں جو لوگ آتے ہیں ان میں سے کوئی آپ کو نہیں پہچانتا؟"

"یہاں جنیوا کے رہنے والے کیا کرنے آئیں گے۔۔۔ صرف سیاح آئیں گے، تمہاری طرح۔۔۔ اور کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟"

"نہیں"

"اور کسی کو بتانا بھی نہیں۔۔۔ اگر جنیوا شہر میں کوئی تم سے پوچھے کہ میرا دانت درد کرتا ہے اور میں بہت بیمار ہوں تو تم نے اُسے بالکل نہیں بتانا کہ ڈاکٹر پیئر کہاں چھپا بیٹھا ہے۔۔۔ ٹھیک ہے؟" اس نے ہاتھ آگے کر دیا۔۔ بیئر کا گلاس زرد تھا اور آدھا تھا اور پیئر خاصی بیئر چکا تھا۔

"ٹھیک ہے" میں نے اس زندہ دل بوڑھے کے ساتھ ہاتھ ملایا جو شاید زندگی گذارنے کے حوالے سے مجھ سے زیادہ نوجوان تھا۔

ٹیرس پہاڑی کے سرے پر رُکا ہوا تھا اور اس کے نیچے کہیں دُور دریائے رہون تھا جو پُرشور نہ تھا لیکن اپنی موجودگی کا سندیسہ بھیجتا رہتا تھا۔ جنیوا کا شہر تاریکی پھیلنے سے اور زیادہ نمایاں ہوا کہ اب روشنیاں اُسے اندھیرے سے الگ کر کے ایک علیحدہ رُوپ دے رہی تھیں۔ ان میں جھیل کے پانی البتہ سیاہ علاقے تھے اور روشنیوں کے اندر تک جا رہے تھے۔ جھیل میں نصب جنیوا کا مشہورِ زمانہ واٹر جیٹ یا بلند فوارہ یہاں سے بھی نظر آرہا تھا لیکن ماچس کی ایک تیلی جتنا۔۔۔ وہ بھی روشن تھا اور سیاہ آسمان کی جانب ایک سفید ستون کی صورت بلند ہوتا تھا۔۔۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی

جہاں سے اگر سیاح جنیوا کی پہلی جھلک دیکھے تو شاید اسے شہر کے اندر نہیں جانا چاہیئے۔ وہ یہیں سے واپس چلا جائے تو جنیوا اُس کے ذہن میں اسی طور نقش رہے اور ہمیشہ زندہ رہے۔ میں آدھے بازؤں کی ایک زرد سپورٹس شرٹ میں تھا اور ہوا میں خنکی مجھے احساس دلانے لگی کہ تم چاہے کتنے ہی نوجوان کیوں نہ ہو تمہیں رات کے وقت سوئٹزرلینڈ میں آدھے بازؤں کی شرٹ نہیں پہننی چاہیئے۔۔۔ اور پھر فضا میں ایک مہک تھی جو دراصل ایک نہیں تھی۔۔۔ اس میں کیمپنگ کے آس پاس کے پیڑ کے درخت تھے جھیل کے پانی اور دریائے رہون کی آواز تھی اور کچھ اور تھا جو ایک آزاد اور پُرمسرت بدن خود تخلیق کرتا ہے۔ آزادی اور خوشی کی بھی مہک ہوتی ہے جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ پیئر مجھ سے سوالات کرتا رہا۔

"جنیوا کے بعد تم کہاں جاؤ گے؟"

"پتہ نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں جھیل جنیوا کے کنارے کنارے پیدل سفر کروں اور مانترے تک پہنچ جاؤں۔۔۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

"تم مانترے تو تب پہنچو گے اگر جنیوا کو چھوڑو گے۔۔۔۔۔" پیئر نے اپنے ہونٹ پونچھے "یہ شہر اگرچہ بہت کمرشل ہے۔ لیگ آف نیشنز اور یو این او کے حوالے سے مشہور ہے لیکن اس کے اندر۔ اس شہر کے اندر ایک قصبہ بھی ہے۔ اور اس ملک کے ہر بڑے شہر کے اندر یا کنارے پر ایک قصبہ ضرور ہوتا ہے۔ تم اِس قصبے کو تلاش کر لو تو وہ تمہیں کہیں نہیں جانے دے گا"

"میں پورا سوئٹزرلینڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ اس کے پہاڑ اور ندیاں اور۔۔۔ اس کے وہ خوبصورت گڑیوں ایسے گھر جنہیں آپ لوگ چیلیٹ کہتے ہیں"

"چیلیٹ نہیں شلے"، پیئر نے فوراً کہا۔۔۔

"اور میں ماؤنٹ میٹرہارن دیکھنے کا خواہش مند ہوں جو ایک طلسماتی چوٹی ہے۔۔۔

اور سنا ہے کہ انٹرلاکن بھی بہت خوبصورت شہر ہے"

"کیا تم صرف جھیلیں پہاڑ اور شہر ہی دیکھو گے ینگ مین" پیئر نے میرے کندھے کو جھنجھوڑا "انسانوں کو نہیں دیکھو گے؟۔۔۔ اس عمر میں انسانوں کو دیکھو اور اس سے اگلی عمر میں ان انسانوں کے پس منظر میں پھیلے ہوئے مناظر کو اطمینان سے دیکھو"

مت روکو مجھے اپنے ہونٹوں کو چومنے سے مت روکو۔۔۔

اور ایک تیز ہوا چل رہی ہے اور طوفان ہے اور سردی ہے اور اس لئے۔۔۔

مت روکو۔۔۔

کافی بار کے اندر سے پیٹ بون کی بھاری اور مردانہ آواز پکارتی تھی اور ہمارے قدموں کے نیچے جھیل جنیوا کے آس پاس ایک شہر تھا جسے دیکھ کر سیاح کو واپس چلے جانا چاہیئے۔۔۔ لیکن میں تو سیاح نہیں تھا۔ میں کیا تھا؟ مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔ میں زندگی سے کیا چاہتا تھا اس کے بارے میں بالکل لاعلم تھا۔۔۔ خنکی بڑھ رہی تھی اور اب ہوا چلنے لگی تھی اور اس کے باوجود میں وہیں بیٹھا رہنا چاہتا تھا کیونکہ میرے آس پاس وہ مہک تھی جو صرف اُن دنوں آتی ہے جب ہر درخت سرسبز لگتا ہے اور ہر بطخ پر راج ہنس کا گمان ہوتا ہے۔

مت روکو۔۔۔ مجھے مت روکو۔

اور ایک تیز ہوا چل رہی ہے اور طوفان ہے اور سردی ہے اور اس لئے

مت روکو۔۔۔ مجھے اپنے ہونٹوں کو چومنے سے مت روکو۔

— — —

خیمے کا سبز کپڑا دھوپ سے گرم ہو رہا تھا۔ میں بہت دیر تک سوتا رہا تھا۔۔۔۔ کافی بار سے ایک پیالی کافی پینے کے بعد میں نے کپڑے بدلے اور ایک بیگ میں اپنا کیمرہ۔ پاسپورٹ سومنگ کاسٹیوم اور تولیہ وغیرہ ڈال کر اسے کاندھے سے لٹکا لیا۔

کیمپنگ کے ساتھ کافی بار کے پہلو میں سے وہ راستہ نیچے جاتا تھا جس کے آس پاس چیڑ کے درخت تھے اور ان سے پرے چند عالی شان مکان تھے جن کے لان پہاڑی کی ڈھلان پر نیچے ہوتے چلے جاتے تھے۔ بائیں ہاتھ پر پانچ فٹ بلند پتھروں کی ایک دیوار تھی اور اُس کے پرے نیچے دریائے رہون تھا۔ میں اس راستے کو ذہن نشین کرتا نیچے جانے لگا۔ رہون کا شور قریب آنے لگا۔ اور پھر وہ دکھائی دینے لگا۔ میں اس کے عین اوپر تھا اور نیچے آ رہا تھا اور اس کا شور بلند ہو رہا تھا۔۔۔ وہ راستہ پکی سڑک پر آیا اور اس کے ساتھ ہی پُل تھا جس کے پار ٹرام سٹاپ تھا۔ یہاں سے ٹرام پر سوار ہو کر میں دوبارہ سٹیشن کے قریب جا کر اتر گیا۔۔ ایک اور بس مجھے پلاین اد کی خوبصورت عمارت تک لے گئی۔۔۔ اس کے لان بے حد سرسبز اور آراستہ تھا۔ عمارت کے باہر دو توپیں رکھی ہوئی تھیں۔ ہو سکتا ہے ان میں وہ توپ بھی ہو جو ایک مرتبہ اسی عمارت میں عصمت انونو کی تقریر کے دوران چلائی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب تُرکی اور یُونان کا مسئلہ لیگ آف نیشنز میں پیش ہوا تو عصمت انونو تُرکی کے مندوب تھے۔ انہیں اتاترک نے ہدایات دے رکھی تھیں کہ انہوں نے صرف اور صرف اپنا نکتۂ نظر بیان کرنا ہے اور فریق مخالف کی بات پر کان نہیں دھرنا۔۔۔ چنانچہ انونو نے مندوبین سے کہا کہ جی میں تو کچھ سُن نہیں سکتا کیونکہ بہرا ہوں اس لئے آپ میری تقریر سن لیجئے ۔۔۔ فریق مخالف جو اعتراض کرتا، جو سوال کرتا اس کے جواب میں انونو چُپکے بیٹھے رہتے اور پھر اُٹھ کر اپنی تقریر دوبارہ پڑھ دیتے۔۔۔ اور کہتے کہ مجھے کچھ سنائی ہی نہیں دیتا اس لئے آپ میری تجاویز مان لیجئے۔ اس پر کہا جاتا ہے کہ ایک روز جب عصمت انونو تقریر کر رہے تھے تو عمارت کے باہر ایک توپ میں گولا ڈال کر اسے چلا دیا گیا۔۔۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یوں آواز سن کر عصمت انونو حواس باختہ ہو جائیں گے اور ان کا پول کُھل جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ دھماکے کی آواز سن کر تمام

مندوبین ہراساں ہو کر بھاگ نکلے۔ کئی میزوں کے نیچے جا چھپے لیکن انونو اُسی طرح اطمینان سے تقریر کرتے رہے۔۔۔ بہت بعد میں جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ دراصل بہرے تو نہیں تھے تو توپ کی آواز سن کر آپ چونکے کیوں نہیں ؟۔۔۔ اس پر انونو نے جواب دیا کہ میں نے اپنی زندگی میں درجنوں جنگیں لڑی ہیں اور ہزاروں توپ کے گولوں کے دھماکے سنے ہیں۔ میں بچہ تو نہیں تھا کہ ایک گولے کی آواز سن کر چونک جاتا۔ عمارت کے اندر مختلف ہال تھے۔ میں ایک چکر لگا پھر باہر آ گیا۔ یہاں پر میری ملاقات اگا تھا سے ہوئی جو ایک سفید بنچ پر بیٹھی سینڈوچ کھا رہی تھی۔ آس پاس کے تمام بنچوں پر پلاین اد بلڈنگ دیکھنے والے سیاحوں کے غول براجمان تھے چنانچہ میں "معاف کیجئے گا" کہہ کر دوسرے سرے پر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور پھر کہنے لگی "یُو سپیک انگلش ؟" اور میرے سر ہلانے پر بہت خوش ہوئی "اوہ تھینک گاڈ ان فرانسیسیوں کی یہ بڑی مصیبت ہے کہ اپنی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں بولتے یہاں تک کہ انگریزی بھی نہیں بولتے۔"

"لیکن جنیوا تو سوئٹزرلینڈ کا شہر ہے۔"

"فرانسیسی سوئٹزرلینڈ کا۔۔" اس نے ذرا سختی سے کہا جیسے وہ سکول ٹیچر ہے اور میں نے ایک شاگرد کی حیثیت سے غلطی کی ہے "فرانسیسی، جرمن، اطالوی اور سوِس سوئٹزرلینڈ جہاں یہ سب زبانیں بولی جاتی ہیں۔۔۔ فرانسیسی حصّے میں نزاکت ہے۔ جرمن حصّے میں پہاڑ ہیں اور ہیبت ہے اور اطالوی حصّے میں دھوپ ہے اور روشنی ہے۔"

"اور سوِس حصّے میں۔۔۔؟"

"وہاں سوئٹزرلینڈ ہے۔۔" وہ شاید تھوڑا سا مسکرائی "سینڈوچ کھاؤ گے؟"

اگا تھا انگریز تھی۔ انگلستان کی کاؤنٹی سمرسٹ میں اُس کا ایک چھوٹا سا فیملی

ہوٹل تھا جسے وہ دو ملازموں کی مدد سے چلاتی تھی۔ ہوٹل چلانا ایک فل ٹائم جاب ہوتا ہے اور انسان کو ہر وقت آزمائش میں رکھتا ہے۔ اگا تھا ہر سال دس بارہ روز کے لئے اپنی روٹین میں سے نکل کر یورپ کے کسی شہر میں آجاتی تھی اور کسی اچھے سے ہوٹل میں ٹھہر کر آرام کرتی تھی۔ وہ شکل سے ایک ورکنگ وومن لگتی تھی۔ ...ت پنی تُلی اور انداز مکانکی اور ہر وقت ہوشیار اور خبردار... اس کی عمر تیس کے ...ے بھگ ہوگی اور ظاہر ہے وہ شیلف پر پڑی رہ گئی تھی اور ایک سپنسٹر تھی یعنی وندون والی گاڑی چھوٹ چکی تھی۔

ہم دونوں ایک ہی بس میں شہر واپس آئے۔

جھیل کنارے خاصی چہل پہل تھی... ایک طرف بلند عمارتیں ان کے ساتھ ...یک شاہراہ اور جھیل کے ساتھ ساتھ ایک سیر گاہ... بوٹنگ کلبیں اور تفریح گاہیں ... جنیوا جیٹ جھیل کے دوسرے کنارے پر تھا... وہاں تک یا تو کشتی میں بیٹھ کر جایا جا سکتا تھا اور یا پھر پوری جھیل کا چکر کاٹ کر وہاں تک پہنچا جا سکتا تھا... اگا تھا اور میں ایک کپ کافی کے لئے ایک اوپن ایئر ریستوران میں بیٹھ گئے... اگا تھا ایک بے حد تنہا عورت تھی.... سارا سال اسے کسی سے بات کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ ہوٹل چلانے کیلئے بہت سارے کام کرنے ہوتے ہیں اور وہ سب کام اس کے ذمّے تھے....

"آج دوپہر تم کیا کر رہے ہو؟" اس نے بڑی لاپرائی سے دریافت کیا۔

"میرے بیگ میں ایک سومنگ کاسٹیوم اور ایک تولیہ ہے اور آج دوپہر میں انہیں جھیل جنیوا کے پانیوں میں ڈبونا چاہتا ہوں۔"

"اوہ یہ تو بہت زبردست اتفاق ہے" وہ تالی بجا کر بولی جیسے کسی ملازم کو بلاتی ہو "میں بھی جھیل میں نہانا چاہتی ہوں... میرا بھی یہی پروگرام تھا۔"

اگا تھا ایک اچھی خاتون تھی لیکن... اس کے ساتھ سومنگ کرنا یا پوری دوپہر گذارنا میرے لئے کچھ زیادہ پُرکشش نہیں تھا۔ میں نے کچھ بہانے بنانے کی ناکام کوشش کی۔

"جھیل کا پانی شائد بہت سرد ہو... اس لئے"

"نہیں میں کل سارا دن نہاتی رہی ہوں بہت زبردست ہے"

"اور مجھے کچھ زیادہ سومنگ بھی نہیں آتی ڈوب نہ جاؤں۔"

"تم کنارے پر رہنا... اور میں جو اچھی تیراک ہوں۔"

"یوں بھی میرے دوست، ڈاکٹر پیئر نے مجھے لنچ پر مدعو کیا ہے۔ میں لنچ کے بعد ہی آسکوں گا۔"

میرا خیال تھا کہ وہ سمجھ جائے گی... اور میرا خیال ہے کہ وہ سمجھ تو گئی لیکن اس کی تنہائی نے کہا کہ کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔

"ٹھیک ہے لنچ کے بعد آجانا... میں کہاں تمہارا انتظار کروں؟"

"وہ سامنے جو پتھریلا بند جھیل کے اندر جا رہا ہے اور جنیوا جیٹ پر ختم ہوتا ہے وہاں... تقریباً چار بجے۔"

"میں پہنچ جاؤں گی۔" اس نے میرا بازو پکڑ کر کہا اور اس نے تھوڑا سا انتظار کیا اور پھر بے حد مطمئن اور خوش چلی گئی۔ ظاہر ہے مجھے کہیں نہیں جانا تھا... اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ملاقات میں سے کس طرح نکل جاؤں... میں نے ایک قریبی سٹال سے چپس خریدے اور انہیں منہ مارتا جھیل کے کنارے آہستہ آہستہ چلنے لگا... "کشتیاں کرائے پر" اور "موٹر بوٹس کرائے پر" کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ پہلے تو جی چاہا کہ کشتی کرائے پر حاصل کر کے ابھی دوسری جانب جیٹ کے پاس چلا جاؤں لیکن میں اس ارادے سے باز رہا کہ اس وقت جھیل میں

لاتعداد موٹر بوٹس بڑی تیزی سے پانیوں کو چیرتی اڑتی چلی جا رہی تھیں اور یوں بھی میں نہ کچھ زیادہ تیراک ہوں اور کشتی رانی میں بھی بے حد واجبی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد مجھے محسوس ہوا کہ جھیل کی خوبصورتی کے باوجود بھوک لگ جاتی ہے۔ سٹیشن کے قریب ایک ریستوران سے میں نے اپنا پہلا سوس کھانا کھایا۔۔۔۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ دراصل کیا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھا میری بھوک مٹانے میں کامیاب رہا۔ کھانے کے بعد میں آہستہ آہستہ جھیل کے کنارے چلنے لگا۔۔۔۔ میں جب جھیل کی دوسری جانب پہنچا اور جنیوا جیٹ تک جانے والے پتھریلے بند پر پہنچا تو ابھی صرف تین بجے تھے۔۔۔۔

خواہش تو میری یہی تھی کہ آگاتھا صاحبہ سے کچھ زیادہ میل ملاقات نہ ہو لیکن میں نے وعدہ کرنے کے بعد رفوچکر ہو جانے کو کچھ ذلیل حرکت جانا۔۔۔ پتھریلے بند پر لوگ مختلف ٹولیوں میں ادھر اُدھر بیٹھے لیٹے اور نیم لیٹے دھوپ سینک رہے تھے اور پہلی نظر میں یہ جاننا دشوار ہو جاتا تھا کہ انہوں نے کہاں کہاں کیا کیا ڈھکا ہوا ہے یا کچھ ڈھکا ہوا ہے بھی یا نہیں۔۔۔ یہ بند تقریباً ایک فرلانگ تک جھیل کے اندر جا رہا تھا اور اس کے اختتام پر سینکڑوں فٹ کی بلندی پر پہنچتا اور ایک پُرشور فضا تخلیق کرتا وہ فوارہ تھا جسے جنیوا جیٹ کہا جاتا ہے۔ میں نے اپنا بیگ کھول کر ڈاک کے ٹکٹ جتنا اپنا تولیہ نکالا اور اسے پتھروں پر بلکہ ایک پتھر کے چھوٹے سے حصے پر پھیلا کر بیٹھ گیا۔۔۔ جھیل میں کشتیاں تھیں۔ بادبانی۔ موٹر والی اور ہاتھ سے کھینے والی۔۔۔ اور کچھ تیراک تھے جو پانی میں ایک ڈبکی لگا کر کنارے پر لیٹ جاتے میں نے بھی یہ مناسب جانا کہ اپنا کاسٹیوم پہن کر شرفا میں شامل ہو جاؤں اور میں ہو گیا۔۔۔ ہوا کی تازگی نے میرے بدن کو چھوا تو مجھے ایک جھرجھری سی آئی۔۔۔ اُن زمانوں میں بدن بے حد حساس ہوتا ہے اور ہوا کے چھونے سے بھی اس پر ایک اثر

ہوتا ہے۔۔۔ کچھ دور چند لڑکے پانی میں چھلانگیں لگا رہے تھے۔ میرے عین سامنے ایک نہایت متناسب جسم کی اور مناسب شکل کی لڑکی تیر رہی تھی۔ کنارے پر اس کا ساتھی اپنے سنہری بالوں میں بار بار کنگھی کرتا تھا اور اس کے ساتھ باتیں کرتا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بھی پانی میں کُود گیا اور اس لڑکی کے آس پاس ایک منچلے لُدھر کی طرح تیرنے لگا۔ لڑکی بہت عمدہ تیراک تھی اور وہ ذرا دور نکل جاتی اور وہ لُدھر ہنستا ہوا واپس آجاتا۔۔۔

دھوپ اب اثر کرتی تھی۔۔۔ بلند فوارے کی پھوار کبھی کبھار ہوا کے ساتھ ادھر آتی اور مجھے بھگو دیتی۔

میں بالآخر ہمت کر کے اٹھا اور جھیل میں اتر گیا۔ پانی مناسب تھا اگرچہ خوشگوار نہ تھا۔ میں کچھ دور تک تیرا اور پھر کنارے پر آبیٹھا۔۔۔ وہ لڑکی اب اکیلی تیر رہی تھی اور مجھے وہ اچھی لگ رہی تھی۔

"ہیلو" میں نے ہاتھ ہلایا۔

"ہیلو" اس نے اپنے آپ کو پانی سے اوپر کرتے ہوئے پُرمسرت انداز میں جواب دیا۔

"تمہارا دوست کہاں گیا ہے؟"

"وہ؟۔۔۔۔ وہ آئس کریم لینے گیا ہے۔"

"وہ ایک لُدھر کی طرح تیر رہا تھا" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔

"ہاں۔۔" وہ پانی کی سطح پر لیٹ گئی اور دونوں ہاتھوں سے مخالف سمت میں تیرنے لگی۔۔۔ "تم پانی میں کیوں نہیں آرہے؟"

میں نے فوراً جھیل میں چھلانگ لگا دی۔۔۔ چونکہ بلا سوچے سمجھے چھلانگ لگائی تھی اس لئے پانی ناک میں دور تک چلا گیا اور کانوں میں بھی اُتر گیا۔۔

"تم ہندوستانی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں میں پاکستانی ہوں۔۔۔ اور تم؟"

"میں جرمن ہوں۔۔۔ فرانسیسی سیکھنے کے لئے جنیوا آئی ہوں اور ایک ریستوران میں کام کرتی ہوں۔۔۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

اس کا نام رُوتھ تھا۔ ہم پانی سے باہر آکر تولیوں پر بیٹھ گئے۔۔۔ وہ مجھے اور میرے بدن کو دیکھتی تھی "کاش میرا بدن بھی تم جیسا ہوتا"

"یعنی۔۔۔ ایک لڑکے جیسا؟"

"نہیں۔۔" اس کا کندھا میرے منہ کے قریب تھا اور اس پر سُنہری روئیں دھوپ میں چمکتے تھے اور مہکتے تھے۔۔ "میرا مطلب ہے میری رنگت۔۔۔ کہاں ٹھہرے ہو؟"

کیمپنگ میں۔۔۔ اس پہاڑی پر۔" میں نے جھیل سے پرے اس نیم سیاہ جنگل کی طرف اشارہ کیا جس کی چوٹی پر کہیں میرا خیمہ تھا۔۔۔۔

میں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ چار بجنے والے تھے اور اگا تھا کو کسی بھی لمحہ نمودار ہو جانا چاہیئے تھا۔

"تم کسی کا انتظار کر رہے ہو؟۔۔۔"

"ہاں ایک دوست کا"

"لڑکی؟"

"تقریباً۔۔۔" میں نے مسکرا کر کہا۔۔ "اور یہ لُدھر کون ہے؟"

"وہ؟۔۔۔ میرا خیال ہے وہ آرہا ہے آئس کریم لے کر۔۔۔ ہاں یہ تو یہیں نہا رہا تھا میرے قریب اور بے تکلف ہو گیا۔۔۔"

"اور اگر میں بے تکلف ہونا چاہوں تو اس کا کیا طریقۂ کار ہوگا۔۔؟"

"تم تو اپنی گرل فرینڈ کا انتظار کر رہے ہو؟" وہ ہنستے ہنستے چُپ ہو گئی "اگر

تم اس کا انتظار یہاں کی بجائے کہیں اور کر لو تو۔۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں تلاش کر لے گی۔۔۔"

میں نے سومنگ کاسٹیوم کے اوپر دہی آدھے بازؤں کی شرٹ پہنی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ رُوتھ نے تولیے سے جسم کو پونچھا اور کاسٹیوم کے اوپر ہی اپنا فراک پہن لیا۔۔۔ ہم اُٹھ کر چلنے لگے تو سنہری بالوں والا بھی آگیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں کون آئس کریم تھی۔۔۔ مجھے اس کے ہمراہ دیکھ کر وہ کچھ تذبذب میں پڑ گیا کہ یہ گھڑی دو گھڑی میں یہ کیا ماجرا ہو گیا۔۔۔۔

رُوتھ اس کے قریب گئی اور جھک کر تھوڑی سی آئس کریم کون پر سے کھائی "باقی تم کھا لو اور شکریہ"

ہم پتھر کے بند پر چلتے ہوئے جب جھیل کے کنارے واقع سیرگاہ تک پہنچے تو وہ حضرت ابھی تک دونوں ہاتھوں میں آئس کریم تھامے کسی سوچ میں گم وہیں کھڑے تھے۔

"میں نے بہت بدتمیزی کی ہے۔۔" اس کے لہجے میں تاسف تھا "وہ بے چارہ اتنی دور سے صرف میرے لئے آئس کریم لے کر آیا تھا اور میں نے خود اُسے بھیجا تھا"

"بدتمیزی تو میں نے بھی کی ہے۔۔۔ وہ خاتون کیا سوچتی ہو گی" میں بھی ایک گہرے دکھ کے ساتھ بولا۔۔ "بہر حال اب کیا ہو سکتا ہے۔۔۔ کافی اگر تم پسند کرو تو؟"

جھیل پر بنے ہوئے ایک پل کے ساتھ ایک ریستوران تھا۔ ہم وہاں چلے گئے۔

کچھ لوگوں نے اس کی طرف دیکھا کیونکہ اس کا بدن ابھی تک گیلا تھا۔

ایک صاف سُتھرے اور کافی کی خوشبو میں رچے ریستوران میں ہم دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ابھی ایک گھنٹہ پیشتر ہم ایک دوسرے وجود سے بے خبر تھے۔ ہم دو مختلف جہان تھے۔ اور اب اس کا چہرہ مانوس ہوتا جا رہا تھا اور ریستوران کی

حدّت ہمارے جسموں سے جھیل جنیوا کی ٹھنڈک کو خشک کر رہی تھی۔ وہ خوبصورت تو نہیں تھی لیکن جوانی نے اُسے ایک ایسی کشش سے نوازا تھا جو اُسے دیکھنے سے نہیں بلکہ اس کے قریب بیٹھنے سے ہی آپ پر اثر انداز ہونے لگتی تھی۔ اُس کے بازوؤں پر سنہری روئیں تھے اور ہاں وہ ایک متناسب جسم کی مالک تھی۔ وہ مجھے بھی دیکھتی تھی اور یہی سوچتی ہو گی کہ یہ کون ہے۔ اِدھر کہاں آگیا اور کیوں آگیا۔

کافی کے بعد ہم باہر نکلے تو شام ہو چکی تھی۔ جھیل پر روشنیاں تیرتی تھیں اور کچھ ڈوبتی تھیں۔ ٹراموں اور کاروں کا شور بھی کم ہو چکا تھا البتہ پُل کے نیچے جھیل کا پانی بہتا تھا اور گونجتا تھا۔

"یہ ایک بہت اچھی ملاقات تھی" اس نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا... اور میں اِس لمحے کے لئے تیار نہ تھا۔

"اس سے بہتر تھا کہ تم وہ آئس کریم کھا لیتیں" میں نے جل کر کہا۔

"اوہ" میں نے اس کا ہاتھ اپنے رخساروں پر محسوس کیا "تم ابھی تک اس کے بارے میں سوچ رہے ہو... اچھا تو تم بتاؤ کہ اب کیا کریں؟"

"وہ پہاڑی پر میرا خیمہ ہے" میں نے اوپر دیکھا۔

"کیا وہ ایک شخص کے لئے کافی ہے یا دو کے لئے" اس نے ایک مخصوص انداز میں ہونٹ چبائے۔

"وہ کافی ہے..." میں نے ہنستے ہوئے کہا "اور میرے خیمے کے قریب ایک کافی بار ہے جہاں سے جھیل اور شہر کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے"

"مجھے تم اس قسم کے فریب نہیں دے سکتے..." وہ پھر شرارت سے ہنسی "میں ایسی لڑکی نہیں ہوں"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ جو بات میرے ذہن میں نہیں تھی وہ بات اس نے

بڑی کامیابی سے میرے ذہن میں ڈال دی تھی۔

ایک بوند گری۔

میں نے اوپر دیکھا تو سیاہ آسمان میں سے ایک اور بوند میری ناک پر گری۔

"کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ میں ذرا اِس سے اچھے لباس میں منتقل ہو جاؤں، یہ فراک تو بالکل گیلا ہے" اس نے فراک کا ایک کنارا اُٹھا کر دیکھا۔

وہ شہر کے کنارے ایک چھوٹے سے مکان کے چھوٹے سے کمرے میں رہتی تھی اس کی لینڈ لیڈی بہت سخت مزاج ہے اور لڑکوں وغیرہ کا داخلہ مکمل طور پر منع تھا۔ میں دروازے کے باہر کھڑا رہا اور وہ کپڑے بدل کر آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھاتا بھی تھا۔

"بارش کے لئے" اُس نے چھاتے کو بلند کیا۔

رہون پر ایستادہ پُل کے ساتھ اندھیرا تھا اور جنگل تھا اور اس میں ایک راستہ بلند ہوتا تھا اور میری کیمپنگ کو جاتا تھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں اس اندھیرے میں تمہارے ساتھ چل دوں" اُس نے چھاتے کی نوک میری پسلیوں میں چبھوئی "تمہارا کیا پتہ"

"میں خود خوفزدہ ہوں" میں نے مسکرانے کی کوشش کی اور سچ تو یہ ہے کہ اندھیرا واقعی بہت گھنا اور گہرا تھا اور اس کے ساتھ رہون کے بہنے کی شاں شاں کانوں میں گونجتی تھی۔

ہم اُس راستے پر چلنے لگے جو ہمیں دکھائی نہیں دیتا تھا... اور جو راستہ دکھائی نہ دے اس پر چلنے کے کچھ نقصان ہوتے ہیں تو کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں جو ہوئے... آہستہ آہستہ پانی کا گم شور نیچے رہ گیا۔ جنیوا کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ پتھریلی دیوار کے ساتھ چیڑ کے درخت تھے اور ہمارے قدموں کے نیچے چیڑ کے سوکھے ہوئے "بال" تھے۔

"تم آ کہاں سے گئے ہو؟" روتھ نے سرگوشی کی۔

"پتہ نہیں"

"تمہارے ہاتھ اتنے گرم کیوں ہیں؟"

"پتہ نہیں"

"کسی شے کا بھی پتہ نہیں؟"

"نہیں روتھ میں خاصا لاعلم ہوں۔۔۔"

"لگتا ہے کہ تمہیں بہت کچھ سکھانا پڑے گا" اندھیرے میں اُس کی اس بات سے کچھ حدت سی پیدا ہوئی۔

کیمپنگ گراؤنڈ پر پہنچتے پہنچتے ہم نڈھال ہو چکے تھے۔ چند خیموں میں روشنی تھی۔ ڈاکٹر پیئر کا خیمہ تاریک تھا اور وہ سو چکا تھا۔ چیڑ کے درختوں میں سے ہوا مشکل سے گذرتی تھی اور وہ جیسے گہرے سانس لیتے جا رہے تھے۔ ہم پہاڑی کے کنارے پر اٹکے ہوئے ٹیرس پر جا بیٹھے۔ اندر کافی بار میں جیوک بوکس میں پیٹ بون تھا اور وہ اپنی گہری آواز میں گائے جا رہا تھا۔۔۔

مت روکو۔۔۔ اور ایک تیز ہوا چل رہی ہے۔

رُوتھ نے ٹیرس کے نیچے پھیلے شہر کو دیکھا تو اُس کا سانس رُکنے کو آیا "میں پچھلے چھ ماہ سے جنیوا میں ہوں اور مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ یہاں ایسی جگہ بھی موجود ہے۔۔۔ کتنا زبردست منظر ہے۔۔۔ ہائے ہائے"

"میں تمہارے لئے کچھ پینے کے لئے لاؤں؟"

"ہاں ایک بیئر"

میں اندر چلا گیا اور جیوک بوکس میں بہت سارے سکے ڈال کر پیٹ بون کے گانے کا بٹن متعدد بار دبا دیا۔ اب کم از کم آدھ گھنٹے تک تو یہی گانا چلنا تھا۔

میں واپس آیا تو رُوتھ وہاں موجود نہ تھی۔۔۔ "رُوتھ" میں نے اندھیرے کی جانب رُخ کر کے پکارا۔۔۔ اور وہ آ گئی۔

"ادھر دیوار کے ساتھ چیڑ کے درختوں کے پیچھے سے بھی جنیوا کتنا دلفریب لگتا ہے اور وہاں سے تو جھیل میں گرتا ہوا دریائے رہون بھی دکھائی دیتا ہے"

"دکھائی دیتا ہے؟ تمہیں اندھیرے میں بھی دکھائی دیتا ہے؟"

"ہاں" اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا "مجھے اندھیرے میں بھی دکھائی دے جائے گا کہ تم کیا کر رہے ہو"

آخر وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔۔۔ مجھے شک تھا کہ جو وہ کہنا چاہتی ہے وہی کہہ رہی ہے۔

رات گہری ہو رہی تھی۔ کافی بار کے اندر لوگ کم ہو رہے تھے۔ باہر ٹیرس پر صرف میں اور رُوتھ تھے اور پیٹ بون کی آواز تھی۔۔ مت روکو۔۔۔ اور دریائے رہون کے پانیوں کا ہلکا شور تھا۔ گیارہ بجے کافی بار بند ہو گیا۔

"اب تم مجھے گھر چھوڑ کر آؤ گے۔۔۔"

"تم میرا گھر نہیں دیکھو گی؟"

"کیا اُس میں میرے لئے جگہ ہو گی؟"

خیمہ واقعی بہت چھوٹا تھا اور اس میں باقاعدہ طور پر بیٹھنے وغیرہ کے لئے جگہ بہت کم تھی۔۔۔ میرا سلیپنگ بیگ بے حد نرم تھا۔۔۔۔ ہوا چیڑ کے درختوں میں چلتی تھی اور شور کرتی تھی۔

"ہاں تمہیں کسی شے کا بھی پتہ نہیں" وہ اندھیرے میں بولی۔

"میرا خیال ہے تم مجھے گھر چھوڑ آؤ" وہ پھر بولی۔

باہر گھپ اندھیرا تھا۔ ہم کیمپنگ سے نکل کر پہاڑی کے کنارے کے ساتھ اُس راستے پر اُترنے لگے جو نیچے جا رہا تھا۔ یہاں پتھر کی دیوار تھی اور وہ رُک گئی۔

"ذرا دیکھو۔۔۔ جھیل کے پانی اندھیرے میں بھی دکھائی دیتے ہیں اور وہ فوارہ جس کے سائے میں ہم ملے تھے۔۔۔ کب ملے تھے؟"

"چند گھنٹے پیشتر"

ہوا کا ایک تیز جھونکا ایسا آیا کہ درخت دیر تک جھومتے رہے۔ خنکی بڑھ چکی تھی اور ہمارے بدن کپکپاتے تھے۔

"تم تو کانپ رہے ہو" اس نے کہا۔

"ہاں... ہوا تیز ہو رہی ہے"

"سنو" وہ چلتی ہوئی یکدم رک گئی اور کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا ہے؟" میں نے بھی دھیان کیا۔

"سنو... کسی پرانے والز کی دھن ہے.. جانے کہاں سے آ رہی ہے.. سنو"

ہاں نیچے سے رہون کے کنارے کسی ریستوران سے یا شہر کے کسی فلیٹ کی کھلی کھڑکی میں سے والز کی ایک دھن تیرتی۔ رکتی۔ تھمتی اور رواں ہوتی ہم تک پہنچ رہی تھی۔

"آؤ رقص کریں" اس نے پیچھے ہٹ کر کہا۔

"یہاں؟"

"اسی دھن پر... سنو..."

وہ دھن ہوا کا رخ بدلنے سے کہیں اور چلی جاتی اور سنائی نہ دیتی۔

اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی کمر پر رکھا اور دوسرا فضا میں بلند کر کے تھام لیا

"اب جونہی وہ دھن ہم تک آئے گی ہم والز کریں گے"

"آپ کریں گے" میں اسے چھوڑ کر دیوار کے ساتھ جا کر کھڑا ہوا "کیونکہ مجھے تو یہ رقص وغیرہ نہیں آتا"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے.... تمہیں تو کسی شے کا بھی نہیں پتہ۔ تم کیسے لڑکے ہو؟"

"ہمارے ہاں کے مڈل کلاس لڑکے عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں... ہم کوئی

زیادہ تجربہ کار نہیں ہوتے اور رقص وغیرہ کو بے حد معیوب سمجھتے ہیں"

"اچھا.... اور نوجوان لڑکیوں کے ساتھ گھومنے پھرنے اور خیمے میں مدعو کرنے کو معیوب نہیں سمجھتے؟"

"نہیں... اس میں حرج نہیں"

وہ دھن پھر تیرتی ہوئی آ گئی۔

"باقی سب کچھ تو بے شک کسی اور سے سیکھ لینا۔ کم از کم والز تو میں تمہیں سکھاؤں گی اور ابھی" اس نے پھر میرا ہاتھ اپنی کمر پر جما لیا اور دوسرا ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر اوپر کر دیا "بس ایک دو تین.... اور اس طرح گھوم جاؤ.. با با گھومو.. او ہو میرے پاؤں تو مت کچلو... ایک دو تین..."

وہ مجھے والز سکھا رہی تھی اور میں ہنس رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے... اس تاریک اور سرد رات میں چیڑ کے جنگل میں جھیل جنیوا کے اوپر میں زندگی میں پہلی مرتبہ والز کے سٹیپس سیکھ رہا تھا....

"رقص کرتے ہوئے آپ کچھ اور نہیں کرتے..؟" اس نے ایک مرتبہ مجھے دھکیل دیا۔

"کیا میں ایک اچھا شاگرد ہوں"

"ہاں" وہ بے حد خوش تھی "لیکن تم جو کچھ سیکھنا چاہتے ہو آج ہی رات تو نہیں سیکھ سکتے"

دن ٹو تھری... ایک دو تین.... تیز ہوا.. رات اور دریائے رہون کا ہلکا شور اور زندگی... ہم دیر تک ان درختوں کے سائے میں رہے اور وہ دھن سنتے رہے اور شائد ہم رقص کرتے تھے۔

رات کے اس پہر جب ہم پہاڑی سے نیچے اتر کر رہون کے پل پر پہنچے تو آخری بس یا ٹرام کو گذرے ہوئے ایک عرصہ گذر چکا تھا بلکہ صبح کی پہلی بس کے

آنے کا وقت زیادہ قریب تھا۔ ہم خاموش فٹ پاتھوں اور تنگ گلیوں اور جھیل پر بنے ہوئے پلوں پر سے آہستہ آہستہ بوجھل قدم اٹھاتے بالآخر رُوتھ کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔

"کیا تم مجھے دوبارہ ملنا چاہتے ہو؟"

"ہاں"

"کب؟"

"ابھی"

"ابھی؟ لیکن تم تو کچھ بھی نہیں جانتے..؟" اُس کا سانس بھاپ بن رہا تھا اور میرے چہرے پر پھیل رہا تھا۔" اور میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ تمہاری تربیت کرسکوں۔"

"خدا حافظ" میں منہ موڑ کر مسکراتا ہوا چل دیا... گلی خالی تھی اور میرے پیچھے پیچھے اُس کی ایڑھی ٹک ٹک کرتی آئی۔

"کل مجھے کام پر جانا ہے اس لئے پرسوں... تم پرسوں تک جنیوا میں ہو ناں؟..."
اس کے بعد خاموشی تھی۔

"نہیں یہاں گلی میں کھڑے ہو کر کچھ نہیں سکھایا جاسکتا" اس نے مجھے پرے دھکیلا اور پھر ایک لمبی اوہ کر کے کہنے لگی "میری چھتری؟"

اُس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

"اور وہ بالکل نئی تھی۔؟" اس نے منہ بسورا "اور میں ایک اور چھتری خرید نہیں سکتی... میرا خیال ہے وہ ابھی تک اس دیوار پر ہوگی... ہاں میں نے تمہارا ہاتھ تھامنے سے پیشتر وہیں رکھی تھی"

"واپسی پر میں اُسے وہاں سے اٹھا لوں گا اور اپنے خیمے میں لے جاؤں گا...

پرسوں لے لینا"

"صبح ہونے کو ہے اس لئے پرسوں نہیں کل"... اس نے خدا حافظ کہنے کے یورپی رواج کو ملحوظِ خاطر رکھا اور بہت دیر تک رکھا" بہرحال میں اپنی چھتری مس کروں گی"

کیمپنگ واپسی ایک پُرتھکن سفر تھا۔ رہون کا پُل۔ اُوپر کو جاتا ہوا راستہ اور پھر وہ دیوار... میں نے دور سے دیکھ لیا کہ دیوار پر رُوتھ کی چھتری پڑی ہوئی ہے... میں نے چھتری کو اٹھایا تو اس میں وہی خوشبو تھی جو رُوتھ کے لباس بالوں اور جسم میں تھی... میں نے اُسے بغل میں دابا اور ایک مرتبہ پھر نیچے اُترنے لگا۔

رُوتھ کے گھر کے سامنے پہنچا تو صبح ہو چکی تھی... دروازے کے ساتھ دُودھ کی بوتلیں دھری تھیں۔ میں نے اُن کے ساتھ رُوتھ کی چھتری کو رکھا اور ایک مرتبہ پھر کیمپنگ کی جانب مارچ کرنے لگا... میں نے ایسا کیوں کیا؟... اس کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ میں اُس لڑکی کو متاثر کرنا چاہتا تھا؟ نہیں... یہ کوئی اور جذبہ تھا... نوخیزی اور نوجوانی کی ایک ایسی حرکت جس کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ یہ حرکت یوں تو بیوقوفانہ لگتی ہے لیکن اُس عمر میں... جنیوا کی صبح میں جب آپ کے اپنے بدن سے کوئی اور مہک اٹھتی ہے تو آپ کے جی میں آتا ہے کہ آپ یہی کریں... اور آپ تھکے ہونے کے باوجود آٹھ دس میل کا مشکل سفر صرف اس لئے کرتے ہیں کہ آپ ایک چھاتا کسی کے دروازے کے ساتھ رکھ کر واپس آجائیں۔

میں کیمپنگ میں واپس آیا تو ڈاکٹر پیئر اپنے خیمے کے باہر کافی بنا رہا تھا... مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا۔ اس نے بھویں چڑھا کر مجھے بے حد غور سے دیکھا اور کہنے لگا "جاؤ سو جاؤ۔"

میں خیمے کے اندر داخل ہوا اور... جب بیدار ہوا ہوں تو شام ہو رہی تھی۔ کافی بار کی جانب سے پیٹ بُون کی آواز آرہی تھی... مت روکو... اور ایک تیز ہوا چل

رہی ہے... پیئر حسبِ سابق اپنے خیمے کے باہر سٹول پر بیٹھا تھا اور کافی بنا رہا تھا۔

"وہ کیسی ہے؟" اُس نے یکدم پوچھا۔

"کون؟"

"میں اپنے خیمے میں لیٹا ہوا تھا کہ مجھے کچھ آوازیں آئیں... پیار کی آوازیں" پیئر کا چہرہ شرارت ہی شرارت تھا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہاں بالکل" اس نے سر ہلایا "مجھے غلط فہمی ہوئی ہے... بہرحال غلط فہمی کی ہنسی بہت خوبصورت تھی"

"روتھ میں یہ خرابی تھی کہ وہ ہنستی بہت تھی۔

"اس کا نام رُوتھ ہے... وہ جرمن ہے اور..."

"اور تمہیں اس کے ساتھ محبت ہو گئی ہے؟"

"محبت؟... میں کچھ حیران ہوا" پیئر دراصل ہمارے ہاں محبت کا تصور بہت مختلف ہے۔ خاص طور پر میری عمر میں تو جو لڑکی بھی دکھائی دے جائے اُس سے محبت ہو جاتی ہے..."

"اور کیا یہ لڑکی تمہیں دکھائی دی؟ کیا اس نے تمہیں کچھ دیکھنے دیا؟" بوڑھا ڈاکٹر خالص مسخری کے موڈ میں تھا۔

"میں اس کی جانب کھنچتا ہوں۔ اس میں کشش ہے... لیکن یہ دو انسانوں کی ایک دوسرے کے لئے کشش نہیں بلکہ ایک لڑکی کے لئے ایک لڑکے... میرا مطلب ہے اگر رُوتھ کی بجائے اُسی قسم کی کوئی بھی لڑکی ہوتی تو..."

"اوہو۔ اوہو" پیئر نے کفِ افسوس ملا "تم تو سنجیدہ گفتگو کے موڈ میں ہو... دیکھو پاکستانی... تم دونوں کل خوش تھے ناں؟... اس دوران کوئی لمحہ افسوس کا تو نہیں

آیا۔ کوئی دُکھ کا خیال یا رنج تو پاس سے نہیں گذرا؟"

"نہیں..."

"تو پھر اور تمہیں کیا چاہیئے... بس یہی سب کچھ ہے... جب تم میری عمر کو پہنچو گے تو انہی وقتوں کی طرف لوٹو گے... مشکل زمانوں میں تمہیں رُوتھ یاد آئے گی۔"

"صرف رُوتھ؟"

"رُوتھ سے مراد وہ ایک لڑکی ہے جس کی موجودگی میں کوئی لمحۂ افسوس نہ آیا... یہ کوئی بھی ہو سکتی ہے اور وہ سب ہو سکتی ہیں جو آئیں گی"

"اور بھی آئیں گی؟"

"ہاں... اس سفر کے دوران۔ آئندہ سیاحتوں میں... تم اُن کے اور وہ تمہاری منتظر ہوں گی... کیونکہ خوشی کی واردات صرف ایک پر نہیں دونوں پر بیتتی ہے..."

"اور ڈاکٹر تم بھی کسی کے منتظر ہو؟"

پیئر نے یکدم اس طرح چونک کر میری طرف دیکھا جیسے اُس کا جہاز مس ہو گیا ہو یا کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ اس نے تیوڑی چڑھائی اور اپنے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے بولا "دیکھو تمہیں اس کی اجازت نہیں" اور پھر اُٹھ کر اپنے خیمے کے اندر چلا گیا۔

اُس شب میں اکیلا ٹیرس پر بیٹھا رہا اور کافی پیتا رہا... مت رو کو... اور ایک تیز ہوا چل رہی ہے۔

"یہاں تو لوگ بہت ہیں" رُوتھ نے کہا اور ہم آگے چل دیئے...

دریائے رہون جہاں جھیل جنیوا میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں سے اس کے کنارے کنارے ایک راستہ اوپر کی جانب جاتا ہے جدھر سے دریا آتا ہے۔ آس پاس گھنا جنگل ہے... دریا کے ساتھ ساتھ گھنی گھاس درختوں کے نیچے بچھی ہے۔ جنیوا کے باسی پکنک کے لئے یا ایک پرائیویٹ دوپہر کے لئے ادھر آتے ہیں اور وہ آئے ہوئے تھے۔ میں کوئی بھی سپاٹ پسند کرتا تو رُوتھ آس پاس دیکھ کر کہتی "یہاں تو لوگ بہت ہیں"

ہم اپنا بیگ اٹھائے چلتے رہے لیکن لوگ کم نہ ہوئے۔ زیادہ تر جوڑے تھے اور جُڑے ہوئے تھے۔ ایک مقام پر سورج کی روشنی گھاس پر پڑ رہی تھی اور آس پاس جنگل کا سایہ تھا۔ میں تھک کر وہیں بیٹھ گیا... رُوتھ کچھ کھانے کی چیزیں لائی تھی... وہ میرے لئے تو کچھ بدمزہ تھیں مگر صرف رُوتھ کا دل رکھنے کی خاطر میں نے اُن اُبلے ہوئے پھیکے کھانوں کی تعریف کر دی... کھانے کے بعد ہمیں گھاس اچھی لگی اور ہم لیٹ گئے... اوپر جنگل میں وہ راستہ تھا جس میں سے دھوپ آتی تھی اور ہمیں روشن کرتی تھی۔ دریا کے بہنے کی آواز تھی اور گھاس کی سبز باس تھی جو ہمارے جسموں میں رچ رہی تھی... رُوتھ نے چہرہ اوپر کیا اور مجھ پر جُھک کر باتیں کرنے

لگی۔ اس کے لامبے بال میرے منہ میں پڑتے تھے اور میں انہیں پرے کرنے کے لئے اپنا سر جھٹکتا تھا۔

"کیا تم مجھے دیکھ سکتے ہو" وہ ایک بلا کی طرح میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ میں اُسے اتنی نزدیکی سے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ بال تھے جو گھنے تھے اور میرے چہرے پر پڑتے تھے اور ایک بہت بڑا چہرہ تھا پتہ نہیں کس کا اور اس میں دو ہونٹ تھے کھلے ہوئے اور بہت ہی زندہ... پانی کی آواز میرے کانوں میں مسلسل بہتی جا رہی تھی۔ اور ہاں ایک نیم سرد ہوا بھی تو تھی جو گھاس کی مہک کو اُڑاتی تھی...

میں شاید سو گیا... رُوتھ نے مجھے جھنجھوڑا... بھئی تم تو بہت ہی سُست ہو اُٹھو دریا میں ایک ڈبکی لگاؤ ٹھیک ہو جاؤ گے"

"یہاں؟"

روتھ نے اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی اور پھر کہنے لگی "یہاں تو لوگ بہت ہیں آؤ آگے چلتے ہیں" ہم اپنا بیگ اُٹھا کر چلنے لگے... بالآخر ہم تقریباً اس جگہ پر پہنچ گئے جس کے عین اوپر کیمپنگ کے کافی بار کا ٹیرس تھا... یہاں سے کچھ دکھائی تو نہیں دیتا تھا لیکن کیمپنگ وہیں تھی... یہاں لوگ نہ ہونے کے برابر تھے... ہم دونوں نے چونکہ پہلے سے ہی سومنگ کاسٹیوم پہن رکھے تھے اس لئے کپڑے اتارنے کے بعد ہم کنارے پر بیٹھ گئے.... پانی میں اُترنے کے لئے ہمت درکار تھی۔ رہون ظاہر ہے کسی گلیشیئر میں سے نکلتا تھا اور گلیشیئر کا پانی عام طور پر کچھ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ میں اس لئے بھی گھبرا رہا تھا کہ پانی بہت تیزی سے بہہ رہا تھا اور میں اس سے پیشتر ساکن جھیلوں اور سومنگ پولز میں تو ہاتھ پاؤں مار کر سطح پر رہنے میں کامیاب ہو جاتا تھا لیکن کسی دریا اور تیز دریا میں اُترنے کے لئے تیراکی کی جو سطح درکار تھی میں اس سے بہت نیچے تھا۔

رُوتھ نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے کوئی کریم وغیرہ نکالی اور اُسے دھیرے دھیرے اپنے پنڈے پر ملنے لگی۔

"تم دریا میں نہیں اُترو گی؟"

"نہیں" وہ کہنے لگی" میرے پاس ہیڈ کیپ نہیں ہے اور میں اپنے بال گیلے نہیں کرنا چاہتی.. شام تک سوکھیں گے نہیں.. تم بے شک نہا لو"

"میں بھی رہنے دیتا ہوں.."

"یہ کچھ عجیب سا لگتا ہے کہ ہم دونوں تیراکی کے مختصر لباس میں ہوں اور کنارے پر سوکھے بیٹھے رہیں..."

"اچھا" میں نے اپنے پیٹ کو کھجایا" پانی بہت تیزی سے بہہ رہا ہے.."

"کنارے کے ساتھ ساتھ رہو گے تو کہیں نہیں جاؤ گے"

میں رہون کے پانی میں اُترا تو بالکل چوکنّا ہو کر.. بڑی ہوشیاری سے... اور کان لگائے کہ ابھی گیا اور پھر گیا ہی گیا.... پانی کی یخ بستگی نے پہلے اثر کیا پھر اس کی تیزی میرے پاؤں کو ٹٹولنے لگی جیسے انہیں اٹھانا چاہتی ہو۔ میری کمر تک پانی آیا تو میں نے جھک کر اپنا پورا جسم ایک لمحے کے لئے ڈبو لیا... پیچھے مڑ کر دیکھا تو جنگل تھا اور اس کے ساتھ دریا کا کنارا دور تک دکھائی دیتا تھا اور رُوتھ ہاتھ ہلاتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی جو میں بہاؤ کے شور کی وجہ سے سُن نہیں سکتا تھا... البتہ میں نے جب اوپر دیکھا تو ایک بلند چٹان کی چوٹی کے قریب ایک آہنی جنگلا نظر آیا جو غالباً کافی بار کے ٹیرس کا تھا...

رہون کے پانی اب اتنے سرد نہیں تھے اور اب میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ میں باہر نکلوں.... خاصی دیر نہانے کے بعد میں واپس آیا تو رُوتھ چہرے پر رومال ڈالے گھاس پر لیٹی ہوئی تھی... میں اُس کے عین اُوپر جا کھڑا ہوا اور اپنے نچڑتے ہوئے

بالوں کو زور سے جھٹکا... کچھ چھینٹے اُس کے سینے کے اوپر پڑے اور اس نے چہرے سے رومال ہٹا دیا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔

"ہیلو" وہ بولی" پانی کیسا تھا اور خدا کے لئے میرے قریب آنے سے پیشتر اپنے آپ کو خشک تو کر لو"

میں نے تولیے سے جسم پونچھا اور پھر خنکی محسوس کرتے ہوئے شرٹ پہن لی۔

"تم مجھ سے محبت تو نہیں کرتے" اُس نے ایک سپاٹ لہجے میں سوال کر دیا۔

"میں تو تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ اگر تم چُٹکی بجاؤ تو میں ابھی اور اسی وقت بلا جھجک رہون میں چھلانگ لگا دوں... لگا دوں؟"

"پلیز سنجیدہ ہو جاؤ..." اُس نے ناراضگی سے کہا۔

"تم اچھی لگتی ہو..." میں نے بالآخر مسکراتے ہوئے کہا "محبت کا مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہوتی ہے اور انسان کو کیسے پتہ چلتا ہے کہ ہو گئی ہے"

"مثال کے طور پر وہ شخص صرف ایک چھتری واپس کرنے کے لئے دس میل پیدل چلا جاتا ہے" اس کی ناراضگی برقرار تھی۔

"ہاں وہ... مل گئی؟"

"ہاں... اور میری لینڈ لیڈی نے تمہیں دیکھ لیا تھا اور وہ بہت شکی مزاج خاتون ہے... کہنے لگی تم اپنی اور کون کونسی شے اس کے پاس بھول آئی تھیں.. تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"پتہ نہیں رُوتھ لیکن یہ محبت وغیرہ نہیں ہے.. بس میرا جی چاہا تھا کہ اُس چھتری کو ہاتھ میں لے کر تاریک گلیوں اور ڈھلوان راستوں پر سیٹی بجاتا ہوا چلتا جاؤں اور اسے تمہاری سیڑھیوں پر رکھ دوں اور جب تم دروازہ کھولو تو وہ وہاں موجود ہو... بس اُسی ایک لمحے کے لئے میں نے یہ سب کچھ کیا"

"اوہ شکر ہے کہ... مجھے ڈر تھا کہ تم میری محبت میں گرفتار ہو گئے ہو... اور یہ بہت بُرا ہوتا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں تو کرُوگر سے محبت کرتی ہوں..."

"اور کرُوگر کون ہے؟"

"میرا بوائے فرینڈ جو جرمنی میں ہے... ہم دونوں شائد شادی کر لیں۔ وہ شائد اگلے ماہ مجھے ملنے کے لئے آئے.."

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"کیوں؟ کیا اس سے کچھ فرق پڑتا؟"

"ہاں یہ بھی درست ہے کہ اس سے کیا فرق پڑتا... بہرحال کرُوگر صاحب بہت ہینڈسم ہوں گے... سنہری بال اور نیلی آنکھیں اور خوب صحت مند..."

"ہاں بالکل" وہ مسرت سے چیخی "تمہیں کیسے پتہ ہے؟"

"اکثر کرُوگر ایسے ہی ہوتے ہیں"

"تم شائد جل گئے ہو" اس نے میرے ساتھ ٹیک لگا دی اور آہستہ آہستہ سر ہلانے لگی "ویسے تم جنیوا سے کب جا رہے ہو؟"

"کرُوگر کے آنے سے بہت پہلے۔"

"مذاق مت کرو.. کتنے دن کے لئے آئے ہو؟"

"پتہ نہیں"

"تمہیں تو کسی چیز کا بھی پتہ نہیں.." اُس نے مجھے اُن نظروں سے دیکھا جن میں ایک خاص شکائت تھی... "مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ تم اب تک... ویسے لُطف بہت آئے تمہارے ساتھ..."

"مجھے تم میرے حال پر ہی رہنے دو... میں فی الحال لنڈورا ہی بھلا..."

"بتاؤ کب جا رہے ہو؟"

"کل پچھلے پہر... میں چاہتا ہوں کہ جھیل جنیوا یا جھیل لامن کے ساتھ ساتھ مانترے تک پیدل سفر کروں..."

"تم اتنی جلدی جا رہے ہو" وہ چونک گئی "میرا خیال تھا تم دو تین ہفتوں کے لئے یہاں آئے ہو.."

"دو تین ہفتوں میں تو میں پورا سوئٹزرلینڈ دیکھ لوں گا رُوتھ ڈیئر.."

"اگلے ہفتے میرے پاس تین چھٹیاں ہوں گی۔ اگر تم ٹھہر جاؤ تو ادھر جھیل جنیوا کے کنارے پر ایک قصبہ ہے ودی... وہاں میری ایک دوست ہے اور اُس کے پاس دو پُرانے کمرے ہیں جھیل کے عین ساتھ... ہم وہاں جا سکتے ہیں۔"

"اور کروگر بھی ساتھ جائے گا؟"

"تم جہنم میں جاؤ" وہ یک دم بھڑک اُٹھی "تم واقعی ایک بچے ہو۔ نا بالغ اور نا تجربہ کار بچے... بھلا اس میں کرُوگر کہاں سے آ گیا۔ تم تم ہو اور کرُوگر کرُوگر ہے.."

"مجھے افسوس ہے رُوتھ لیکن یہ جو جذبہ ہے ناں حسد کا تو یہ مجھے کچھ کمینہ بنا دیتا ہے۔"

"جذبۂ حسد ایک ایسی لڑکی کے لئے جس کے ساتھ تم محبّت نہیں کرتے..."

"حسد کا محبت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے... یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کو چوکنا رکھتی ہے... میں تو ایک خوبصورت لڑکی کو جب اپنے دوست کی جانب پیار سے دیکھتے ہوئے دیکھتا ہوں اور اگر وہ لڑکی مجھے اچھی لگے تو میں حسد کا شکار ہو جاتا ہوں۔ چاہے میں نے انہیں ایک پل کے لئے کسی بس میں گذرتے دیکھا ہو... چنانچہ میں کرُوگر کا نام سُن کر جل بھُن کر کوئلہ ہو جاتا ہوں

اور خبردار آئندہ اُس کا نام لیا تو"

وہ ہنسنے لگی اور ہنستی رہی "تم بہت پُرمزاح ہو... کیا تم واقعی کل چلے جاؤ گے؟"

"ہاں" میں نے اس کے کندھے پکڑ کر کہا "جنیوا کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی کو حاصل کرنے کے بعد میرے لئے یہاں اور کیا باقی رہ گیا ہے.. مجھے اب چلے جانا چاہیئے"

"اگرچہ تم ناتجربہ کار ہو" رُوتھ کے پپوٹے بھاری ہو رہے تھے اور وہ انہیں آنکھوں سے بمشکل اٹھاتی تھی "لیکن مجھے شک ہے کہ تم ناتجربہ کار نہیں ہو"

روشنی مدھم ہو چکی تھی۔ دریائے رہون کے اُوپر سے آتی ہوئی ہوا میں اب خنکی زیادہ تھی پانی کا شور بڑھ رہا تھا۔

"میرے نیچے شاید کوئی پتھر ہے جو مجھے بُری طرح چُبھ رہا ہے"

— — — — —

"کیا تم واقعی جا رہے ہو؟" ڈاکٹر پیئر نے بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں.... مجھے اب جانا ہی چاہیئے.... دیکھئے" میں نے خیمہ سمیٹتے ہوئے کہا "میرے خیمے کے ساتھ گھاس زیادہ بلند ہے۔ اب مجھے کُوچ کر جانا چاہیئے"

"ہاں... ابھی تو بے شمار منظر تمہارے منتظر ہیں... صرف جھیل جنیوا ہی نہیں اور بے شمار جھیلیں ہیں اور جنگل ہیں جو تمہاری راہ دیکھتے ہیں.." پیئر نے مجھے ایسے دیکھا جیسے میں ایک مجرم ہوں... اس کا مجرم... میری بجائے اس کو ہونا چاہیئے تھا... بڑھاپا میرے لئے ہوتا اور رُک سیک اس کے کندھے پر" آؤ ایک پیالی کافی کی پیتے ہیں.. پھر چلے جانا" میرا سامان پیک ہو چکا تھا۔ میں نے رُک سیک اٹھایا اور پیئر کے ساتھ چل دیا۔

"مت روکو... مجھے اپنے ہونٹوں کو چُومنے سے مت روکو...

ہم نے کاؤنٹر سے کافی کے مگ خریدے اور باہر ٹیرس پر آ بیٹھے۔

"کل کہاں غائب رہے؟.."

"میں تو یہیں آس پاس تھا... یعنی اس ٹیرس کے عین نیچے دریائے رہون میں سومنگ کر رہا تھا..."

"کیا؟" پیئر چونک گیا "کیا تم رہون میں اُترے تھے؟.... اس مقام پر تو پانی کا بہاؤ بے حد تیز ہے بلکہ وہاں تو سومنگ کرنا منع ہے..."

"رُوتھ نے کہا تھا کہ..."

"اچھا؟ پھر ٹھیک ہے... تمہاری لیڈی لَو نے اگر تمہیں حکم دیا تھا کہ رہون میں کُود جاؤ تو پھر تم نے وہی کیا جو تمہاری عمر کے ایک نوجوان کو کرنا چاہیئے تھا... ویسے وہاں ایک دو نوجوان ڈوب چکے ہیں..."

میں نے ایک جُھرجُھری سی لی... یہ حقیقت ہے کہ اگر میں ایک قدم بھی آگے جاتا دریا کے درمیان کی طرف تو میرے پاؤں اکھڑ جاتے اور میں بے اختیار ہو جاتا۔ اس وقت جب مَیں پانی میں تھا مجھے لگتا تھا کہ اس میں موت ہے لیکن میں رُوتھ کے سامنے ڈرنا نہیں چاہتا تھا۔

"آپ نے بھی تو جوانی میں اس قسم کی بے شمار حرکتیں کی ہوں گی... نہیں؟"

"نہیں" پیئر نے سر ہلایا لیکن ایک افسوس کے ساتھ... وہ کچھ دیر چُپ رہا۔ کافی کے گھونٹ بھرتا رہا پھر جیسے دریا کی آواز سنتے ہوئے کہنے لگا "نہیں میں نے نوجوانی میں کچھ بھی نہیں کیا۔ میں بہت پابند اور باقاعدہ قسم کا نوجوان تھا... میں ایسی حرکات کو اچھا نہ سمجھتا تھا... میں اپنے تئیں بہت عقلمند اور دانا بنتا تھا.. میرا خیال تھا کہ انسان کو ایک صاف ستھری اور باقاعدہ زندگی گذارنی چاہیئے... چنانچہ

میں نوجوانی کے شور اور شرارت سے الگ ہو گیا۔ میں اپنا مستقبل بنا رہا تھا۔ پڑھ رہا تھا اور سنجیدہ ہو رہا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ میں نے اس پہلی لڑکی سے شادی کرلی جو میرے رستے میں آئی صرف اس لئے کہ ایک اچھا گھر بنانے کے لئے ایک بیوی بھی درکار ہوتی ہے آپ اس سے محبت کریں یا نہ کریں وہ ایک ضرورت ہوتی ہے.... بس اس کے بعد وقت بہت تیزی سے اور مجھے بتائے بغیر بڑی بدتمیزی سے گذر گیا.... میری بیوی ایک حادثے میں ہلاک ہو گئی۔ بچوں نے شادیاں کرلیں اور میں ایک مرتبہ پھر وہیں ہوں.... اکیلا اور کامیاب.... اور اب مجھے احساس ہوا ہے کہ اس سارے سلسلے میں پیٹر غائب ہو گیا اور حالات اور وقت غالب آ گئے..."

"مجھے افسوس ہے"

"افسوس تو مجھے بھی ہے۔ میری ساری زندگی اکارت گئی..." وہ مسکرانے لگا۔

"تم جب اپنا خیمہ لگا رہے تھے یا وہاں روتھ کی سرگوشیاں تھیں اور جب تم دیر سے واپس آتے تھے تو مجھے پتہ چل جاتا تھا... اور... بس میں نے یہی سب کچھ مس کیا.... میں نے ساری زندگی کسی نہ کسی وجہ کے ساتھ گذاری... جواز کے ساتھ... لیکن خوشی اور محبت کے ساتھ نہیں کیونکہ ان دونوں میں وجہ یا جواز نہیں ہوتے...."

"میرا خیال ہے ڈاکٹر پیٹر کہ آپ کو میرے ساتھ چلنا چاہیئے۔ ہم دونوں آوارہ گرد ہو جاتے ہیں۔ اکٹھے سفر کرتے ہیں.... کیا خیال ہے؟"

"پھر ہم صرف اُن دو خواتین کی طرف دیکھیں گے جو ایک ماں اور ایک بیٹی ہو.... اپنی اپنی عمر کے حساب سے.... اور ایسی دو خواتین کا بیک وقت ملنا اور پھر ہم دونوں سے مل جانا قدرے دشوار ہے..." وہ موڈ میں آ گیا "ہاں یہ ہو سکتا کہ میں تمہیں اپنا ایسا بیٹا بنا لوں جو تاہیتی کے جزیرے میں رہتا تھا اور اب مجھے ملنے آیا ہے اور اسی لئے براؤن رنگ کا ہے...."

"میں واقعی سنجیدہ ہوں... ہم دونوں اکٹھے سفر کر سکتے ہیں"

"شکریہ اے میرے براؤن بیٹے..." اس نے میرے کندھے کو تھپکا "میں اگر تمہارے ساتھ رہا تو شاید حسد کی وجہ سے جل مروں... انسان اپنی عمر نہیں دیکھتا اپنی شکل نہیں دیکھتا لیکن اس حسن کو دیکھتا ہے جو کسی اور کے پاس ہوتا ہے اور پھر وہ جل جاتا ہے..."

"ہم برابر کے حصے دار ہوں گے..." میں نے اس بوڑھے کے لئے اپنے آپ کو بے حد نرم پایا۔ مت روکو... مجھے اپنے ہونٹوں کو....

پیٹر باتیں کرتا رہا اور پھر یکدم چُپ ہو گیا۔ پھر وہ مسکرایا اور اُٹھ کھڑا ہوا.... "کیمپنگ میں ایک خاتون تمہارے خیمے کو شاید تلاش کر رہی ہے۔ اور وہ تمہارے رُک سیک پر لکھے نام کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہے... جس طرح تم نے کہا تھا دھوپ میں اس کے بازوؤں کے روئیں سنہری ہو رہے ہیں... میں اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں"

کل رہون میں سومنگ کے بعد رُوتھ کے ساتھ طے ہوا تھا کہ میں اپنا سامان وغیرہ پیک کر کے شہر پہنچ جاؤں گا اور اسے مل کر جھیل کے ساتھ ساتھ چل دوں گا....

وہ آئی تو ایک زرد فراک میں تھی اور سورج کی شعاعیں اس کے بازوؤں اور کندھوں کو سنہری کر رہی تھیں۔

"یہ تمہارے دوست ہیں.... یہ جنہوں نے مجھے کندھے سے پکڑ کر کہا کہ اچھا تم ہی وہ لڑکی ہو جس نے ایک نوجوان کو دریائے رہون میں چھلانگ لگانے کو کہا تھا... اور میں نے اُن سے کہا نہیں وہ نوجوان خود ہی پانی میں اُتر گیا تھا اس پر انہوں نے کہا کہ کاش تم مجھے حکم دیتیں تو میں یہیں سے رہون میں چھلانگ لگا دیتا.... یہ کیا

ہیں اور کون ہیں؟"

"یہ ڈاکٹر پیئر ہیں اور.... اور تم یہاں کیمپنگ میں کیا کر رہی ہو؟"

"وہ مجھے ریستوران سے چھٹی مل گئی تو.... بہر حال میں نے سوچا کہ پچھلے پہر کا انتظار کرنے کی بجائے.... کیا تم خوش نہیں ہوئے مجھے دیکھ کر؟...؟" اُس کے لہجے میں شکایت تھی۔

"میں تمہیں دیکھ کر حیران بھی تو ہوا ہوں...."

مت روکو.... مجھے اپنے ہونٹوں کو...

"کیا کیا؟" وہ یکدم ہنسنے لگی "یہ پیٹ بوَن ابھی تک اپنی دوست کی منتیں کرتے جا رہے ہیں کہ مت روکو.... تم دیکھ لو کہ میں کتنی اچھی ہوں..."

"ہاں تم بہت اچھی ہو... اگر تم اچھی نہ ہوتی تو کرد گر تم سے کیسے محبت کرتا۔"

"پھر کرد گر...؟" وہ بھڑک اٹھی..."اس وقت صرف میں اور تم ہیں کرد گر نہیں ہے ...اور اب اگر تم نے اس کا نام لیا تو میں چلی جاؤں گی... اور میں اب یہاں نہیں بیٹھوں گی۔ آؤ کہیں چلیں...؟"

"مجھے آج جنیوا چھوڑنا ہے اس لئے... میں اپنا رک سیک ساتھ لیتا چلوں؟"

"ہاں بہت اچھا لگے گا کہ تم ساٹھ کلو وزن اٹھائے ایک لڑکی کے ساتھ جھیل کنارے چہل قدمی کر رہے ہو.... پھر آ کر لے جانا۔"

ہم اُٹھے اور چیڑ کے درختوں والے راستے سے نیچے اُترنے لگے۔ بالآخر رہون کا پُل نظر آنے لگا۔ سڑک اب درختوں اور پتھروں میں سے دکھائی دے رہی تھی اور ہمارے بائیں ہاتھ پر لکڑی کا ایک جنگلا تھا اور نیچے تقریباً پندرہ بیس گز کی گہرائی پر رہون شور مچا رہا تھا... میں روتھ کے ہمراہ تین مرتبہ یہاں سے گذرا تھا اور ہر مرتبہ ہم دونوں رُکے تھے۔ سڑک پر اُترنے سے پہلے ذرا سانس درست کرنے

کے لئے یا آخری تنہائی کا ذائقہ اپنے ہونٹوں پر محسوس کرنے کے لئے... رُوتھ اُس ٹہنیوں سے بنی ہوئی باڑھ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو جاتی۔ اس کے گھنگھریالے بال نیچے بہتے دریا کا شور اور سرد ہوا۔ اُس کا فراک اُڑتا تو وہ اپنی کمر کو بل دے کر اُسے ہتھیلی سے نیچے کرتی۔ فراک کے وی نیک کے درمیان ایک لاکٹ کبھی گم ہوتا اور کبھی دودھیا سطح پر رکھا ہوا نظر آتا اور میں اُسے اپنے سینے کے ساتھ محسوس کرتا... اور تب میں ایک گہرا سانس لیتا اور ایک باس آتی، بدن سے، دریا کے شور اور سرد ہوا سے، درختوں سے، اُن ٹہنیوں میں سے جن کے جنگلے کے ساتھ رُوتھ ٹیک لگاتی اور اُس پسینے سے جو پہاڑی پر تیزی سے اُترتے ہوئے ہم کو بھگوتا اور پھر ایک جگہ کھڑے ہونے سے سرد ہونے لگتا... کوئی ایک باس نہ تھی بلکہ پورے منظر اور آس پاس کے بکھرنے سے اس کا وجود ہوتا اور تب مجھے فرینک سناٹرا کا گیت یاد آتا... یاد آتا.... نہیں اُس شور اور دریا اور بدنوں کی خوشبو میں سے جنم لیتا اور میرے اندر باہر گونجنے لگتا....

گہری، نیلے سمندر سے بھی گہری
محبت ہوتی ہے... یہ اتنی زیادہ گہری ہوتی ہے۔
اگر سچی ہو تو....
میں تم سے محبت کروں گا... راستے کے اختتام تک
آل دے وے....
گہری....

یہ ایک عجیب احساس تھا۔ رُوتھ کے ساتھ میری وابستگی اتنی شدید نہ تھی کہ مجھے نیلے سمندروں سے بھی گہری محبت یاد آتی اور پھر یہی بول میرے ذہن میں آتے... ہمیشہ میں نے رُوتھ سے اس کا ذکر کبھی نہ کیا... یہ میرا اپنا راز تھا...

اُس لمحے جب وہ ٹہنیوں کے ساتھ پُشت لگائے کھڑی ہوتی اور میں اُسے دیکھتا تو اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ میں کیوں مسکراتا ہوں۔ کیا سُنتا ہوں اور میرے اندر کیا ہے ... میرے گہرے اندر... نیلے سمندر سے بھی گہرے اندر... یہ تو اُن زمانوں کی بات ہے لیکن اب جب کہ رہون کے اُس پُل کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہوگا۔ اب میں ایک بالکل مختلف انسان ہوں۔ میں اتنا بدل چکا ہوں کہ اُس شخص کو نہیں پہچانتا جو ایک لڑکی کا چھاتا اُٹھائے ہنسی خوشی جنیوا کی رات میں سیٹیاں بجاتا چلا جاتا تھا... تو ان دنوں میرے ساتھ کیا ہوا... میں ایک صبح اپنے مختصر لان میں یوگا کی ایک ورزش کر رہا تھا۔ میں نے سانس اپنے اندر کھینچا اور اُسے روکے رکھا ایک طویل عرصے کے لئے اور جب میں نے اسے باہر نکالا تو یکدم میرا سارا بدن جواب دے گیا... ایک تازگی میرے سارے جسم میں وحشی ہوکر تیرنے لگی۔ مجھے زیادہ دکھائی دینے لگا... زیادہ سنائی دینے لگا... صرف چند لمحوں کے لئے... مجھے یوں لگا جیسے میرا بدن نیا نکور ہوگیا ہے... اور تب ایک مرتبہ پھر کئی برسوں کے بعد ... گہری، نیلے سمندر سے بھی گہری... محبت ہوتی ہے... یہ کہیں سے تیرتا ہوا میرے ذہن میں آیا اور پھر نکل گیا.... دوسرے روز میں نے پھر وہی ورزش کی اور ایک مرتبہ پھر اسی زندگی سے بھرپور کیفیت سے دوچار ہوا۔ پھولوں کے اور پتوں کے رنگ گہرے ہوئے شوخ ہوئے۔ ہر شے زندہ ہوگئی۔ فوارے میں گرتا ہوا پانی بھی زندہ ہوگیا... بس اسی لمحے گہری، نیلے سمندر سے بھی گہری کے ساتھ ایک مہک آئی اور ایک دُھندلا نقش ابھرا اور غائب ہوگیا... میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ مہک میں نے کہاں اپنے اندر اتاری تھی اور کب... اور اس کا تعلق نیلے سمندر سے بھی گہری کے ساتھ کیا ہے.... روزانہ یوگا ورزش کے بعد اس کیفیت سے گذرتا اور یاد کی مچھلی ذہن کے ہاتھوں سے پھسل جاتی اور ماضی کے تاریک سمندروں میں

گرکر گم ہوجاتی... اور پھر ایک روز جب صبح سویرے میں نے اپنا سانس اندر کھینچ کر اسے روکا اور پھر باہر لایا تو وہ خوشبو آئی اور اُس کے ساتھ ہی وہ منظر صاف ہوگیا جو گم ہوچکا تھا... رُوتھ ٹہنیوں کی باڑھ کے ساتھ ٹیک لگائے مجھے دیکھ رہی ہے۔ اُس کے نیچے سرمئی رہون شور مچاتا ہے اور ہوا کی خنکی میرے چہرے کو تھپکتی ہے۔ فراک۔ لاکٹ، باس بدن کی۔ پسینہ۔ سرد ہوتا گرم پسینہ۔ درخت

... اور گہری، نیلے سمندر سے بھی گہری... محبت ہوتی ہے۔

لیکن یہ تو آج کی بات ہے اور میں گذرے ہوئے کل میں تھا...

رُوتھ اور میں دوپہر کے کھانے کے لئے ایک سستے ریستوران میں گئے.... پھولوں کی نمائش دیکھی۔ شوکیسوں میں سجی اُس جیولری کو دیکھا جسے ہم صرف دیکھ سکتے تھے۔ جھیل کے کنارے چلتے رہے۔ اور بالآخر ہم تھک گئے۔

"تمہیں پتہ ہے آرام کرنے کے لئے جنیوا میں بہترین جگہ کونسی ہے؟"

"کونسی؟" میں نے پوچھا۔

"جھیل جنیوا کے عین درمیان میں ایک جگہ ہے۔"

"جھیل جنیوا کے درمیان میں میری معلومات کے مطابق تو کوئی جزیرہ وغیرہ نہیں ہے اور نہ ہی اس وقت دکھائی دیتا ہے۔"

"وہ جزیرہ ہم خود بنائیں گے... آؤ۔"

جھیل کنارے ایک بوٹ کلب کے سٹیورڈ سے ہم نے ایک ہلکی سی کشتی کرائے پر حاصل کی۔ تیراکی کی طرح کشتی رانی بھی مجھے واجبی سی آتی ہے لیکن یہ کشتی اتنی ہلکی پھلکی اور آسان تھی کہ اسے کوئی بھی چلا سکتا تھا.... ہم کنارے سے دور ہوتے گئے اور رُوتھ میرے بازوؤں کو دیکھتی رہی اور مُسکراتی رہی.... آہستہ آہستہ شہر کا شوروغل مدھم ہوکر ختم ہوگیا۔ کانوں کو عجیب سا لگا کہ ایک خاموشی ہے جس میں

صرف ہوا چلتی ہے۔ چپوؤں کی آواز ہے اور بس... آس پاس سرسبز پہاڑوں میں سرخ چھتوں والے گھر تھے اور سڑکوں کا ایک جال تھا... جھیل کے عین درمیان میں جا کر ہم رُک گئے۔

"یہ ہمارا جزیرہ ہے۔" روتھ کہنے لگی۔

جینوا کا شہر بہت دور لگ رہا تھا... بلکہ ہر شے دور لگ رہی تھی۔ جھیل جنیوا اتنی چھوٹی نہ تھی جتنی کنارے سے لگتی تھی۔ اس کے نیلے پانی پر چند بادبانی کشتیاں تیر رہی تھیں۔ کبھی کبھار کوئی موٹر بوٹ شور کرتی گذر جاتی اور ہماری کشتی سستی سے ہچکولے کھانے لگتی.... رُوتھ حسبِ معمول فراک کے نیچے نہانے کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس نے فراک اُتارا اور دھوپ میں لیٹ گئی۔

"تم یونہی بیٹھے رہو گے؟"

"میرے پاس سومنگ کاسٹیوم نہیں ہے....!"

اس نے میری طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

اور میں نے شکر کیا کہ میرے پاس نہانے کے لئے کچھ نہیں ورنہ خواہ مخواہ جھیل میں اُترنا پڑتا اور جھیل جنیوا کے عین درمیان میں پانی کی گہرائی ایک کلومیٹر تو ہوگی... ایک کلومیٹر نہیں تو میرے قد سے تو ہر صورت میں زیادہ ہوگی۔ یوں بھی مجھے روتھ کے اس پروگرام کا علم نہ تھا...

دھوپ میرے پپوٹوں کو گرم کرتی تھی... میں بھی سُست پڑنے لگا۔ کشتی پانی میں ہلکورے لیتی تو نیند آنے لگتی۔ اگر کوئی موٹر بوٹ قریب سے گذر جاتی تو ہلکورے ہچکولوں میں تبدیل ہو جاتے۔" اور تم کہہ رہے تھے کہ جھیل جنیوا میں کوئی جزیرہ نہیں... اور اب ہم کہاں لیٹے ہیں؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے جنیوا چھوڑ دینا ہے۔ میرا سامان کیمپنگ میں بندھا پڑا ہے"

"ہاں... لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ دھوپ چمکتی ہے اور پانی کی نم مہک آتی ہے اور ہمارے اوپر صرف آسمان ہے، نیلا اور گہرا"

میں نے کشتی کے کنارے پر ٹھوڑی ٹکائی اور جھیل کی سطح میری آنکھوں کے ساتھ آ لگی... بادبانی کشتیاں بہت ساری تتلیاں... سفید تتلیاں جھیل کی سطح پر اپنے پَر جوڑے تیر رہی تھیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" رُوتھ نے میرے کندھے پر ایک گرم ہتھیلی رکھی" ہم اپنے جزیرے میں ہیں" اور اس جزیرے میں تنہائی تھی۔

ایک موٹر بوٹ خطرناک حد تک ہماری کشتی کے قریب سے جھاگ اُڑاتی گذر گئی اور ہم بمشکل اپنے آپ کو سنبھال سکے۔

"باسٹرڈ" رُوتھ بڑبڑائی۔

اتنی دیر میں موٹر بوٹ پھر ہماری جانب آنے لگی... اُس پر چند نوجوان تھے... وہ نزدیک سے گذرے تو انہوں نے روتھ کو دیکھ کر خوب زور زور سے سیٹیاں بجائیں اور اس کے ساتھ ہی ہماری کشتی ڈولنے لگی....

"یہ ہم سے جلتے ہیں" روتھ غصے میں تھی۔

دو تین مرتبہ ہمارے گرد چکر لگا کر موٹر بوٹ نے ایک لمبا سانس لیا اور ہنکتی ہوئی چلی گئی۔

اب پھر پانی کی ٹپک ٹپک تھی اور خاموشی تھی اور دُھوپ تھی۔

"کیا تم دھوپ نہیں سینکو گے؟"

"میں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ براؤن ہوں.... نو تھینک یو"

"کیا تم ہر جگہ براؤن ہو؟..."

"ہاں"

ہم واپس کنارے پر آئے تو دھوپ جھیل پر سے سمٹتی ہوئی پہاڑیوں کے اُوپر زرد ہو رہی تھی۔

رہون کے ساتھ اوپر جاتا ہوا راستہ نیم تاریک تھا... گہری نیلے سمندروں سے بھی گہری مجھے اپنا سامان کھول کر دوبارہ خیمہ ایستادہ کرنا پڑا... کیونکہ باہر سردی تھی۔ اور مت روکو... مجھے مت روکو۔

اور ایک تیز ہوا چل رہی ہے اور طوفان ہے اور سردی ہے اور اس لئے... مت روکو... مجھے اپنے ہونٹوں کو چومنے سے مت روکو۔

میری منزل مونترے تھی۔

اور میں کھڑا تھا اور میری ٹانگیں شل ہو رہی تھیں اور شام ہو رہی تھی اور میں صبح گیارہ بجے سے یونہی کھڑا تھا اس کار یا ٹرک وغیرہ کے انتظار میں جو مجھے کم ازکم یہاں سے اٹھا لے اور کہیں اور لے جائے۔

جنیوا سے نکلنے کے بعد میں ٹرام کے آخری سٹاپ پر آگیا اور پھر بل کھاتی ہوئی سڑک پر چلنے لگا۔ دونوں جانب آبادی تھی۔ دائیں ہاتھ پر ڈھلوان تھی اور مکان تھے اور کبھی کبھی نیچے اترتے راستوں کے آخر میں جھیل کے پانی نظر آجاتے۔ یہاں سے اس جھیل کا نام جھیل جنیوا کی بجائے لاک لامن ہو چکا تھا... ایک ایسے موڑ پر جہاں کاریں ذرا آہستہ ہو جاتی تھیں میں نے رک سیک زمین پر رکھا اور لفٹ لینے کے لئے ہاتھ آگے کر دیا... یہاں سے میں جھیل کے ایک بڑے حصے کو دیکھ سکتا تھا جو دھوپ میں سفید ہو رہا تھا اور دوسرے کنارے پر وہ پہاڑیاں بھی دھندلا رہی تھیں جو فرانس میں واقع تھیں۔ بائیں ہاتھ پر انگوروں کے کھیت بلند ہو رہے تھے اور ان میں چھوٹے چھوٹے فارم ہاؤس چھپے ہوئے تھے۔ یہ منظر کیلنڈروں اور پوسٹ کارڈوں پر منتقل ہونے کے لائق تھا۔ اور میں ایک لاپرواہ سرخوشی کے ساتھ وہاں کھڑا پاس

سے گذرنے والی ٹریفک کو دیکھ دیکھ کر نہایت مودّب انداز میں مسکرا رہا تھا تاکہ مجھے کوئی لفٹ مل سکے۔۔ یہ مودّب انداز ایک دو گھنٹے کی مسلسل مسکراہٹ کے بعد منجمد ہوگیا۔۔۔ اگرچہ اس سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھی لیکن اتنی قلیل بھی نہ تھی کہ لفٹ کے امکانات ہی نہ ہوں۔ ایک اور بات میں نے نوٹ کی کہ میرے علاوہ وہاں کوئی اور ہچ ہائکر نہ تھا ورنہ یورپ کے بڑے بڑے شہروں سے نکلنے والی شاہراہوں پر تو لفٹ لینے والوں کے غول کے غول کھڑے ہوتے ہیں۔۔۔ میرے سامنے جو سورج چمکتا تھا اور آہستہ آہستہ سفر کر رہا تھا اب جھیل کے دوسرے کنارے میں دفن ہونے کی تیاری کر رہا تھا اور مجھے ابھی تک لفٹ نہیں ملی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر جنیوا کی کیمپنگ میں ایک مرتبہ پھر واپس جانے کے لئے تیار کر لیا۔۔۔ آس پاس کی خوشنمائی اب مجھے زہر لگ رہی تھی۔۔۔ تب ایک بوڑھے کسان نے اپنی پک اپ روک کر مجھے بٹھا لیا۔۔۔

"کہاں جانا چاہتے ہو؟" اُس نے پک اپ سٹارٹ کرتے ہوئے بڑی نفیس انگریزی میں پوچھا۔ "آپ جہاں بھی جا رہے ہیں۔۔۔ ویسے میں مانترے جانے کا خواہشمند ہوں۔"

"مانترے، جھیل کے دوسرے سرے پر واقع آخری شہر؟۔۔۔ نہیں میں تو لُوزان کے قریب ایک رشتے دار کے ہاں جا رہا ہوں وہاں تک لے جا سکتا ہوں۔"

"شکریہ۔۔۔"

"ویسے تم خاصے بیوقوف ہو" اس کسان نے میرا جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ دیا۔

"جی ہاں۔۔۔ وہ تو میں ہوگیا ہوں اتنی دیر سڑک پر کھڑے رہ کر"

"میں نے تو تم پر ترس کھا کر بٹھا لیا ہے ورنہ ہچ ہائکروں کو بٹھا لینا تو سراسر حماقت ہے۔۔۔ دراصل سوئٹزرلینڈ میں ایک قانون ہے جس کے تحت اگر آپ کی کار حادثے کا شکار ہو جاتی ہے اور آپ کے ساتھ کوئی ہچ ہائکر سوار ہے تو انشورنس کمپنی

آپ کو نقصان کا ایک پیسہ نہیں دے گی اور اسی لئے یہاں کے ڈرائیور ہچ ہائکروں کو ساتھ بٹھانے سے گریز کرتے ہیں"۔۔۔

"پھر آپ نے کیوں بٹھا لیا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"میری پک اپ یوں بھی ختم ہو چکی ہے اس لئے اگر حادثہ ہو بھی جائے تو اس کا کیا بگڑے گا۔۔" بوڑھے نے ایک بڑا سگار ڈیش بورڈ سے نکالا اور سلگا لیا۔

جھیل کے پانی اب سورج کی آخری کرنوں سے چمک رہے تھے۔

راستے میں نی آن کا قصبہ آیا جسے میں نے سیاحتی کتابچوں میں دیکھا تھا اور اسے دیکھنے کی خواہش کی تھی۔۔۔ یہ بہتر تھا اگر میں اسے صرف سیاحتی کتابچوں میں ہی دیکھتا۔۔۔ لُوزان پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی۔

یہ ایک مختصر سفر تھا جس نے مجھے جھیل کے نیلے پانی، ڈھلوان چھتوں والے گھر، انگور کے باغ اور سرسبز پہاڑ یاد کے طور پر دیئے۔

لُوزان سوئٹزرلینڈ کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے اور اپنی یونیورسٹی کے باعث شہرت رکھتا ہے۔ یہاں قیام میرے سفری منصوبے کا ایک حصہ نہ تھا بلکہ یہ اُس بوڑھے کسان کی وجہ سے تھا جو مجھے کہیں اور ڈراپ کرنے کی بجائے یہاں چھوڑ گیا۔۔۔ میں نے لُوزان کی کیمپنگ کے بارے میں پڑھ رکھا تھا کہ وہ یورپ کی بڑی سائٹس میں شمار ہوتی ہے۔ جھیل کے ساتھ ایک رتیلا ساحل تھا اور اس کے ساتھ ساتھ لُوزان کی کیمپنگ سائٹ پھیلی ہوئی تھی۔۔۔ میں نے حسبِ معمول دفتر میں اپنا پاسپورٹ جمع کروایا اور کیمپنگ کے جنرل سٹور کے قریب اپنا خیمہ نصب کر لیا۔۔۔ میں تھکا ہوا تھا اور تاریکی پھیل رہی تھی۔ سٹور کے ساتھ ایک چھوٹا سا ریستوران تھا۔ میں نے سٹور سے کچھ روٹی اور ٹین بند مچھلی خریدی اور ریستوران میں بیٹھ کر اسے تنا دل کیا۔۔۔ یہاں بھی ایک جیوک بوکس موجود تھا اور۔۔۔ مت روکو۔۔۔ پیٹ بون یہاں بھی گا رہا تھا۔۔۔

سٹور کے کاؤنٹر کے پیچھے ایک دُبلی سی لڑکی گاہکوں کو بُھگتا رہی تھی... مجھے دیکھ کر وہ کچھ ٹھٹکی اور کہنے لگی" تم کون سے ملک کے ہو؟" میں نے بتایا تو کہنے لگی تم میرے پہلے پاکستانی ہو... اُن زمانوں میں پاکستانی پاکستان میں ہی رہا کرتے تھے اور میری طرح کا اکا دکا دانہ پھسل کر اُدھر جا نکلتا تھا اور لوگوں کی دلچسپی کا باعث بن جاتا تھا کھانے کے بعد میں جھیل کی طرف گیا لیکن وہاں خاصا اندھیرا تھا چنانچہ واپس آیا اور اپنے خیمے میں دراز ہو گیا۔

لوزان میں میں کئی روز تک رُکا رہا... اس لئے رکا رہا کہ میں بے حد سُست ہو گیا تھا۔ صرف ایک مرتبہ شہر گیا اور باقی تمام وقت کیمپنگ میں گذارا... ہالینڈ کے دو جوڑے نِک اور نِل، سلمان اور سویان میرے دوست بن گئے۔ وہ بھی میری طرح سیاحت پر نکلے ہوئے تھے۔ اتفاق یہ ہوا کہ سٹور میں کام کرنے والی خاتون بھی ہالینڈ کی تھی اور لوزان یونیورسٹی میں چھٹیوں کی وجہ سے پارٹ ٹائم جاب کر رہی تھی ... اینے کُوٹن اپنے ہم وطنوں کے پاس اکثر آتی اور میں اکثر اُن کے ہم وطنوں کے ہمراہ ہوتا چنانچہ اُسے بھی گروہ میں شامل کر لیا گیا۔

ہمارا سارا دن جھیل کے ساتھ ریتیلے ساحل پر گذرتا.... ہم سومنگ کرتے۔ باتیں کرتے، موسیقی سنتے اور دھوپ میں اونگھتے رہتے۔ اینے بہت زبردست تیراک تھی اس کا دُبلا جسم ماچس کی تیلی کی طرح پانی پر تیرتا رہتا... کیمپنگ کے قریب ایک بوٹ کلب تھی جہاں واٹر سکی انگ کا انتظام تھا... یہ ایک مہنگا کھیل تھا اور اس کے ساتھ تھوڑا سا خطرناک بھی۔ خاص طور پر میرے ایسے "تیراک" کے لئے... بہرحال گروپ نے ایک روز ایک سپیڈ بوٹ کرائے حاصل کی... صرف ایک گھنٹے کے لئے اور اس کے ساتھ ایک ڈرائیور جو اسے سکی انگ کے لئے مناسب رفتار پہ چلا سکے اور روک سکے... فیصلہ یہ ہوا کہ ہر ممبر دس منٹ کے لئے سکی انگ

کر سکتا ہے۔ اگر وہ کر سکے تو!... سب سے پہلے مجھے آگے کیا گیا... میں اپنے سوئمنگ کا سٹیوم میں تھا... بوٹ کلب کے ایک کارندے نے پانی پر پھسلنے والی لکڑی کی تختیاں یعنی سکی میرے آگے رکھ دیں اور میں نے اپنے پاؤں ان پر جما دیئے پھر ان تختیوں کو باندھ دیا گیا... اِس کارِ خیر کے بعد مجھے اُس رسّی کا آخری سرا تھما دیا گیا جو موٹر بوٹ کے ساتھ بندھی ہوئی تھی... اب مجھے اِس رسّی کو مضبوطی سے تھامنا تھا۔ اپنی ٹانگیں اکڑائے رکھنی تھیں کیونکہ ذرا جھول آیا اور آپ پانی میں ... طریقہ یہ تھا کہ موٹر بوٹ سٹارٹ ہو گی اور اس کے ساتھ آپ پانی پر تیرنے لگیں گے... اگر آپ نے رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھا، ٹانگوں کو اکڑائے رکھا اور آپ کی سکی کا زاویہ بالکل سیدھا رہا تب.... بہرحال میں بھی تیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اصل مسئلہ میرے لئے یہ تھا کہ میں تیراکی میں بہت پیدل تھا اور کئی مرتبہ جھیل پر پھسلتے ہوئے موٹر بوٹ کے آہستہ ہونے سے یا تیز موڑ کاٹنے سے یا آپ کی اپنی کسی حماقت کی وجہ سے آپ پھسلتے پھسلتے یکدم پانی میں ایک بھاری پتھر کی طرح ڈوب جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر آپ کے پاؤں سے بندھی ہوئی تختیاں خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں یعنی آپ کی ٹانگ کو ایسا بل دیں گی کہ ہڈی دو ٹکڑے یا آپ یکدم جب ڈوبتے ہیں تو حواس کھو بیٹھتے ہیں اور پھر ڈوبتے ہی چلے جاتے ہیں.... لیکن میرے تمام خدشات باطل ثابت ہوئے کیونکہ موٹر بوٹ سٹارٹ ہوئی اور رسّی نے مجھے کھینچا اور میں شائد پانچ چھ سیکنڈ کے لئے پانی پر رہا اور پھر نیچے... چونکہ میں کنارے پر تھا اس لئے جب نیچے گیا تو صرف گھٹنوں تک پانی آیا... موٹر بوٹ آگے جا چکی تھی اور میں نے ظاہر ہے رسّی کو چھوڑ دیا تھا... موٹر بوٹ واپس آئی ایک مرتبہ پھر میں نے رسّی کو مضبوطی سے تھاما، ٹانگیں اکڑائیں، موٹر بوٹ سٹارٹ ہو کر چلی، میں چند لمحوں کے لئے پانی پر تیرا اور پھر نیچے.... دس منٹ میں تین

مرتبہ کوشش ہوئی اور نتیجہ وہی نکلا۔ میرے بعد باقی حضرات کا بھی یہی حشر ہوا کہ اِدھر نکلے اور اُدھر ڈوبے... صرف اِینے پندرہ بیس گز تک پانی پر پھسلتی گئی۔ معلوم ہوا کہ ہم واٹر سکی اِنگ کو جتنا آسان سمجھتے تھے یہ اتنی ہی مشکل تھی بلکہ ہم ایسوں کے لئے ناممکن... ہاں اتنا فائدہ ہوا کہ اب میں آسانی سے یہ کہہ سکتا تھا کہ آہ وہ دن جب میں سوئٹزرلینڈ کی ایک نیلگوں جھیل کے پانیوں پر اس طرح سکی رنگ کرتا تھا جیسے ایک بگلا سطحِ آب پر تیرتا ہوا اُترتا ہے... تھوڑی سی مبالغہ آرائی تو بہرطور ہر مصنّف کا پیدائشی حق ہے۔

اِینے خوش شکل لڑکی تھی لیکن دُبلی پتلی اتنی تھی کہ اُس کے لڑکی ہونے کے آثار بھی کم کم دکھائی دیتے تھے.... اس نے چھٹی کے روز ہمیں اپنے کمرے میں ایک دعوت دی جس میں ہالینڈ کے لوک گیت گائے گئے اور میں نے انہیں انتہائی توجہ کے ساتھ اور منہمک ہو کر سنا لیکن اس کے باوجود انہیں سمجھ نہ سکا کیونکہ میں ڈچ زبان سے ناآشنا تھا۔

لُوزان کی ایک بلند عمارت کی چھت پر ایک ریستوران تھا جہاں سے پورا شہر اور آس پاس کے پہاڑ اور جھیل کا بیشتر حصّہ ایک نقشے کی طرح قدموں کے نیچے پھیلا نظر آتا... ہم وہاں دوپہر کو آئس کریم کھانے جاتے۔

لُوزان میرے لئے اب بھی ریت، جھیل، دھوپ، سُستی اور ہالینڈ کے پانچ دوستوں کا نام ہے۔

مانترے چونکہ لوزان سے نزدیک ہی تھا اس لئے میں نے رِچ ہائکنگ کا خطرہ مول لینے کی بجائے ٹرین کا ٹکٹ مول لے لیا۔

میں مانترے سٹیشن سے باہر آیا تو ایک ایسے شہر کو دیکھا جو نازک تھا حسین تھا اور اُس میں ہر طرف بے فکری کا موسم تھا... یہاں پر کوئی قابلِ ذکر کیمپنگ سائٹ

نہ تھی۔ سٹیشن پر مجھے بتایا گیا کہ ٹرام نمبر فلاں پر سوار ہو جاؤ اور شاتو دی رشیاں سے دو سٹاپ آگے جا کر اتر جانا... وہاں خیمہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب میری ٹرام شہر کے مرکز میں سے گذر رہی تھی تو فٹ پاتھ پر لگی کرسیوں پر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مختصر ترین لباسوں میں تھے اور اُن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو نہ مسکرا رہا ہو... ٹرام مرکز سے نکل کر باہر آئی پھر جھیل کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ شہر ختم ہوا اور قلعہ شِیاں کا سٹاپ آیا... بیشتر سیّاح اُتر گئے۔ دو سٹاپ بعد ٹرام یکدم گھومی اور مونترے کی جانب رُخ کر کے کھڑی ہو گئی۔ یہ اب واپس جا رہی تھی اور یہ اس کا آخری سٹاپ تھا.. اور یہ وہ مقام تھا جہاں پر جھیل لامن ختم ہو جاتی تھی... ایک ویران قطعۂ زمین پر دو تین خیمے لگے ہوئے تھے۔ میں اُن کے قریب گیا اور دفتر کے بارے میں دریافت کیا۔ اُن میں مقیم سیّاحوں نے بتایا کہ مانترے کی انتظامیہ نے ابھی اس شہر میں کیمپنگ کے لئے کوئی خاص سہولتیں مہیا نہیں کیں اور یہاں آپ بغیر قیمت کے خیمہ لگا سکتے ہیں۔ قریبی نل سے پانی پی سکتے ہیں اور باتھ روم کے لئے جھیل کو استعمال کیجئے اور بھوک لگے تو جھیل کنارے پھیلے مانترے کو دیکھئے اور عش عش کیجئے...

زمین سخت تھی اور جنگلی گھاس اور سرکنڈے جھیل کے کناروں تک جا رہے تھے۔ بہرحال میں نے خیمہ نصب کیا اور پھر کپڑے بدل کر اُسی ٹرام سٹاپ سے شہر واپس چلا گیا۔ جھیل کے ساتھ ساتھ جنیوا کی طرح یہاں بھی ایک سیر کرنے والی سڑک تھی جس کے دونوں طرف موسمی پھولوں کی کیاریاں تھیں... مانترے، لوزان اور جنیوا کی نسبت بہت چھوٹا تھا لیکن پُرسکون اور قدیم نفاست لئے ہوئے تھا۔ یہاں مکانکی ذرائع آمد و رفت کم تھے اور خاص طور پر جھیل کے کنارے چلتے ہوئے سوائے پانی کے اور کوئی شور آپ کے کانوں میں نہیں اترتا تھا... موسم ایسا تھا کہ میں ایک جین اور ایک گرم چیک شرٹ میں خنکی محسوس نہیں کرتا تھا... شہر میں اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد

میں نے ایک ریستوران سے اُن کا سستا ترین سینڈوچ خرید کر کھایا اور پھر ان کے غسل خانے میں جاکر پیٹ بھر کر پانی پیا اور سیر ہوا۔ جنیوا میں میرے ساتھ ایک ہاتھ ہوگیا تھا۔ سٹیشن کے قریب ایک ریستوران میں جب ویٹریس نے مجھ سے کھانے کے ہمراہ مشروب کی پسند دریافت کی تو میں نے پانی صرف اس لئے منگا لیا کہ میں پیسے بچانا چاہتا تھا۔ بل آیا تو اتنا ہی تھا جتنا کہ کوکا کولا وغیرہ ساتھ منگانے میں ہوتا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جی ایک تو یہ معمولی پانی نہیں تھا یعنی ٹیپ واٹر نہیں تھا بلکہ منرل واٹر تھا اور اس کے علاوہ اگر آپ ٹیپ واٹر بھی منگاتے تو سروس چارجز کے طور پر اتنی ہی رقم بن جاتی... اس کے بعد میں اگر کسی ریستوران میں جاتا تو کھانا میز پر اور پانی غسل خانے سے....

کھانے کے بعد صرف وقت گذارنے کی خاطر ایک سینما گھر میں چلا گیا جہاں ایک امریکی فلم فرانسیسی عبارت کے ساتھ دکھائی جارہی تھی۔ مجھے اس فلم کا نام یاد نہیں لیکن اس میں ایک لمحہ تھا جو میرے لئے بہت عجیب تھا... رابرٹ ویگنر جو اس کا مرکزی کردار تھا ایک خوش شکل نوجوان ہے جس کے عشق میں ایک بھولی بھالی خوبصورت لڑکی گرفتار ہے۔ بالآخر وہ لڑکی حاملہ ہو جاتی ہے اور ویگنر اسے دھوکا دے کر ایک بہت ہی بلند عمارت پر لے جاکر چھت سے گرانا چاہتا ہے... لڑکی اسی طرح پیار کی باتیں کرتی ہے اور ویگنر کے چہرے پر وہی ہوتا ہے جو اُس کے ذہن میں ہوتا ہے... ظاہر ہے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس رات خیمے میں مجھے ایک عجیب سا خواب آیا... ایک بلند عمارت... ایک حسین لڑکی اور میں اُسے چھت سے دھکا دینا چاہتا ہوں۔

اگلے روز مجھے مانترے سے اتنی وحشت ہوئی کہ میں نے اپنا خیمہ اور سامان وہیں چھوڑا اور ٹرین پر سوار ہوکر لوزان چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ اینے کی چھٹی کا دن

ہے چنانچہ میں سٹیشن سے سیدھا اُس کے کمرے میں پہنچ گیا... وہ مجھے دیکھ کر بے حد حیران ہوئی۔ اس نے خوشی کا اظہار بھی کیا لیکن اس میں بناوٹ تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ سلمان اور رنک وغیرہ لوزان سے واپس ہالینڈ جا چکے ہیں۔ میں نے کافی کا ایک پیالہ شکریئے کے ساتھ قبول کیا اور پھر ایک مناسب وقفے کے بعد اجازت لے کر چلا آیا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے کمرے سے باہر قدم رکھتے ہی اینے نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا ہوگا...

میں لوزان سے واپس مانترے آیا تو ابھی صرف بارہ بجے تھے... دراصل ہوا یہ تھا کہ لوزان میں اور جنیوا میں اتنا اچھا وقت گذارنے کے بعد مانترے میں مجھے کوئی ساتھی نہ ملا تھا اور میں بے حد بیزار ہو رہا تھا... چنانچہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اگلی صبح مانترے کو خدا حافظ کہہ دیا جائے... لیکن آج کیا کیا جائے؟... چلئے شاتو دی رشیاں دیکھا جائے یعنی رشیاں کا قلعہ جو جھیل لامن کے کنارے پانی میں کھڑا ہے۔

یورپ میں کسی بھی سیاح کی بربادی کے تین سامان ہوتے ہیں... ایک تو خواتین... لیکن بربادی کے اس سامان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی قربت کے لئے کچھ تردد کرنا پڑتا ہے اس لئے جس کو ہو جان و دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیوں .... دوسری اور تیسری بربادی کا نام ہے پرانے قلعے اور گرجے... یورپ کے ہر قصبے، ہر شہر اور ہر کھیت میں قلعہ ضرور ہوگا اور گرجا ضرور ہوگا اور یہ قلعہ اور یہ گرجا آپ کو بتایا جائے گا کہ بہت شدید تاریخی اور قدیمی ہے اور اس میں فلاں فلاں بادشاہ کے نوادرات اور فلاں سینٹ کے ملبوسات رکھے ہوئے ہیں اور انہیں اگر آپ نے نہ دیکھا تو جان من آپ نے کیا دیکھا... چنانچہ آپ اپنے بہترین وقت میں قلعے اور گرجے دیکھتے رہتے ہیں اور جب تیسری بربادی کا موقع آتا ہے تو اتنی دیر میں

آپ خود برباد ہو چکے ہوتے ہیں... اسی لئے میں ان ہر دو عمارات سے ذرا بچ کے نکل جاتا تھا.... میرا خیال تھا کہ شیاں بھی ایک ایسا ہی قلعہ ہوگا۔

شیاں ایک حفاظتی قلعے کی بجائے ایک پتھریلی رہائش گاہ لگتی ہے۔ شہر سے کچھ دور جھیل کے پانی میں ایستادہ اور ایک چوڑا راستہ جو زمین سے قلعے کی عمارت تک جاتا ہے۔ پرانے زمانوں میں ظاہر ہے اس راستے کی بجائے لکڑی کا پُل ہوگا جسے حملے کی صورت میں اُٹھا کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا جاتا ہوگا... اندر سے یہ عمارت اتنی وسیع تھی کہ سینکڑوں سیاحوں کی موجودگی میں بھی خاموش اور ویران لگتی تھی۔ مختلف کمروں کے بلند روشندان جھیل کی طرف کھلتے تھے اور ان میں سے دھوپ آتی تھی اور سامنے دیوار کے بالائی حصے کو روشن کرتی تھی.... ان میں سے کسی ایک کمرے میں میں بہت دیر تک بیٹھا رہا اور اس تنہائی کو محسوس کرتا رہا جو پتھروں اور دیواروں میں تھی... اس دوران سیاحوں کا ایک گروپ اپنے گائڈ کے ہمراہ ادھر آیا تو میں اُٹھ کر اُن میں شامل ہوگیا۔ گائڈ قلعے کی وہ تاریخ بتاتا رہا جو خاص طور پر سیاحوں کو خوش کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اور اس سے کسی کو کچھ نقصان نہیں ہو رہا تھا۔ نہ سیاحوں کو اور نہ تاریخ کو....

قلعے کے بالائی حصے دیکھنے کے بعد ہم نیم تاریک سیڑھیوں سے نیچے اُترے اور جوں جوں نیچے اُترے تاریکی اُوپر آتی گئی۔ یہاں چند کوٹھڑیاں تھیں۔ بے حد تاریک اور سرد۔ اُن میں کوئی روشندان نہ تھا۔

"تو جناب یہ ہے شیاں کے قیدی کی کوٹھڑی...." گائڈ نے بتایا۔

سب لوگ اس کی دیواروں کو یوں چھونے لگے جیسے یہودی دیوارِ گریہ کو عقیدت سے چھوتے ہیں۔

"شیاں کا قیدی؟" میں نے ایک امریکی سے دریافت کیا "وہ کون تھا؟"

"گاڈ" اس نے منہ کھول کر کہا "تم نہیں جانتے؟.... کیا تم نے لارڈ بائرن کی نظم "شیاں کا قیدی" نہیں پڑھی؟"

اس کے ساتھ ہی اس نے نظم کے کچھ مصرعے مجھے سنائے۔ شاعری والا خانہ میرا تھوڑا سا خراب ہے اور مجھے شعر وغیرہ یاد رکھنے میں خاصی دشواری پیش آتی ہے۔ اس لئے میں نے سر ہلا دیا کہ ہاں ہاں خوب یاد آیا وغیرہ لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آیا تھا۔ ہم کوٹھڑی میں چند ٹھنڈی سانسیں اور "اوہ کیا یہی جگہ ہے" اور "کتنی خوفناک" وغیرہ چھوڑ کر اوپر آگئے... صحن میں آئے تو میری نظر ایک بورڈ پر پڑی جس پر "چاٹو ڈی چیلون" لکھا تھا اور تب مجھ پہ کھلا کہ یہ تو "چیلون کا قیدی" والا قلعہ چیلون ہے۔ چونکہ ہم نے تو انگریزی طریقے سے ہی اسے پڑھنا تھا اس لئے شاتو دے شیاں کو "چاٹو ڈی چیلون" پڑھتے رہے اور جب کسی نے شیاں کہا تو ہم نے کہا ہم نہیں جانتے... اسی قلعے کی ایک کوٹھڑی میں لارڈ بائرن نے پتھر میں اپنا نام کھودا ہوا ہے۔ اسے حضرات کے ہاتھوں اور خواتین کے ہونٹوں سے بچانے کے لئے شیشے سے ڈھک دیا گیا ہے.... یہاں بھی یہ فرق نہیں پڑتا کہ کیا یہ دستخط اصلی ہیں.... نہ بائرن کو اور نہ اُن ہونٹوں کو جو اُس شیشے کو بھی چوم لیتے ہیں۔

شیاں کو بائرن کا قلعہ بھی کہا جاتا ہے۔

قلعہ سے باہر آنے پر حیرت ہوئی کہ یہ کونسی دنیا ہے جہاں کاریں ہیں اور جدید عمارتیں ہیں اور جھیل میں بادبانی کشتیوں کی بجائے موٹر بوٹس پانی کو چیرتی ہیں۔ قدامت ہمیشہ آپ کے اندر جذب ہو جاتی ہے اور دیر تک رہتی ہے اور اسی لئے میں جب پیدل چلتا ہوا سیر گاہ تک پہنچا تو ابھی تک کچھ کھویا ہوا تھا کچھ گُم تھا... میں ایک بنچ پر بیٹھ کر سامنے پھیلی ہوئی پُرسکون جھیل اس میں تیرتی کشتیوں۔ موٹر بوٹس

اور بڑے سٹیمرز کو دیکھنے لگا.... اس پُرکشش منظر کے باوجود تنہائی اور اداسی میرے اندر جڑیں مضبوط کرتی رہی... میں اس احساس کو سمجھنے سے قاصر تھا... کبھی مجھے رات کا خواب یاد آتا اور کبھی وہ تاریک کوٹھڑی جس میں بائرن کا قیدی بند تھا میرے سامنے ایک بوٹ کلب تھا جہاں سے کشتیاں کرائے پر ملتی تھیں۔ میں نے وقت گذارنے کی خاطر ایک چھوٹے سائز کی کشتی حاصل کی اور اسے کھیتا ہوا ساحل سے پرے ہو گیا۔ کشتی کے سرے پر ایک بانس تھا جس کے ساتھ ایک لالٹین لٹکی ہوئی تھی "اگر واپسی پر اندھیرا ہو جائے تو اسے روشن کر کے ٹانگ دینا" کلب کے کارندے نے کہا تھا۔

"لیکن میں اس کی ناکافی روشنی میں کیا دیکھ سکوں گا!" میں نے پوچھا تھا۔

"یہ تمہارے لئے نہیں بلکہ ان موٹر بوٹس کے لئے ہو گی جو اندھیرے میں تم پر سے گذر سکتی ہیں"

یہاں لوزان کی نسبت جھیل کا دوسرا کنارا نزدیک تھا۔ اگرچہ عمارتیں اور سڑکیں وغیرہ تو دکھائی نہیں دیتی تھیں لیکن کوئی قصبہ اُدھر تھا جو مدھم سا نظر آتا تھا...

اگر میں کشتی کھیتا اس کنارے پر چلا جاؤں تو؟

اور اس کنارے پر فرانس ہے....

یہ ایک عجیب خیال تھا جو میرے ذہن میں آیا اور پانی میں بھاری پتھر کی طرح بیٹھ گیا... یہ تجربہ کتنا مختلف ہو گا.... پاسپورٹ میرے پاس تھا اور اگر میں کشتی کو ایک مناسب رفتار سے کھیتا رہوں تو ایک ڈیڑھ گھنٹے میں دوسری طرف پہنچ سکتا تھا اور وہاں کنارے کو ہاتھ لگا کر شام سے پہلے پہلے واپس مانترے... اِس خیال نے مجھے پکڑ لیا... دوسرے کنارے پر جانا چاہیئے۔ میں مانترے سے خاصا دور ہو چکا تھا اور اب آہستہ آہستہ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ جھیل بہت بڑی ہے

اور میری کشتی ایک ذرّے کی حیثیت رکھتی ہے۔ چپوؤں والی کشتیاں مانترے کے کنارے کنارے چل رہی تھیں اور میں جہاں تک آ گیا تھا وہاں یا تو چند بادبانی کشتیاں تھیں اور یا دو تین موٹر بوٹس... مجھے پسینہ آ رہا تھا اور پانی کی ٹھنڈک مجھ تک آ رہی تھی... تھوڑی دیر کے بعد میں نے ستانے کے لئے اپنے ہاتھ روکے اور پسینہ پونچھتے ہوئے کشتی میں لیٹ گیا۔ سورج کی کرنوں میں ابھی حدت تھی اور میری آنکھیں بند ہونے لگیں لیکن میرے پاس اتنا وقت نہ تھا۔

اور دوسرا کنارہ وہیں پر تھا، قریب نہیں ہوا تھا... البتہ اُس قصبے کے نقوش کچھ واضح ہو رہے تھے جو فرانس میں تھا۔ تب میں نے خاصی دیر بعد پیچھے مڑ کر مانترے کی طرف دیکھا اور باقاعدہ برباد ہو گیا... اتنا نروس ہو گیا کہ چپو ہاتھ سے چھوٹنے لگے۔ وہاں جہاں مانترے ہونا چاہیئے تھا... وہاں کچھ اور تھا... دُھندلی سی چند پہاڑیاں تھیں اور کسی شہر کے آثار تھے۔ مانترے کا کوئی نقش کوئی عمارت واضح نہیں تھی... مجھے تو اب یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کس مقام سے کشتی کھیتا ہوا جھیل میں نکلا تھا اور اب وہ کونسی جگہ ہے جہاں وہ بوٹ کلب ہے جہاں مجھے واپس جانا ہے .... دوسرے کنارے پر جا کر واپس آنا ایک انتہائی احمقانہ منصوبہ تھا اور یہ بے حد مہنگا ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے فوری طور پر واپس جانے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اگر مجھے جھیل میں ہی رات ہو جاتی ہے تو صرف ایک گرم شرٹ میں مجھے آسانی سے نمونیہ ہو سکتا تھا اور ذرا کم آسانی سے اور بہت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

یُوں تو جھیل یہاں سکون سے تھی... اِدھر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی... کبھی کبھار کوئی موٹر بوٹ آ نکلتی ورنہ کشتیاں مانترے سے زیادہ دور نہیں جاتی تھیں کیونکہ اُن میں سوار لوگ کلاسیکی بیوقوف نہ تھے میری طرح ....

میں نے کشتی کا رُخ بدل کر اُسے مانترے کی جانب کیا اور چپو چلانے لگا...

اب یہ بہت بھاری لگ رہے تھے اور میرے بازو جیسے آہستہ آہستہ منجمد ہو رہے تھے۔ میری نظریں اُن پہاڑیوں پر جمی تھیں جن کے نیچے مانترے تھا لیکن دوری کی وجہ سے صاف نظر نہیں آتا تھا... اور شام بھی یوں اُتری جیسے گر پڑی ہو ساحل پر آہستہ آہستہ روشنیاں جلنے لگیں اور ان کے ساتھ ہی جو کچھ نظر آتا تھا وہ بھی غائب ہونے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں تھیں اور اُن پر جمی ہوئی میری متلاشی آنکھیں تھیں جن میں خوف کی نمی بھی تھی... میں نے لالٹین جلا کر اُسے بانس کے ساتھ لٹکا دیا...

میں شائد گم ہو چکا تھا... مجھے کچھ پتہ نہ تھا کہ میں کشتی کو کدھر لے جا رہا ہوں اور دور جو روشنیاں ہیں وہ مانترے کی ہیں یا کسی اور قصبے کی اور اگر مانترے کی ہیں تو کیا میں اسی کلب کی جانب جا رہا ہوں یا کسی اور طرف نکل جاؤں گا... تھکاوٹ مجھ پر بُری طرح غالب آ گئی اور میں ستانے کے لئے چپو چھوڑ کر بیٹھ گیا... سردی اپنا آپ دکھانے آ رہی تھی۔ بھوک نے بھی پیٹ کو سختی سے پکڑ لیا... ساحل پر ٹمٹماتی روشنیاں اور جھیل پر تیرتی کشتیوں۔ موٹر بوٹس اور سٹیمرز کی روشنیاں اب الگ الگ نظر آ رہی تھیں۔ سب کچھ ایک تھا۔ اندھیرا تھا اور اس میں روشنیاں تھیں۔ جھیل کے پانی کہاں ختم ہوتے تھے اور ساحل کہاں سے شروع ہوتا تھا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا... ایک رومانوی خیال ایک ڈراؤنے خواب میں بدل رہا تھا... پہلی موٹر بوٹ میرے قریب سے گذری تو ایک بھونچال سا آ گیا۔ میں نے بمشکل کشتی کو سیدھا رکھا وہ دکھائی نہ دی، بس تاریکی میں آئی اور مجھے جھنجھوڑ کر چلی گئی... میں نے چپو اٹھائے کہ سفر دوبارہ شروع کروں لیکن چپو بھاری ہو چکے تھے اور بازو شل ہو چکے تھے... مجھے صرف اپنی لالٹین دکھائی دے رہی تھی اور سیاہ پانیوں کا وہ حصہ جس پر روشنی پڑ رہی تھی۔ مجھ میں وہ تمام تر دہشت پھوٹتی تھی جو میدانوں کا باسی اتھاہ

تاریک پانیوں کے لئے رکھتا ہے... میں اتنا خوفزدہ ہو چکا تھا کہ اگر مجھے کہیں سے مدد ملنے کی اُمید ہوتی تو میں یقیناً زور زور سے رونے لگتا۔

میں کشتی چلا تو رہا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ کشتی چل رہی ہے یا وہیں ایک مقام پر کھڑی ہے۔

اس دوران دو مختلف موٹر بوٹس نے عین آخری لمحات میں میری لالٹین دیکھی اور مجھے جھنجھوڑتی ہوئی تاریکی میں نکل گئیں۔

شدید تھکاوٹ اور پسینے کے باوجود کوہِ الپس میں سے اُترتی ہوئی سرد ہوا مجھے ایک یخ بستہ غنودگی کی طرف لے جاتی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کُھلی رکھ رہا تھا یہ بھی ذہن میں آیا کہ کسی نہ کسی طرح رات گذار دوں تو صبح کے وقت ایک تو مجھے ساحل صاف دکھائی دے گا اور دوسرے شائد کوئی میری کشتی کو اپنی کشتی کے ساتھ باندھ کر مجھے کنارے تک لے جائے لیکن اس منصوبے میں قباحت صرف گرم کپڑوں کی تھی جن کی غیر موجودگی میں کشتی کھینے کی مشقت کے باوجود میں کپکپا رہا تھا تو نصف شب کے بعد یخ پانی پر تیرتے ہوئے کیا حشر ہوگا... اور اس کے علاوہ بھوک مجھے نڈھال کر رہی تھی... ایک مرتبہ میں نے جھیل کا پانی پینے کی کوشش کی لیکن وہ اتنا ٹھنڈا تھا کہ خالی پیٹ میں ایک کُند چھُری کی طرح گرا...

اور پھر مجھے ساحل کی روشنیوں میں سے ایک روشن دائرہ الگ ہوتا محسوس ہوا اور یہ شیآں کا قلعہ تھا جسے منور کیا گیا تھا۔ میں اس سے تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع بوٹ کلب سے نکلا تھا اور میری سمت تقریباً درست تھی... اُمید بندھی تو مجھ میں ہمت کے ساتھ ساتھ طاقت بھی آ گئی... البتہ ایک خطرہ تھا کہ ساحل کے قریب اس وقت خاصی تعداد میں موٹر بوٹس گھوم رہی تھیں اور وہ قدرے لاپرواہ ڈرائیوروں کے ہاتھوں میں تھیں۔ یوں بھی رات کے وقت عام کشتی تو ساحل سے الگ نہیں ہوتی

اس لئے پانی موٹر بوٹ دوڑانے کے لئے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ میں دعا کر رہا تھا کہ وہ بے شک عیش کریں لیکن خدا کے لئے میری ننھی مُنی لالٹین ضرور دیکھ لیں۔۔۔

جب میری کشتی بوٹ کلب کے پانیوں میں داخل ہوئی مونترے کے ساحل کے ساتھ یہ واحد جگہ تھی جہاں بے شمار بلب روشن تھے صرف اس لئے کہ اُن کی ایک کشتی واپس نہیں آئی تھی اور یہ روشنیاں اُس ایک کشتی کو راستہ دکھانے کے لئے تھیں۔۔۔۔ بوٹ کلب کے کارندے سرچ بوٹ بھیجنے کی تیاری کر رہے تھے۔۔۔۔

میں نے زمین پر قدم رکھا تو یوں لگا جیسے ایک پوری زندگی پانیوں پر گزار کر آیا ہوں اور شاید میں پیدا ہی کسی کشتی پر ہوا تھا اور زمین صرف ایک خیال تھی اور یہ پہلی مرتبہ میں اُس پر پاؤں رکھ رہا تھا۔۔۔

آئندہ زندگی میں کئی مرتبہ دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لئے سفر کیا۔۔ تکلیفیں برداشت کیں اور پھر اسی مقام پر واپس آ گیا جہاں سے چلا تھا۔۔ توبہ تائب ہوا کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا لیکن ایک مرتبہ پھر ادھر اس پار جانے کی خواہش بیدار ہو جاتی اور میں روانہ ہو جاتا۔۔۔۔ پھر وہی ہوتا جو میرے جیسوں کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔۔۔ واپسی اور تھکاوٹ۔۔۔ اور یہ کہ آئندہ نہیں جاؤں گا۔۔۔۔ لیکن جب تک جنوں کی کشتی پاس ہو اور بازوؤں میں طاقت ہو دوسرے کنارے کو دیکھنے کا جذبہ سرد نہیں ہوتا۔۔۔ پتہ نہیں دوسرا کنارہ ہے بھی یا نہیں۔۔۔ اگر ہے تو سب کو کیوں دکھائی نہیں دیتا؟

شاتو دے شیّاں اور مانترے کی جھیل ابھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے۔ میں جب بھی پلٹ کر دیکھتا تو وہ ایک منجمد منظر کی طرح دکھائی دیے جاتے۔ مانترے سے ایک سڑک سینٹ ماریس کی طرف جاتی ہے اور میں اُس پر پیدل چل رہا تھا۔ سڑک نسبتاً ہموار سطح پر تھی لیکن بیس تیس میل کے فاصلے پر بلند ایلپس میں گم ہو رہی تھی۔ اب تک میں نے سوئٹزرلینڈ کا صرف وہ حصہ دیکھا تھا جو تقریباً میدانی تھا لیکن مانترے سے آگے ایلپس کھڑے تھے اور ان میں کہیں ایک قصبہ سینٹ ماریس تھا جہاں مجھے جانا تھا۔ اور اگلے روز مجھے مارٹینی کے راستے سی آن تک پہنچنا تھا۔ سی آن سے آگے ذرمات تک صرف ٹرین جاتی تھی۔ اور ذرمات کے آگے صرف وہ جاتے تھے جنہیں کوہِ میٹر ہارن کی کشش بلاتی تھی۔ میٹر ہارن ایک ایسی چوٹی ہے جو دنیا کی دوسری چوٹیوں کی نسبت زیادہ اونچی تو نہیں لیکن اس میں ایک ایسی خاموش طاقت ہے جو پہاڑوں سے پیار کرنے والوں کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ آئیں اور اُسے دیکھیں اور اگر ہمت ہو تو اُس کو سَر کریں۔ میں نے میٹر ہارن کو ہزاروں تصویروں میں دیکھا تھا اور جب بھی دیکھا تھا سانس روک کر دیکھا تھا اور اب میں اُس کے پاس جانا چاہتا تھا۔

میں آج صبح نو بجے مانترے سے نکلا تھا اور ابھی تک پیدل چل رہا تھا اور حسبِ سابق مجھے کوئی لفٹ نہیں ملی تھی... چونکہ سڑک ہموار تھی اس لئے چلنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ ٹریفک تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی...

جھیل جنیوا کے کناروں پر سفر کرتے ہوئے مجھے روشنی اور سرخوشی کا احساس ہوا تھا لیکن اب میں الپس کی جانب چل رہا تھا اور اُدھر دُھوپ نہ تھی بلکہ ایک ٹھہری ہوئی بلند تاریکی تھی جو مجھے خوفزدہ کر رہی تھی... انجانے کا خوف مجھ پر حاوی ہوتا تھا لیکن ایسا نہیں کہ میرے قدم رُک جائیں... مجھے دو تین چھوٹی چھوٹی لفٹیں ملیں جو میرے فاصلے کو صرف پندرہ بیس میل کم کر سکیں... ہاں یہ ہے کہ اب پیچھے مڑ کر دیکھنے کے لئے کچھ نہ تھا کیونکہ شیاں کا قلعہ اور مونترے ماضی میں گم ہو چکے تھے... میں بلند الپس کے سائے میں آ رہا تھا۔

دو بجے کے قریب مشروبات کے سینکڑوں کریٹ کھینچتا ہوا ایک بہت بڑا ٹریلر میرے قریب آ کر رُکنے لگا اور بمشکل رُکا... ڈرائیور کی نشست کم از کم دس فٹ کی بلندی پر تو ہو گی۔ اس نے جرمن میں کچھ پوچھا اور میں نے پہاڑوں میں گم ہوتی سڑک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "سینٹ ماریس"۔ اس نے دروازہ کھول کر ہاتھ نیچے کیا اور میں نے اُسے پہلے اپنا رک سیک پکڑایا اور پھر سہارا لے کر خود اوپر چڑھ گیا۔ ڈرائیور کے برابر کی نشست خالی تھی اور بہت بڑی تھی۔ بلندی کی وجہ سے سڑک پر رواں دوسری ٹریفک کی صرف چھتیں نظر آتی تھیں اور اردگرد کا منظر بھی دُور تک دکھائی دیتا تھا۔ ٹریلر ایک دھچکے کے ساتھ سٹارٹ ہو گیا اور چند بوتلیں آپس میں ٹکرائیں۔

"میں غیر ملکی بیئر کے کریٹ جنیوا سے لا رہا ہوں" ڈرائیور نے بتایا "اور ہمیں اجازت ہوتی ہے کہ ہم سفر کے دوران جتنی بیئر پی سکتے ہیں مفت میں پی لیں... تمہیں بھی اجازت ہے کیونکہ خالی بوتل تو یہ نہیں بتائے گی کہ اسے ارنسٹ نے نہیں پیا بلکہ ایک ہندوستانی نے پیا ہے۔"

"پاکستانی"

"ہاں پاکستانی... ویلکم ابورڈ"

ارنسٹ اگرچہ ٹریلر ڈرائیور تھا لیکن خاصا پڑھا لکھا تھا۔ کہنے لگا تعلیم مکمل کر لینے کے بعد میں نے ایک دو نوکریاں کیں لیکن دفتروں میں، بند کمروں میں میرا جی نہ لگا... کچھ عرصہ ٹورسٹ گائیڈ کے طور پر کام کیا لیکن مجھے ٹِپ وصول کر کے تھینک یو کہنا اچھا نہیں لگتا تھا اس لئے وہ کام چھوڑ کر ایک فارم پر ملازم ہو گیا اور پھر چند ہفتوں کے لئے ٹرک ڈرائیونگ کی اور ایسی کی کہ گذشتہ بارہ برس سے یہی کام کر رہا ہوں اور بے حد خوش ہوں۔

"ٹرک ڈرائیونگ میں ایسی کونسی خاص بات ہے؟"

"آزادی" اس نے پاؤں میں رکھے کریٹ میں سے ایک بوتل اُٹھائی اور اُس کا ڈھکنا ڈیش بورڈ کے ساتھ نصب باٹل اوپنر سے کھول کر منہ کو لگا لی "میں زیادہ تر لمبے راستوں پر چلتا ہوں۔ مثلاً اوسلو سے روم تک۔ برلن سے استنبول تک اور کبھی کبھی تہران تک... یہ ٹریلر میرا گھر ہے۔ اس کے پیچھے ایک چھوٹا سا آرام دہ کمرہ ہے۔ لمبے راستوں پر ہم دو ڈرائیور ہوتے ہیں لیکن سوئٹزرلینڈ میں صرف ایک ڈرائیور سے کام چل جاتا ہے۔ یہ ملک اتنا مختصر ہے کہ چوتھا گیئر بڑی مشکل سے لگتا ہے۔"

دو حصوں پر مشتمل ٹریلر ایک اژدھے کی طرح پھنکارتا ہوا الپس کے پہاڑی سلسلے میں چلا جا رہا تھا اور ہم دونوں اُس کی دو آنکھیں تھے۔

شام ہونے سے پیشتر ہم سینٹ ماریس پہنچ گئے جو ایک درمیانہ سا قصبہ تھا لیکن بہت خالی خالی اور اداس لگ رہا تھا... ہم دونوں نے ایک ریستوران سے کافی پی اور ارنسٹ کو اس کی ضرورت بھی تھی کیونکہ اُس نے بیئر کا ایک کریٹ

خالی کر کے اس کی جگہ دوسرا رکھ لیا تھا...

"کیا یہاں کیمپنگ ہے؟" میں نے بوڑھی ویٹرس سے دریافت کیا۔

"نو کامپنگ" اس نے خوشگوار لہجے میں کہا "ہوٹل؟"

"نہیں نہیں میں ذرا غریب سا ہوں ہوٹل وغیرہ افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"سُنو" ارنسٹ نے اُٹھتے ہوئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا "تم نے دراصل وِسپ جانا ہے ناں ذرماٹ کے لئے... تو پھر یہاں کیا کرو گے میں اُدھر ہی تو جا رہا ہوں۔"

میں ایک مرتبہ پھر اس اژدھے پر سوار ہو کر اُس کی ایک آنکھ بن گیا۔

مارٹینی کے قریب ایک دریا نظر آیا "یہ کون دریا ہے؟"

"دریائے رہون" ارنسٹ نے بتایا۔

"وہی جو جنیوا کے قریب جھیل میں گرتا ہے؟"

"یہ تو مانترے سے چند میل ادھر اُس جھیل میں گرتا ہے۔ جنیوا کی طرف تو نہیں جاتا۔"

"تو پھر وہ کونسا دریا ہے جس میں مَیں رہون سمجھ کر نہاتا رہا ہوں؟"

"پتہ نہیں نہاتے تم رہے ہو تمہیں پتہ ہونا چاہیئے.... ویسے میں ٹھیک طرح سے یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ دریا مانترے کے قریب جھیل میں گرتا ہے یا اس میں سے نکلتا ہے.... میرا خیال ہے ہمیں ٹریلر روک کر دریا کو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ یہ جا رہا ہے یا آ رہا ہے.. اور اگر آ رہا ہے تو نکلتا ہے اور اگر..؟" ارنسٹ مناسب حد تک بہک چکا تھا لیکن اس کے باوجود وہ ٹریلر کو بالکل درست طریقے سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

رسی آن پہنچے تو اندھیرا چھا چکا تھا اور اس اندھیرے میں فٹ پاتھوں اور سڑک پڑتی روشنیاں چمک رہی تھیں کیونکہ یہاں بارش ہو رہی تھی... ہم ڈرائیونگ

کیبن کی عافیت میں بند رسی آن پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالتے ہوئے گذر گئے۔ بارش کی شدت میں تیزی آ رہی تھی.... میں نے رُک سیک میں سے جیکٹ نکال کر پہن لی۔ رات میں گم الپس کے آغوش میں بجلی کی ایک بجھی ہوئی لہر کبھی کبھار دوڑ جاتی۔ ہم پتہ نہیں کہاں کہاں سے گذر رہے تھے اور کہاں جا رہے تھے... ارنسٹ تو جا چکا تھا وہ پتہ نہیں کن کن زبانوں میں کیا کیا گا رہا تھا اور بے حد خوش تھا...

بارش رُکی اور پیچھے رہ گئی۔

وِسپ کے باسی سونے کی تیاری کر رہے تھے جب ہمارا ٹریلر اُس کے ایک پُرسکون بازار میں رُکا۔ دکانوں پر آویزاں نیون سائن تاریک ہو رہے تھے اور ٹریفک سے یکسر خالی ایک چوک کی ٹریفک لائٹس بڑے اہتمام سے جل بُجھ رہی تھیں... ارنسٹ نے اپنی پاور بریکوں پر پاؤں دبا دیا۔

میں نے رُک سیک اٹھایا اور ڈرائیونگ کیبن سے آہستہ آہستہ نیچے اُتر آیا.. ارنسٹ بھی نیچے آ گیا "مجھے بھوک لگی ہے.... اس سے پیشتر کہ تم اپنی پہاڑی دیکھنے کے لئے چلے جاؤ آؤ کہیں سے کچھ کھا لیں۔"

ہمیں کہیں سے کچھ نہ ملا۔ سٹور تو بند ہو چکے تھے اور کافی ہاؤس وغیرہ مل نہیں رہے تھے۔

"تم یہاں سے ٹرین میں سوار ہو کر ذرماٹ جاؤ گے اور وہاں سے میٹرہارن کی زیارت کرو گے.... ٹھیک؟" ارنسٹ کا سانس پھول رہا تھا اور سفید ہو رہا تھا کیونکہ یہاں خاصی سردی تھی۔ جھیل لامن کی نسبت یہ برفانی موسم تھے "تو اب اس وقت تم رات کہاں بسر کرو گے؟"

"میں سٹیشن پر چلا جاؤں گا۔"

"یہاں چھوٹے قصبوں کے سٹیشن گاڑی کے آنے یا جانے پر کھلتے ہیں اور پھر

بند کر دیئے جاتے ہیں اب بولو کہاں جاؤ گے؟ میں سوئٹزر لینڈ کے صدر مقام برن جا رہا ہوں۔ صبح تک ہم وہاں ہوں گے۔ تم بھی آجاؤ۔"

"نہیں میں سینگ کی شکل کی چوٹی میٹر ہارن ضرور دیکھوں گا اور اس کے دامن میں پوشیدہ الپائن قصبے اور پھول اور۔۔۔"

"ٹھیک ہے ضرور دیکھو۔۔۔ اچھا خدا حافظ" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر مجھے کندھے پر تھپکی دے کر چلنے لگا۔۔۔ میں نے فوراً ہی تیز ترین سوچ کا مظاہرہ کیا اور اپنے آپ سے چند سوالات پوچھے۔۔۔ وسپ کے باسی تو اپنے گرم بستروں میں سو چکے تم کہاں سوؤ گے؟۔۔۔ پتہ نہیں۔۔۔ کیا کوہِ میٹر ہارن آئندہ چند روز میں غائب ہونے والی ہے اور اگر نہیں تو پھر دیکھی جا سکتی ہے کہ نہیں؟۔۔۔ ہاں۔۔۔ یعنی میٹر ہارن کو اگلے برس بھی تو دیکھا جا سکتا ہے۔۔۔ ہاں۔۔۔

"ارنسٹ۔۔۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا" میں نے نعرہ لگایا۔

ارنسٹ رُکا نہیں چلتا رہا اور میں اپنا رُک سیک اٹھائے اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ کوہِ الپس میں رُکی ہوئی رات میں ہمارا سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔

"ویسے میں تمہاری جگہ ہوتا تو بے شک وسپ میں ساری رات مجھے فٹ پاتھوں پر چلنا پڑتا لیکن میں وسپ چھوڑ کر نہ جاتا" ارنسٹ مسکرایا۔

"کیوں؟"

"وہاں سے زرمات کو راستہ جاتا ہے۔ اور زرمات ایک ایسا قصبہ ہے جسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ سچ مچ ہے۔ لگتا ہے کہ خیال ہے اور اُس کے پس منظر میں اُبھرتی ہوئی میٹر ہارن کو دیکھ کر انسان مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"ارنسٹ کیا تم مجھے ابھی اور اسی وقت یہاں اتار سکتے ہو میں وسپ واپس جانا چاہتا ہوں" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں اب بہت دیر ہو چکی۔۔ پھر کبھی آ جانا ابھی بہت عمر پڑی ہے۔"

لیکن میں پھر کبھی بھی نہ جا سکا۔۔۔ میں متعدد بار سوئٹزر لینڈ گیا اور ہر مرتبہ میرے منصوبوں میں سرِ فہرست زرمات ہوتا اور میٹر ہارن ہوتی لیکن کبھی میں قریب سے گزر گیا۔ کبھی میرے پاس وقت کی کمی ہوتی اور کبھی میں بیمار ہوتا اور یوں میں آج تک وہاں نہیں جا سکا۔

"تم نے وسپ میں مجھے یہ سب کچھ کیوں نہ بتا دیا؟"

"وہاں بتاتا تو تم چلے جاتے۔ میری خواہش تھی کہ تم میرے ہمراہ برن تک چلو۔۔۔ میں اکیلا ڈرائیو کرتا کرتا بور ہو جاتا ہوں اور تم اچھی کمپنی ہو۔"

شاید میں سو گیا۔۔۔

آنکھ کھلی تو ابھی رات تھی اور ارنسٹ بڑے اطمینان سے ٹریلر چلائے جا رہا تھا۔

"برن کیسا شہر ہے ارنسٹ؟"

"پتہ نہیں۔ میں تو اپنا کارگو کمپنی کے حوالے کرنے کے بعد واپس جنیوا چلا جاؤں گا۔ مجھے سوئٹزر لینڈ کے صرف فرانسیسی حصے پسند ہیں۔ برن جرمن ہے اور میرے لئے بے حد کرخت ہے۔۔۔ تم کہاں ٹھہرو گے؟"

"کہیں بھی"

ایک جھیل قریب آ گئی۔۔۔ ہم اس کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ کہیں کہیں کوئی روشنی تھی۔

"یہ جھیل برنیز ہے۔۔۔ اور اُس کے ساتھ جھیل تھُن شروع ہو جائے گی۔ دونوں جھیلوں کو ایک نہر آپس میں ملاتی ہے اور اس کے آس پاس انٹرلاکن کا شہر ہے۔۔۔" ارنسٹ نے بتایا۔

انٹرلاکن کا نام میں سیاحتی کتابچوں میں دیکھ چکا تھا اور تصویروں میں یہ شہر بے حد دیدہ زیب لگتا تھا۔ "انٹرلاکن کیسا ہے؟"

"ہوں؟" ارنسٹ نے میری طرف دیکھا "ہاں... تم نے انٹرلاکن نہیں دیکھا؟"

"بابا میں تو پہلی مرتبہ اس ملک میں آیا ہوں۔"

"تو پھر تم یہیں اترو گے...۔"

"لیکن ابھی تو رات ہے۔"

"میں تمہیں دونوں جھیلوں کو ملانے والی نہر کے کنارے واقع ایک کیمپنگ سائٹ پر اُتار دوں گا تم وہاں خیمہ لگا کر رات گذار لینا...۔"

"اِس وقت؟" میرا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ ڈرائیونگ کیبن میں سے باہر نکلوں اور باہر اندھیرا ہو اور سردی ہو۔

"میں تو تمہیں برن تک لے جانے کو تیار ہوں... لیکن انٹرلاکن..۔" وہ خاموش ہو کر ڈرائیو کرنے لگا۔ جھیل کے بالکل ساتھ پہاڑ تھے اس پر جُھکے ہوئے اور اُن پر گھر تھے... تاریکی کے باوجود وہ دکھائی دیتے تھے جیسے جھیل کے پانیوں سے کچھ چمک پا کر وہ دکھائی دیتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جھیل برنیز کا پانی پیچھے رہ گیا۔

"ابھی ہم نہر عبور کر کے دوسری جانب جائیں گے اور جھیل تُھن کے ساتھ ساتھ سفر کریں گے... یہ بائیں ہاتھ پر وہ کیمپنگ سائٹ ہے۔" اس نے باہر دیکھا۔

باہر وہی نیم تاریکی تھی اور اُس میں کچھ خیمے تھے...

"ارنسٹ" میں نے اُس کے بازو کو تھام کر کہا "لفٹ کے لئے شکریہ میں یہیں اُتر دوں گا۔"

اُس نے پاور بریکوں پر پورا وزن ڈال دیا۔

ارنسٹ کے ٹریلر کی عقبی روشنیاں اندھیرے میں دور ہو رہی تھیں... شاید میں

درختوں کے کسی جھنڈ کے قریب اُترا تھا... دور کچھ نظر آتا تھا... میں نے رُک سیک اٹھایا اور چلنے لگا... ایک چھوٹی سی عمارت کے باہر ایک بلب روشن تھا... وہاں کوئی نہ تھا.. عمارت کے قریب خیمے اور کاروان ایک ڈھلوان سطح پر جُھکے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک راستہ تھا۔ میں اس پر چلتا رہا اور پھر تاریکی قدرے کم ہوئی... آسمان نظر آتا تھا۔ جہاں خیمے ختم ہو رہے تھے ان سے پرے ایک سرسبز ڈھلوان پر میں نے اپنا رُک سیک رکھا اور خیمے کا تھیلا کھول کر اُس میں سے میخیں، راڈ اور خیمے کا کپڑا نکال کر زمین پر بچھا دیا۔

پہاڑوں کی تاریک رات میں مَیں نے اپنا خیمہ ٹٹول کر نصب کیا۔

کیمپنگ سائٹ میں خاموشی تھی اور پانی کے چلنے کی سرگوشی اور ایک ہوا جس میں برف کی خنکی تھی۔

اُس رات نیند بہت کم آئی... تاریکی کی وجہ سے میں نے اپنا خیمہ ایک ایسی ڈھلوان پر نصب کر لیا تھا جس پر لیٹنے سے میں آہستہ آہستہ کھسکتا رہتا اور بالآخر میرے پاؤں خیمے سے باہر جھانکنے لگتے۔ اگر میں رُخ بدلتا تو پاؤں اتنے اوپر ہو جاتے کہ سارا خون سر کی جانب دوڑتا اور نیند نہ آتی...

صبح کی روشنی ابھی پھیلنے کو تھی کہ میں اپنے خیمے سے باہر آگیا۔

اور سامنے ینگ فرو کی برفپوش چوٹی تھی... یہ نہیں کہ وہ بالکل سامنے تھی بلکہ وہ تو نہر کے پار ایک میدان کو عبور کر کے انٹرلاکن کے شہر سے دور تھی لیکن خیمے سے باہر نکلتے ہی وہ اس طرح سامنے آجاتی جیسے بالکل پاس ہے اور اگر انسان کو اس کی برف درکار ہو تو ہاتھ بڑھا کر ایک مُٹھی تو لے سکتا ہے... جھیل برنیز اور جھیل تُھن کو ملانے والی نہر کی سطح گھاس کے میدان کے برابر تھی چنانچہ وہ نہر نہیں لگتی تھی کہ نہر تو کناروں کے اندر ذرا نیچے ہوتی ہے اور یہ گھاس کے ساتھ

ہی بچھی ہوئی تھی۔ کیمپنگ کی عمارت تو سڑک کے قریب تھی لیکن اس کا رقبہ دور تک پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اور سب سے آخر میں میرا خیمہ ڈھلوان پر ترچھا ہو رہا تھا اور ذرا بیوقوف سا لگتا تھا لیکن یہاں میں بالکل کھُلی فضا میں تھا اور میرے آس پاس سیّاحوں کا شور نہ تھا بہتی نہر کی مدھم آہٹ تھی۔۔۔ خیموں کا یہ قصبہ ہنوز خوابیدہ تھا۔ ایک کاروان شائد کسی طویل مسافت کے لئے پھاٹک سے باہر نکل رہا تھا۔

نہر تھی۔ ادھر گھاس کا میدان تھا اور پھر ایک سفید پنج تھا اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔

میں اپنے خیمے میں داخل ہوا اور سو گیا۔

دوپہر کے قریب بیدار ہوا۔ کیمپنگ کے باتھ رُوم میں اپنے آپ کو ذرا صاف ستھرا کیا اور پھر ریستوران میں چلا گیا جہاں بیشتر سیّاح اپنی لائی ہوئی خوراک وہاں سے خرید کردہ مشروبات کے ہمراہ کھا رہے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی ایپرن باندھے گھُوم رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو اُسی طرح گھومتی میرے پاس آ گئی۔

"بیٹھے" اُس نے جُھک کر کہا۔

"میں کچھ کھانا پسند کروں گا،"

"کیا؟" اُس نے انگریزی میں کہا۔

"کوئی کھانے کی چیز۔۔۔"

"ایک منٹ انتظار کرو" وہ چُٹکی بجا کر کیشیئر لڑکی کے پاس گئی اور کاؤنٹر پر رکھا ہوا واحد مینو کارڈ اُٹھا لائی۔

اس پر جن خوراکوں کے نام تھے وہ سب کی سب بے حد شریف اور بدمزہ تھیں۔ اِن میں کوئی بھی چٹخارے والی اور مزے دار نہ تھی۔۔۔ مثلاً ایپل پائی۔ اُبلا ہوا بیف اور کچھ سینڈوچ وغیرہ "کچھ بھی لے آؤ" میں نے مینو اُسے تھماتے ہوئے کہا۔"

وہ تھوڑی دیر میں آئی اور ایک ایسی مچھلی کے چند ٹکڑے میرے سامنے رکھ گئی جو ابھی تک پانی میں تیر رہی تھی یعنی اُس اُبلی ہوئی یا تلی ہوئی مچھلی میں سے اب بھی پانی برآمد ہو رہا تھا۔

"کیا آپ کے پاس چاول وغیرہ نہیں ہیں؟"

"رائس؟" وُہ اِس لفظ کو چباتے ہوئے بولی "نہیں نہیں۔۔"

میں نے اپنے تھیلے میں سے ڈبل روٹی نکالی اور اس گیلی مچھلی کو اُس میں لپیٹ لپیٹ کر کھانے کی کوشش کرنے لگا۔۔۔۔ اس کے ساتھ میں نے میز پر وہ کتابچے پھیلا دیئے جن میں انٹرلاکن اور اس کے نواحی علاقوں کا ذکر تھا اور اُن کی رنگین تصاویر تھیں۔ اِن میں ایک قصبہ میورن نام کا بھی تھا جو ینگ فرو کی سفید چوٹی کے بالکل دامن میں تھا اور اس کی ڈھلوانوں پر الپائن پھولوں کی چادریں بچھی رہتی تھیں۔۔۔ اس قصبے کی تصویروں نے مانچسٹر کی سرد شاموں میں مجھے اُس لمحے کے لئے گم رکھا جب میں پہلی مرتبہ اُس کی بے پناہ سرسبز اور برفانی خوبصورتی دیکھوں گا۔۔۔ نقشے کے حساب سے تو یہ انٹرلاکن سے زیادہ دور نہیں تھا۔ راستے ہی میں لُوٹے برُونن کی آبشاریں تھیں یعنی ایک ٹکٹ میں دو مزے۔ مچھلی نگلنے کے بعد میں واپس خیمے میں آیا اور اپنے چھوٹے تھیلے میں ضرورت کی چند اشیاء ڈال کر کیمپنگ سے باہر آ گیا۔ نہر پر ایک پُل تھا۔ اس کے پار انٹرلاکن شروع ہوتا تھا۔ یہ شہر واقعی دیکھنے کے لائق تھا۔۔ جیسے رنگین پکچر پوسٹ کارڈوں کی البم ہو۔ اِس کے مکان۔ ریستوران پارک بے حد نفیس تھے اور سجے ہوئے تھے۔ ایک بڑے پارک میں ایک بہت بڑی گھڑی تھی جو پھولوں سے بنائی گئی تھی۔۔۔۔ اِس بے پناہ دلکشی کے باوجود مجھے یہاں ایک ایسی اُداسی کا احساس ہوا جو صرف مرگ میں ہوتی ہے۔۔۔۔ اور یہ اُداسی سوئٹزرلینڈ کے اکثر شہروں میں ہے۔ شائد مکمل ترتیب اور آسمانی صفائی اور نہر

شے میں تنظیم کی وجہ سے میرے ایسے بے ترتیب اور بکھرے ہوئے انسان کو ایسا محسوس ہوتا ہو لیکن انٹرلاکن میں اور بیشتر الپائن قصبوں میں مجھے اس خوف کی خوبصورتی کا احساس ہوا جیسے ابھی ابھی کوئی بہت ہی لرزہ خیز سانحہ ہوا ہے اور پورے شہر کو اس کا علم ہے لیکن آپ کو کوئی نہیں بتا رہا کہ کیا ہوا ہے۔

میں ایک بس پر سوار ہو کر شہر سے باہر ینگ فرو یعنی نوجوان دلہن کی چوٹی کی جانب آگیا۔ آخری سٹاپ پر اتر کر میں نے اس سڑک کو دیکھا جو اوپر ہی اوپر اٹھتی جا رہی تھی اور جو بالآخر میورن کے قصبے تک پہنچتی تھی..... یہیں سے ایک راستہ گرنڈل والڈ کے انتہائی دیدہ زیب قصبے کی طرف بھی جاتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میورن زیادہ دور نہیں اس لئے میں لفٹ حاصل کر کے وہاں پہنچوں گا۔ ایک دو گھنٹے سیر کروں گا اور اگر رہائش کا کوئی سستا بندوبست ہو گیا تو شب بسری کے بعد اگلی صبح واپس اپنی کیمپنگ میں آجاؤں گا..... میرا یہ جو منصوبہ تھا اسے خیالِ خام بھی کہتے ہیں۔ میں اس بس سٹاپ پر کھڑا سوکھ گیا لیکن بلندی کی جانب رینگتی ہوئی کار میرے لئے نہ رکی۔ سورج تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ دو تین گھنٹے کے بعد ایک ٹریکٹر ٹرالی والے نے مجھ پر کرم کیا اور مجھے اپنی ٹرالی پر بیٹھنے کی اجازت دے دی... وہ مجھے لوٹے برونن تک لے گیا۔

ایک انتہائی بلند چٹان میں سے ایک درمیانے درجے کی آبشار نیچے سڑک تک آرہی تھی۔ آبشار کے آس پاس چٹان میں سیڑھیاں تھیں تاکہ آپ اس آبشار کے "عنقریب" ہو سکیں اور اس عنقریبی کے لئے ایک مناسب رقم کا ٹکٹ خریدنا پڑتا تھا..... یورپ میں سوائے کچھ آرٹ گیلریز کے آپ کچھ بھی دیکھیں اور کہیں بھی دیکھیں آپ کو اس کے لئے کچھ نہ کچھ جیب سے نکالنا پڑتا ہے... یہ چاہے کسی بزرگ اولیاء کی قبر ہو۔ کوئی مشہور گرجا ہو۔ پرانا محل ہو۔ شاندار پارک ہو آپ ٹکٹ خریدیئے

اور جایئے۔ کئی مرتبہ آپ کو ٹکٹ در ٹکٹ خریدنا پڑتا ہے۔ مثلاً آپ ایک گرجے میں ٹکٹ خرید کر داخل ہو گئے۔ اب اسی گرجے کے اندر ایک چیپل ہے جس میں کوئی مشاہکار قسم کی منقش چادریں ٹنگی ہوئی ہیں تو اُن کے لئے الگ ٹکٹ ہوگا اور اگر آپ فلاں سینٹ کے نوادرات دیکھنا چاہتے ہیں تو الگ ٹکٹ..... بہرحال میں نے ٹکٹ خریدا اور آبشار کے ساتھ ساتھ چٹان میں کھدی ہوئی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر تک چلا گیا... میں نے ذرا شتابی سے اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی اور بقول کسے نظارے کئے اور پھر نیچے اُتر آیا....

اب مجھے ایک ایسی لفٹ کی خواہش تھی جو مجھے میورن تک لے جائے اور اِس خواہش پر دم نکلنے کے علاوہ اور سب کچھ نکل گیا۔ ایک تو وہاں کھڑے رہنے سے کچومر نکل گیا کیونکہ یہاں بھی لفٹ نہیں مل رہی تھی... لوٹے برونن کی آبشار کے سامنے سڑک کے کنارے میں کھڑا رہا.... قریب ہی ایک اوپن ایئر کافی بار تھا اور اس کے پہلو میں کار پارک واقع تھا۔ سیاح جو انٹرلاکن سے آتے تھے یہیں پر اپنی کاریں پارک کر کے آبشار دیکھنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب جب آئے تو مجھے دیکھا اور جب آبشار دیکھنے کے بعد جانے لگے تو بھی مجھے دیکھا اس لئے کہنے لگے "اوپر میورن کی طرف اس وقت بہت کم لوگ جاتے ہیں کیونکہ شام ہونے والی ہے.... انٹرلاکن واپس جانا ہے تو آ جاؤ۔"

"آگیا" میں فوراً اس سفید فام فرشتے کی کار میں سوار ہو گیا۔

کیمپنگ میں اکا دکا بلب روشن تھے۔ ریستوران کی کھڑکیاں کھلی تھیں اور وہاں گہما گہمی کا احساس ہوتا تھا لیکن میں اندر نہیں گیا۔ سلیپنگ بیگ کے اندر گھس کر ذرا کمر سیدھی کی تو معلوم ہوا کہ کمر ہے کہ کھسکتی چلی جا رہی ہے یعنی ڈھلوان کی وجہ سے یہ معاملہ ہو رہا تھا۔ مانچسٹر سے روانہ ہوتے وقت میں نے ایک چھوٹا سا

لیمپ بھی خریدا تھا جو بیٹری سے چلتا تھا۔ اس میں دو رنگ تھے ایک عام دُودھیا اور دوسرا سُرخ ... دودھیا روشنی میں ڈائری لکھتا اور اس کے بعد لیٹ کر جب ذہنی آوارگی شروع ہوتی تو سُرخ روشنی والا بٹن دبا دیتا۔۔

اب روشنی سُرخ تھی اور میں اداس اور بے چین محسوس کر رہا تھا۔۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ وہ عمر تھی جب اداسی اور بے چینی آپ کے نسوں میں ابلتی ہے۔ آپ اس کا جواز نہیں جانتے لیکن یہ آپ کو اپنے ساتھ لپیٹتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہوتی اور آپ کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ ہر شے زہر لگنے لگتی ہے۔ کسی کا اعتبار نہیں نہیں رہتا۔ یقین ہو جاتا ہے کہ سب لوگ آپ کو ناپسند کرتے ہیں اور آپ دُنیا کی مظلوم ترین مخلوق ہیں۔ رونے کو جی چاہتا ہے اور جو بھی گیت سنتے ہیں وہ آپ کو اُداس کرتا ہے۔ تمام غمگین شاعری صرف آپ کے لئے ہوتی ہے۔۔۔۔ اس بے جواز اور بے سبب اُداسی کا کوئی نام نہیں۔۔۔ اگر کوئی نام ہے تو اُس خون میں ہوگا جو بیس برس کے لگ بھگ نوجوانوں کے بدنوں میں سنسناتا ہے اور انہیں گرم کرتا رہتا ہے۔ اور میں اُن دنوں اسی عمر میں تھا اور اسی لئے اداس اور بے چین محسوس کر رہا تھا۔۔۔ یوں بھی جنیوا اور لوزان میں مجھے رفاقت ملی اور وہ دن یادگار رہے اور مانٹرے میں مَیں اکیلا رہا تو بیزار رہا۔۔۔۔ انٹرلاکن بھی مجھے بہت مردہ لگ رہا تھا حسین تھا لیکن اس میں جان نہیں تھی۔ وہ زندگی نہیں تھی جو مجھے رُکنے پر مجبور کر دیتی ۔۔۔۔ اس لئے میں نے کوچ کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے یہاں سے کہاں جانا تھا؟ یہ تو وہ ڈرائیور بتائے گا جو مجھے کل لفٹ دے گا مجھے کیا پتہ۔۔۔

اگلی صبح میں نے خیمہ سمیٹا۔ رُک سیک پر باندھا اور کیمپنگ کے دفتر کی جانب چل دیا تا کہ اپنا پاسپورٹ اور انٹرنیشنل کیمپنگ کارنے حاصل کرنے کے بعد سفر دوبارہ شروع کر دوں۔۔۔ راستے میں ریستوران تھا اور میں اس خیال سے کہ اب جانے

گرم خوراک کب نصیب ہو کچھ کھا لینے کے لئے اندر چلا گیا۔

”بیٹھئے“ وہی لڑکی پھر نمودار ہو گئی۔

”کھانے کے لئے کیا ہے؟“

”سوائے میرے ہر شے“ اس نے خوشدلی سے کہا۔

”میرے خیال میں مجھے اتنی بھوک نہیں ہے کہ میں تمہیں کھا لوں اس لئے کچھ اور۔۔ اور ہاں مینو لانے کی زحمت نہ کیجئے گا کچھ بھی لے آیئے۔“

میرے منع کرنے کے باوجود وہ مینو لے آئی۔

” ایک نظر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے“ وہ مسکراتی تھی اور کچھ چھپاتی تھی“ اور خاص طور پر یہ۔۔۔“ اس نے مینو کی آخری سطر پر انگلی رکھ دی۔

چھپے ہوئے مینو کارڈ کے نیچے ایک سطر ٹائپ کی گئی تھی ”صرف پاکستانی مسافر کے لئے۔۔ اُبلے ہوئے چاول اور ہنگیرین گولاش“

”کیا واقعی؟“ میری باچھیں کھل گئیں کیونکہ چاول ہوں اور ان کے ساتھ چاہے سبزی اور گوشت کا ملغوبہ ہنگیرین گولاش ہی کیوں نہ ہو یہ تو ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔

” ہاں بالکل۔۔۔“ اس نے گردن کو ذرا ٹیڑھا کیا ” خصوصی خوراک صرف آپ کے لئے“

”لے آیئے“ میں نے خوش ہو کر کہا۔

وہ چاول اُبلے ہوئے کچھ زیادہ تھے اس لئے انہیں بآسانی کھیر بھی کہا جا سکتا تھا اور ان میں لیس اتنی زیادہ تھی کہ پتنگیں بھی جوڑی جا سکتی تھیں۔ اور گولاش تو تھا ہی گولاش۔۔۔۔ بہر طور یہ کل والی گیلی مچھلی کی نسبت ایک شاہانہ خوراک تھی جسے میں کھاتا رہا اور ساتھ ساتھ وٹیرس لڑکی کی طرف اُس فقیر کی طرح دیکھتا رہا جو خوراک ملنے پر اپنا

تمام تر جذبۂ تشکر اپنی آنکھوں میں لاتا ہے اور بے وجہ مسکرا مسکرا کر سر ہلاتا رہتا ہے...

"یہ یقیناً ایک انتہائی خصوصی توجہ تھی" کھانے سے فارغ ہو کر میں نے ویٹرس کا شکریہ ادا کیا۔

اس نے جواب میں کچھ کہا نہیں صرف مسکراتی رہی اور کاؤنٹر کی طرف دیکھتی رہی۔

میں بل کی ادائیگی کے لئے کاؤنٹر پر گیا تو کیشیئر لڑکی نے اپنے آگے رکھے کیلکولیٹر پر انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھا "کیا آپ کو اپنے ملک کی خوراک پسند آئی؟"

"جی ہاں.... لیکن وہ اتنی ملکی بھی نہ تھی...."

"کیا آپ لوگ چاول نہیں کھاتے؟...."

"جی ہم لوگ چاول بھی کھاتے ہیں لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"اس لئے کہ میں نے باورچی سے درخواست کی تھی کہ وہ آپ کے لئے خصوصی طور پر چاول اُبالے گولاش کے ساتھ اور پھر آپ کی آسانی کے لئے میں نے مینو پر ٹائپ کر دیا تھا۔"

"آپ نے؟" میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا "لیکن...."

"آپ کل بھی اس خوراک کو مینو پر پائیں گے" اس نے کاروباری انداز میں کہا۔

"کل؟" میں مسکرا دیا "شکریہ لیکن میں تو کل یہاں نہیں ہوں گا... میں تو ابھی جا رہا ہوں۔"

"نہیں آپ نہیں جا سکتے..." اس کا لہجہ بے حد کرخت تھا لیکن فوراً ہی وہ بالکل نرم پڑ گئی اور تقریباً ہکلا کر کہنے لگی "میرا مطلب ہے آپ نے یہ شہر مکمل طور پر تو دیکھا ہی نہیں، ہم سوس بھی برنیز اوبرلینڈ کو ملک کا خوبصورت ترین حصّہ قرار دیتے ہیں۔"

"میں نے نہ صرف یہ کہ آپ کا شہر انٹرلاکن دیکھا ہے بلکہ میں لُوٹے برونن

کی آبشار بھی دیکھ آیا ہوں اور فلاور کلاک کے سامنے کھڑے ہو کر ایک تصویر بھی اُتروا چکا ہوں... بہرحال شکریہ..."

میں نے جھک کر رُک سیک کو سٹریپ سے پکڑ کر اٹھایا اور کاندھے پر ڈال لیا۔

میں ریستوران کے دروازے تک پہنچا تو وہ کاؤنٹر سے باہر نکل کر تیزی سے چلتی ہوئی میرے قریب آ چکی تھی... سیاہ بال اور آنکھیں ایک تاریک گہرائی جو کبھی نہیں چمکتی۔ ہمیشہ بجھی رہتی ہے.... اس کے خدوخال سوس کی بجائے اطالوی تھے اور رنگت بھی برف سفید کی بجائے گاڑھے الپائن دودھ ایسی... وہ قدرے چھوٹے قد کی تھی اور... اتنی صحت مند تھی کہ انسان دیکھتے ہوئے شرمندہ سا ہو جاتا تھا۔ اس معاملے میں وہ بے قابو سی لگتی تھی۔ شائد وہ مجھ سے عمر میں بھی دو تین سال بڑی تھی... اس کی شکل بے کشش تھی اور وہ کچھ بجھی ہوئی تھی... اُس کے ہونٹ بہت باریک تھے۔

"آپ کو معلوم ہے کہ آج رات جھیل تھُن کے کنارے آتشبازی چھوڑی جائے گی اُسے دیکھے بغیر تو آپ یہاں سے جا ہی نہیں سکتے..." وہ جلدی سے بولی۔

میں نے شدید اکتاہٹ سے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے ایک کُند ذہن طالب علم کی طرح کھڑی تھی۔

"میں آتشبازی میں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔"

"لیکن یہ جھیل تھُن کے کنارے ہو گی... پانی کے عین اُوپر... سال میں صرف ایک مرتبہ ایسا ہوتا ہے۔ رات ٹھیک ایک بجے آپ ضرور دیکھئے۔"

"اب رات کے بارہ ایک بجے کون دھکے کھاتا پھرے آتش بازی دیکھنے کے چاؤ میں..." میرا لہجہ کسی سوِس گلیشیئر سے بھی سرد تھا "اور پتہ نہیں اتنی طویل جھیل کے کونسے مقام پر یہ تماشہ ہو گا اور میں تو راستہ بھی نہیں جانتا اور یوں بھی..."

"میں جانتی ہوں..." اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "میں لے چلوں گی۔ رات بارہ بجے ادھر ریستوران کے باہر آجایئے گا..." وہ جیسے ایک شاہی فرمان پڑھ کر فارغ ہوگئی اور پھر کاؤنٹر کے پیچھے جا کر اُن گاہکوں سے بل وصول کرنے لگی جو بے حد بوریت کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے کہ بی بی واپس آکر اپنا کام کرو ہم نے بھی کہیں جانا ہے۔ میں ریستوران سے باہر آکر کھڑا ہوگیا۔

یہ کیا شے ہے؟ میں نے غصّے پر قابو پاتے ہوئے سوچا... آتشبازی ہوگی تو میں کیا کروں... اب مجھے کیمپنگ کے دفتر سے اپنا پاسپورٹ اور کار نے حاصل کرنا تھا اور کرایہ ادا کرنا تھا.... لیکن میں وہاں کھڑا رہا کیونکہ یہ ایک ایسی صورت حال تھی جو میری سمجھ سے تو باہر تھی۔ دراصل مجھے کچھ اور کہنا چاہیئے تھا کہ جی نہیں شکریہ میں تو جا رہا ہوں اور.... تو پھر میں کیا کروں؟.... ایک لڑکے کے لئے ایک خاص عمر میں کسی بھی لڑکی کے لئے تھوڑی بہت کشش تو بہرصورت ہوتی ہے چاہے وہ بے کشش اور بُجھی ہوئی ہی کیوں نہ ہو۔

دوبارہ اسی ڈھلوان پر خیمہ نصب کرتے ہوئے بھی میں بڑبڑاتا رہا۔ شدید غصّے اور بے چارگی میں مبتلا رہا کہ آخر یہ موٹی سوس لڑکی تقریباً تشدد کے ذریعے مجھے یہ آتشبازی کیوں دکھانا چاہتی ہے۔ میں نہیں دیکھنا چاہتا تو کیوں دکھانا چاہتی ہے... انکار میں اس لئے نہ کرسکا کہ اس نے تو مجھے مہلت ہی نہیں دی تھی... بس فرمان پڑھ دیا تھا کہ آج رات... ایک مرتبہ تو میں نے خیمے کی میخیں پھر اکھاڑ کر تھیلے میں پھینک دیں کہ نہیں میں جا رہا ہوں یہاں کیا کروں گا... پھر میں کچھ سُست ہوگیا کہ ہاں یہ کیمپنگ سائٹ اتنی شاندار ہے تو یہاں ایک رات اور قیام کرنا چاہیئے اور اس لڑکی کے ساتھ قسمت آزمائی... عجیب بات ہے کہ وہ مجھے سرے سے لڑکی ہی نہیں لگتی تھی... ایک بوڑھی عورت لگتی تھی جو جوان ہے یا پھر کچھ اور لگتی تھی...

کوئی حیوان جس نے ایک عورت کے روپ میں پناہ لے رکھی ہے۔

خیمہ نصب کرنے کے بعد میں وقت گذارنے کے لئے شہر چلا گیا...

شام کو لوٹا اور اپنے سلیپنگ بیگ میں لیٹ گیا... کچھ غصّے میں، کچھ سوچ میں اور کچھ بیوقوف محسوس کرتے ہوئے۔ رات ہوئی اور بارہ بجنے میں چند منٹ پر میں اپنے آپ کو مناسب حد تک سنوار کر ریستوران کے باہر آکھڑا ہوا... پوری کیمپنگ میں صرف دفتر کی عمارت پر ایک دو روشنیاں جل رہی تھیں۔ ہر طرف خاموشی تھی کیونکہ خیمہ زن حضرات کب کے سو چکے تھے۔ ظاہر ہے میرے جیسا بیوقوف وہاں کم ہی ہوگا جو رات بارہ بجے تک چند شرلیاں وغیرہ دیکھنے کے لئے جاگتا رہے.... ریستوران کے عین اوپر ایک کمرہ تھا۔ وہاں سے کسی نے جھانکا اور پھر دوسرے لمحے وہ میرے ساتھ کھڑی سانس لے رہی تھی۔

"ہیلو" اس نے ہاتھ آگے کردیا۔

"ہیلو" میں نے ہاتھ ملایا لیکن نہایت بیہودہ محسوس کیا کیونکہ رات بارہ بجے کسی لڑکی کے ساتھ ہاتھ ملانا تو کوئی مناسب بات نہیں۔

"میں تمہارا نام جانتی ہوں..." اندھیرے میں اس کی آواز آئی "میں نے تمہارے پاسپورٹ پر سے پڑھا تھا"

یہ لڑکی معلوم نہیں ہنستی کیوں نہیں تھی بے حد سنجیدگی سے ایک بے کیف طریقے سے باتیں کرتی چلی جاتی تھی... اسے دیکھ کر میں خوشی یا اطمینان محسوس نہیں کرتا تھا بلکہ ایک وحشت تھی جو میرے اندر پھیلنے لگتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے صرف آتشبازی نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ وہ کیا چاہتی تھی؛ شاید یہی جاننے کے لئے میں نے اپنا بندھا ہوا خیمہ کھول دیا تھا کہ یہ بُجھی بُجھی لڑکی آخر کیا چاہتی ہے۔

"کیا ہم سچ مچ آتش بازی دیکھنے کے لئے جائیں گے" میں نے اندھیرے میں اُسے

جاننا چاہا۔

"ہاں جھیل تُھن کے کنارے ..." وہ پرے ہو گئی "اور مجھے ہاتھ مت لگاؤ میری وِگ خراب ہو جائے گی۔"

"تمہاری وِگ؟" میرا منہ کُھل گیا "تمہارے بال نقلی ہیں؟"

وہ خاموش رہی۔ اچھا اچھا تو اسی لئے یہ ذرا نقلی لگ رہی تھی ... یعنی یہ لڑکی گنجی ہے اور اس نے وِگ پہن رکھی ہے ... توبہ ... خواہ مخواہ وقت برباد کیا۔ بہرحال اب کیا ہو سکتا تھا۔

"آؤ" اس نے کہا اور منہ موڑ کر چلنے لگی۔

ہم کیمپنگ سائٹ سے باہر تو آ گئے لیکن اس کے بعد پتہ نہیں کہاں گئے...

یہ ایک عجیب اور تاریک سفر تھا۔

رات بارہ بجے میں ایک طویل میدان میں ہونکتا ہوا تقریباً دوڑتا ہوا جا رہا تھا۔ میرے لئے یہ میدان اس لئے تھا کہ ارد گرد تاریکی اتنی گھنی اور گاڑھی تھی کہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ میں آنکھیں اُن کی آخری حد تک کھولے اور اندھوں کی طرح ہاتھ پھیلائے چلا جا رہا تھا۔ میرے گھٹنے اور ٹخنے پتھروں سے چھل چکے تھے اور ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ پھر ایک کوہستانی راستہ آ گیا۔ ایک ندی عبور کی اور اپنے کپڑے بھگو لئے میرا سانس پھول رہا تھا اور وہ میرے سامنے گم ہوتی جاتی تھی اور میں اس کے پیچھے پیچھے ہانپتا چلا جاتا تھا۔ نہ وہ رکتی تھی۔ نہ پوچھتی تھی کہ ہیلو کیا حال ہے اور نہ سانس لینے کے لئے ٹھہرتی تھی بس چلی جاتی تھی اور اتنی مہلت نہیں دیتی تھی کہ میں پوچھ سکوں کہ خاتون آخر میرا کیا قصور ہے تم ہو کون اور مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟ کیا معافی نہیں مل سکتی؟ کبھی کبھار سیاہ بالوں والی یہ بَلا رُک کر پیچھے دیکھ لیتی کہ کہیں میں فرار تو نہیں ہو گیا۔ بھلا میں نے کہاں جانا تھا۔ نہ میں پیچھے جا سکتا تھا کہ پتہ نہیں

کدھر سے ہو کر میں کدھر آ نکلا تھا اور کہاں تھا اور واحد راستہ تو آگے تھا.... اور میں چلا جا رہا تھا... وہ رُک کر دیکھتی کہ میں بھاگ تو نہیں گیا اور پھر ایک قدرے صحتمند ہرنی کی مانند قلانچیں بھرتی پتھروں اور چٹانوں کو با آسانی پھلانگتی چلی جاتی... مجھے یقین تھا کہ اسے تاریکی میں بھی نظر آتا ہے اور یہ کوئی شے ہے... اس بھاگ دوڑ کے دوران مجال ہے جو اس نے منہ سے کچھ کہا ہو... اور میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ دیکھو کیا حماقت کر بیٹھا ہوں۔ اچھا بھلا کوچ کر رہا تھا اور اس بے ہودہ بَلا کے کہنے پر رُک گیا... ایک مرتبہ میں نے اپنی تمام تر قوت جمع کر کے دوڑ لگا دی اور اس کے بالکل قریب جا پہنچا۔ میرا ہاتھ ابھی اُسے چھونے لگا تھا کہ وہ پھر ہوا ہو گئی... میرے پسینے چھوٹ رہے تھے اور میں غصے سے اُبل رہا تھا۔ میں اُسے کچّا یا اُبال کر کسی بھی صورت میں کھا جانا چاہتا تھا...

بالآخر ہم اُس مقام پر پہنچ گئے جہاں آتش بازی کا مبینہ مظاہرہ ہونا تھا... ہر طرف خاموشی تھی۔ اور تاریکی کی ایک ہموار چادر بچھی ہوئی تھی جو جھیل تُھن کے پانی تھے... چند کشتیاں تھیں اور جھیل کے اندر جاتا ہوا لکڑی کے تختوں کا ایک راستہ... وہ اُس پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ہاتھ اپنے کولہوں پر رکھے اور وہاں ہاتھ رکھنے کے لئے خاصی جگہ تھی اور کہنے لگی "اوہ!"

میں نے سوچا شائد خاتون جذباتی ہو کر "اوہ" کر رہی ہے اس لئے میں ذرا قریب ہونے کے لئے آگے بڑھا... آخر یہاں لانے میں کوئی نہ کوئی مقصد تو ہو گا... اتنی تاریک اور بے آباد جگہ پر اور کیا ہو سکتا ہے۔

"اوہ" وہ تیزی سے بولی "میرا خیال ہے ہم دیر سے پہنچے ہیں اور آتش بازی ختم ہو چکی ہے۔ آؤ واپس چلیں"

اس سے پیشتر کہ میں سانس درست کرنے کے لئے مہلت مانگتا وہ پھر تاریکی

میں تاریک ہو رہی تھی.... مرتا کیا نہ کرتا اور یہی کرتا کہ اس شے کے پیچھے پیچھے پھر سے دوڑتا اور کیا کرتا....

ٹھوکریں کھاتے گرتے پڑتے اور اپنی زندگی سے بیزار ہوتے ہوئے جب میں واپسی کی دوڑ میں تھا تو ایک اور خیال میرے ذہن میں تیرا کہ یہ لڑکی فاتر العقل ہے.... مجھے اس ویرانے میں اس لئے لائی ہے تاکہ... لیکن وہ تو آگے آگے چلی جا رہی تھی۔ پھر وہ بدرُوح ہے اور ہاں بدروح ہی ہو سکتی ہے کیونکہ اندھیرے میں بخوبی دیکھتی ہے۔

کیمپنگ کے پہلو میں برفپوش ینگ فرد کے سائے میں جو گھاس کا میدان تھا وہاں ایک سفید پتھریلی نشست تھی۔ میں اُس پر ڈھیر ہو گیا۔

سبزہ زار کے درمیان میں دونوں جھیلوں کو ملانے والی نہر بہہ رہی تھی... وہ اُدھر گئی اور کنارے پر بیٹھ کر بڑے اطمینان سے منہ ہاتھ دھویا اور سکرٹ کھینچ کر برفیلے پانی میں پاؤں اُتار کر بیٹھ گئی۔ ینگ فرد سے آنے والی ہوا رات کے اس پہر تیز ہو رہی تھی اور میرے بدن کو بھگونے والے پسینے پر چلتی تھی اور مجھے ٹھنڈا کرتی تھی ... وہ میری طرف پُشت کئے لاتعلق ہو کر بیٹھی تھی جیسے میری موجودگی سے بے خبر ہو۔ اُس لمحے میں نے اُس نفرت کو دبایا جو مجھے بے چین کرتی تھی اور اُس غصّے کو آگے لایا جو مجھ میں اس فضول لڑکی کے لئے اُبل رہا تھا... میں اُٹھا اور اُس کے قریب جا کر لیٹ گیا۔

وہ کچھ بولی نہیں۔

وہ بہت صحت مند تھی۔

"گھاس بہت ٹھنڈی ہے" بالآخر اُس نے سرگوشی کی۔

"ہُوں"

درختوں کی تاریک اوٹ میں سے ایک روشن کشتی یُوں چلی آئی جیسے گھاس پر رواں ہو کہ نہر کا پانی تو لپیٹے ہوئے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کشتی میں سوار لوگوں نے تو ہمیں نہیں دیکھا ہوگا؟" وہ دبی ہوئی بولی۔

"نہیں"

کیا یہ سب کچھ ایسا ہی ہوتا ہے اور اتنا ہی ہوتا ہے... ایک اتنی بڑی فینٹیسی کا پردہ جب اٹھتا ہے تو اُس کے اندر بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ ایک گیلی گرمی اور نامعلوم میں سرسراتا وجود۔ میرے بدن پر اور کمر پر ینگ فرا کی ٹھنڈی ہوا آتی تھی اور اُسے چھُو کر کچھ کم ٹھنڈی ہو جاتی تھی۔ میرے نتھنوں میں گھاس کی مہک جاتی تھی اور ہانپتے ہوئے منہ میں گھاس کے سبز تنکے جاتے تھے... مجھے یقین نہیں تھا کہ بس فینٹیسی یہی ہے اور میں ہمہ وقت سوچ رہا تھا کہ بس یہی ہے.... اور پھر ایک بے اختیاری نے مجھے بُری طرح کپکپایا اور جھنجھوڑا اور مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں، کیا ہوں اور وہ کون ہے... اور ہوا ایک مرتبہ پھر سرد لگنے لگی اور گھاس بھی ٹھنڈی ہو گئی... اوّلین تجربے کی مدّت جسم کو چھوڑ رہی تھی۔ میں اُٹھا اور سفید نشست کی جانب چلنے لگا۔ اب میں اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ مزید تھکاوٹوں سے میرا جسم ٹوٹ رہا تھا۔

ایک جگہ گھاس کے نیچے کیچڑ تھا.... میں نے بمشکل اپنا پاؤں باہر نکالا اور نشست پر بیٹھ کر کیچڑ سے بھرے ہوئے بوٹ کے تسمے کھولنے لگا۔

وہ اس دوران آ چکی تھی اور مجھے دیکھ رہی تھی۔

"میں کھولتی ہوں" وہ بیٹھ گئی اور میرا ہاتھ بُوٹ سے ہٹا دیا.... اس نے کیچڑ بھرے بوٹ اور جراب کو میرے گیلے پاؤں سے اتنی نرمی اور آہستگی سے الگ کیا جیسے عبادت کر رہی ہو۔ پھر نہر سے پانی لا کر وہ انہیں دھونے لگی میں اپنا ننگا

پاؤں نشست کے سرد پتھر پر رکھے حیرت سے اُسے تکتا رہا۔ جراب پہنانے سے پیشتر اُس نے میرا پاؤں اپنی گود میں رکھا اور اس پر جُھک گئی۔ اس کے لبوں کی نمی محسوس کرتے ہی میں یکدم خوفزدہ ہو گیا۔۔ "تم کون ہو؟"

"جپسی۔۔۔" اُس نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اندھیرے میں اُس کی آنکھیں بجھتی ہوئی دیا سلائی کی طرح ہلکی لَو دے رہی تھیں۔

"تم یقیناً سوچ رہے ہو گے کہ یہ لڑکی کسی ذہنی مرض کا شکار ہے۔"

"نہیں" میں نے فوراً کہا حالانکہ میں یہی سوچ رہا تھا۔

"اور تم یہ بھی سوچ رہے ہو کہ میں بہت ہی آسان اور بُرے اخلاق کی لڑکی ہوں"

"بالکل نہیں" میں یہ بھی سوچ رہا تھا۔

"مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ میں جانتی ہوں" وہ پھر سے میرے پاؤں پر جُھکنے لگی "لیکن مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو۔ کیونکہ اب تم میرے ہو"

میں نے اپنا پاؤں کھینچ لیا۔

"اور تم مجھ سے ڈرتے بھی ہو"

"بالکل نہیں۔۔" میں اُس سے اتنا ڈر رہا تھا کہ میرا بھاگنے کو جی چاہ رہا تھا۔

"سنو۔ کل دوپہر جب تم ریستوران میں داخل ہوئے تو میں نے تمہیں دیکھا۔۔۔ اور اُس لمحے کے بعد میرے تمام اختیار زندگی اور بدن کے تمہارے ہوئے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا تھا۔۔۔ میری دادی نے بتایا تھا کہ جپسی اپنی زندگی میں صرف ایک شخص سے محبت کرتی ہے اور وہ جب بھی اُس کے سامنے آجائے اسے پہچان جاتی ہے۔"

"تمہاری دادی کون تھی؟"

"جپسی"

"اور آج رات جھیل ٹُھن پر کوئی آتش بازی نہ تھی؟"

"اگر میں جھوٹ نہ بولتی تو تم چلے جاتے" وہ پہلی مرتبہ مسکرائی "اور میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔"

"اور اگر میں اس کے باوجود چلا جاتا تو؟"

"تو میں تمہارا پیچھا کرتی۔۔۔ میں نے دفتر میں جا کر تمہارے پاسپورٹ اور کیمپنگ کارنے سے تمہارا مانچسٹر کا پتہ نوٹ کر لیا تھا۔۔۔"

ڈوریسنگ فراک کے سفید دامن میں گلابی روشنی کا ایک بے آواز جھماکا ہوا اور چند لمحوں میں تیز برفانی ہوا چلنے لگی۔ کوہِ الپس کے اندر کسی وادی میں بجلی چمک رہی تھی اور اس کا شائبہ برفوں پر چمک کر ہلکا سا دکھائی دے جاتا تھا۔ وہ میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی "میرے دادا نے ہنگری کی ایک جپسی سے شادی کر لی۔۔ والدین نے خانہ بدوش خون کی مخالفت میں انہیں گھر سے نکال دیا۔ وہ دونوں تنگدستی میں ہی مر گئے مگر ایک دوسرے کے ساتھ شدید محبت کرتے ہوئے۔۔۔ میرا باپ بالکل سوس ہے۔ سنہری بال اور سرخ و سفید کاروباری چہرہ اور میرے دو بہن بھائی بھی۔۔۔ لیکن میں۔۔۔ جپسی ہوں اپنی دادی کی طرح اور میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

یہ صورت حال ایک اٹھارہ انیس سال کے لڑکے کے لئے جسے ہفتے میں ایک آدھ بار ہی شیو کرنے کی حاجت پیش آتی تھی بے حد اُلجھی ہوئی تھی، اور مجھے وہ فی الحال اتنی اچھی بھی نہیں لگ رہی تھی۔

"میں تمہیں ابھی اچھی نہیں لگتی" وہ جیسے میرے خیال کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی "لیکن تم دیکھو گے کہ میں لگوں گی۔"

وہ برن یونیورسٹی میں بزنس ایڈمنسٹریشن کی طالبہ تھی اور گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران کیمپنگ کے ریستوران میں بطور کیشیئر کام کر رہی تھی۔

"میں تمہیں نہیں جانے دوں گی" میرے سینے پر پھیلتا سانس ایک بچے کا تھا جو مدتوں کھلے آسمان تلے گھومتا رہا اور اب گھر کی چوکھٹ پر منہ رکھے پناہ میں تھا۔

میں سارا دن خیمے میں سویا رہتا اور شام ڈھلے تیار ہو کر سبزہ زار کے بیچ بہتی نہر کے قریب سفید نشست پر جا بیٹھتا۔ جپسی ڈیوٹی سے فارغ ہوتے ہی آ جاتی۔ یہ عجیب بات تھی کہ وہ دن میں ہمیشہ بُجھی بُجھی اور ایک یتیم بچے کی اُداسی لئے ہوتی اور رات کی تاریکی میں اُس کی آنکھیں بھی لَو دینے لگتیں۔

وہ دن ایسے نہیں تھے جن کے بارے میں آسانی سے کوئی رائے دی جا سکے۔ وہ خوشی اور ناخوشی میں اُبھرتے اور ڈوبتے دن تھے۔ وہ جوانی کی حدتوں میں پُھنکتے دن تھے لیکن اُن میں مسرت کچھ کم تھی اور اداسی اور ایک نامعلوم ڈر کچھ زیادہ تھا۔ جپسی کو دیکھ کر مجھے وہ کچھ نہیں ہوتا تھا جو رُوتھ کے دیکھنے سے ہوتا تھا۔ اس کی قربت میں ایک خوبصورت تاریکی تھی اور میں اُس تاریکی میں چلتا جاتا تھا.... وہ چاہتی تھی کہ میں مکمل طور پر قابض ہو جاؤں اور اس کے ساتھ سارے اچھے اور بُرے سلوک کروں اور تب وہ فخر سے سر اُٹھا کر چلے کہ دیکھا اُس نے آج میرے ساتھ یہ کیا اور مجھے یہ کہا کیونکہ اُسے میں نے پہچان لیا ہے... اور میں جھجکتا تھا... میں زیادہ آگے نہیں جاتا تھا۔

"یہ تم نے ڈھلوان پر خیمہ کیوں لگایا ہے میں کھسک جاتی ہوں" وہ کہتی۔

وہ اپنے بارے میں بہت کم بات کرتی تھی... مجھ سے بھی زیادہ کلام نہ کرتی...
صرف دیکھتی رہتی اور مجھے کسی شئے سے نہ روکتی۔

ایک روز میں ریستوران میں بیٹھا کافی پی رہا تھا کہ ایک امریکی لڑکی میرے سامنے آ بیٹھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے جیسا کہ اخلاق کا تقاضہ تھا اور پھر عام قسم کے چند فقروں کا تبادلہ ہوا کہ آپ کہاں سے آئے اور کیا یہ شہر خوبصورت نہیں ہے اور کتنے روز ٹھہرنے کا ارادہ ہے وغیرہ وغیرہ.... پھر میں نے جیپسی کو دیکھا جو کسی گاہک سے بل وصول کرنے کے دوران ادھر دیکھ رہی تھی اور اگلے لمحے وہ میرے سر پر کھڑی تھی۔

"ہیلو" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ یہاں کیوں بیٹھی ہے؟" اُس کی بجھی ہوئی سیاہ آنکھوں میں گہری تاریکی تھی۔

"یہ...."

"ہاں اور تم اس کے ساتھ کیا باتیں کر رہے تھے؟"

"دیکھو لیڈی" امریکی لڑکی نے منہ بنا کر کہا "کیا اِس ریستوران میں تمہاری اجازت کے ساتھ بیٹھا جاتا ہے.. میرا خیال ہے تمہیں اخلاقیات کے سکول میں پہلی جماعت میں بھی داخلہ نہ مل سکے گا" صورت حال نازک ہونے کو تھی۔

میں اُٹھا اور جیپسی کو بازو سے پکڑ کر پرے لے گیا "یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

"تم نے اگر کسی لڑکی کے ساتھ بات کرنی ہے تو میری نظروں سے دُور ہو کر کرو... میرے سامنے نہیں... پلیز میرے سامنے نہیں" اس نے مجھے دیکھا اور پھر واپس چلی گئی۔

اس رات سفید نشست پر بیٹھے ہوئے ہمارا پہلا جھگڑا ہوا۔

"ہم دونوں صرف اور صرف عام قسم کی گفتگو کر رہے تھے جس طرح ایک انسان

دوسرے انسان کے ساتھ خوشگوار ہونے کے لئے کرتا ہے اور میں اُس لڑکی کا نام بھی نہیں جانتا اور نہ ہی اُسے پسند کرتا ہوں اور خدا کے لئے میں تمہاری جائداد نہیں ہوں..."

"تم میری جائداد ہو" وہ قریب ہوئی اور اس کی آواز میں اتنی نرمی اور ٹھہراؤ تھا کہ میں اپنا غصہ بھول گیا۔

"وہ لڑکی کیا سوچتی ہو گی" میں نے کہا "میں تو تمہیں دوسرے لڑکوں کے ساتھ بات چیت کرنے سے منع نہیں کروں گا"

"میں چاہتی ہوں کہ تم منع کرو۔ یہی تو میں چاہتی ہوں.. تم کیوں ایسا نہیں کرتے؟"

"کیونکہ یہ بیوقوفانہ بات ہے۔ ہم دونوں آزاد فرد ہیں اور..."

"نہیں اب ہم آزاد نہیں ہیں" وہ ہولے سے بولی... "ہم آزاد تھے۔ اُس لمحے سے پہلے جب تم ریستوران میں داخل ہوئے تھے... اب ہم صرف ایک دوسرے کے لئے ہیں، کسی اور کے لئے نہیں.. میری دادی مجھے بتایا کرتی تھی کہ ایک روز میرے دادا کا ایک قریبی دوست جو اکثر اُنہیں ملنے آتا تھا گھر آیا لیکن اُس وقت دادا وہاں موجود نہ تھے۔ وہ ان کے بارے میں پوچھ کر چلا گیا۔ شام کو جب دادا گھر آئے تو میری دادی نے کہا۔ تمہارا ایک دوست تمہیں ملنے آیا تھا۔ انہوں نے پوچھا۔ کونسا دوست .... میری دادی کہنے لگیں، مجھے نہیں پتہ۔ میں نے تمہارے بعد کسی مرد کو دیکھا ہی نہیں... سامنے ہو بھی تو دیکھتی نہیں.. پتہ نہیں کون تھا.."

"یہ کچھ روائتی سا معاملہ تھا" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا "ٹھیک ہے پہلی جنگ عظیم کے لگ بھگ عشق ایسے ہی ہوں گے اور خانہ بدوش بھی اسی قسم کے ہوں گے لیکن اب تو ذرا دنیا مختلف ہو چکی ہے"

"میرے خون میں جو کچھ ہے وہ کبھی نہیں بدلے گا... بس تم نے آئندہ میرے

سامنے کسی سے بات نہیں کرنی اور اگر میری غیر موجودگی میں کسی لڑکی کے ساتھ گفتگو کرد تو بھی بعد میں مجھے نہیں بتانا ورنہ بہت بُرا ہوگا ۔ ۔"

" کیا بُرا ہوگا ؟" میں مزید خوفزدہ ہوا" تم نے خانہ بدوشوں والا کوئی جڑاؤ خنجر کہیں چھُپا رکھا ہے ؟"

" کیا میں تمہیں پہلے دن کی نسبت اب اچھی نہیں لگ رہی ؟" اس نے یکدم موضوع بدل دیا۔

" نہیں تم تو مجھے پہلے دن بھی اچھی لگی تھیں ۔"

" جھوٹ مت بولو ۔ ۔ لیکن تم دیکھنا میں اچھی لگوں گی تم دیکھنا ۔ ۔ ۔ میں تمہیں سلمانکا میں اچھی لگوں گی ۔ ۔ ۔"

" سلمان کا ۔ ۔ ۔ یہ کہاں ہے ؟ اور تم مجھے وہاں کیوں اچھی لگو گی ؟"

" میں ان چھُٹیوں کے بعد سلمانکا یونیورسٹی میں داخلہ لے رہی ہوں ہسپانوی زبان سیکھنے کے لئے ۔ ۔ ۔ تم بھی کسی کورس میں داخلہ لے لینا اور ہم دونوں ۔ ۔"

" جیپسی ۔ ۔" میرے لفظ میں سختی تھی " میں اس وقت مانچسٹر میں پڑھ رہا ہوں اور میں اگلے دو تین روز میں یہاں سے جرمنی اور ہالینڈ کے راستے واپس چلا جاؤں گا ۔ ۔ ۔ میں کس سلسلے میں سلمانکا یونیورسٹی میں داخلہ لے لوں ؟"

" ناراض نہیں ہونا ۔ ۔ ۔ ابھی تو تم کہیں نہیں جا رہے ۔ ۔ ۔ مانچسٹر تمہارا گھر تو نہیں کہ تمہیں واپس جانا پڑے ۔ ۔ بہر حال سلمانکا میں موسم سرما بے حد خوشگوار ہوتا ہے ۔ ۔"

مجھے محسوس ہوا جیسے میں ایک دلدل میں پھنسنے والا ہوں اور مجھے ابھی اور اسی وقت ہمت کر کے یہاں سے نکل جانا چاہیئے ۔ اِس لڑکی سے دور ہو جانا چاہیئے ۔

" کیا سوچ رہے ہو ؟" اس نے جیسے میرے اندر جھانکا " دیکھو تم خوفزدہ ہو جاتے ہو لیکن یہ بھی تو سوچو کہ میں بے حد مجبور ہوں اس معاملے میں ۔ ۔ ۔ میں کیسے تمہیں

چلے جانے دوں ۔ ۔ ۔ میں یہ سوچ نہیں سکتی کہ تم مجھ سے الگ ہو جاؤ گے ۔ ۔ ۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گی ۔"

میں خاصی دیر چپ بیٹھا رہا ۔ میں کیا کروں ۔ ۔ جہاں اِس صورت حال میں خوف کا عنصر تھا وہاں اس میں ایک عجیب سی کشش بھی تھی ۔ شدت سے چاہے جانے کی کشش ۔ ۔ ۔ ۔ چاہے اس میں اذیّت ہی کیوں نہ ہو ۔

میں نے بالآخر سر جھٹکا اور کھڑا ہو گیا " کیا ہم پوری زندگی اِسی سفید نشست پر بیٹھے رہیں گے ؟ اِس نہر کو دیکھتے رہیں گے جو تاریکی میں ایک اژدھے کی طرح سرک رہی ہے اور یہ سبزہ زار ہمارا بیڈ روم بنا رہے گا ؟ ۔ ۔ ۔ ہم کہیں اور نہیں جا سکتے ؟"

" جہاں جائیں گے وہاں دوسرے لوگ ہوں گے ۔ ۔" اُس کی آواز مدھم تھی " ہم کیوں دوسروں کو دیکھیں ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے خیمے میں چلیں ؟"

" نہیں میں سڑکوں اور بازاروں میں گھومنا چاہتا ہوں اور لوگوں کو دیکھنا چاہتا ہوں" میں کیمپنگ کی جانب چلنے لگا " میں اِس پردہ داری سے تنگ آ گیا ہوں اور مجھے یہ مسلسل خاموشی پسند نہیں ۔"

وہ سر جھکائے میرے پیچھے چلنے لگی ۔

کیمپنگ سے باہر آ کر ہم نے پُل پار کیا اور پھر ٹیکسی کے ذریعے انٹرلاکن کے اُس حصّے میں چلے گئے جو جھیل کے کنارے پر ہے اور جہاں سیّاحوں کی گھما گھمی رہتی ہے روشنیاں اور شام کی ترنگ میں چمکتے دمکتے چہرے اور زندگی کے شور نے مجھ پر عجیب اثر کیا ۔ ۔ جیسے طویل قید کاٹنے والا رہائی کے بعد آبادی میں گھومتا ہے اور خوش ہوتا ہے ۔ اور وہاں زندگی کے اِس شور میں جیپسی ایک مصری ممی کی طرح چلی جا رہی تھی ۔ آس پاس سے بے خبر اور لاتعلق ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کبھی کبھار میری طرف خالی نظروں سے دیکھ لیتی اور بس ۔ ۔ ۔ یُوں بھی میں اُسے پہلی مرتبہ ایک ایسے لباس میں دیکھ رہا تھا جو سٹائلش

تھا اور دیدہ زیب تھا..... ہم ایک کافی بار میں گئے جو اپنے جاز بینڈ کی وجہ سے مشہور تھی..... بینڈ کے تمام تر سازندے حبشی تھے۔ یہاں روشنی کم تھی البتہ لوگوں کے چہرے فروغِ مے سے چمکتے تھے اور وہاں ایک پُرمسرت موسم تھا۔ کچھ جوڑے رقص میں محو تھے... ہم نے اپنی پسند کی مشروبات خریدیں اور ایک کونے میں بیٹھ گئے۔

"کیسی جگہ ہے؟" میں نے پُوچھا۔

"اچھی ہے" اُس نے مسکرا کر کہا "اگر تمہیں پسند ہے تو اچھی ہے۔"

"تم اس لباس میں بہت خوبصورت لگ رہی ہو" میں ذرا توصیفی مُوڈ میں تھا۔

"مجھے کوئی بھی لباس اچھا نہیں لگتا... میرا جسم ایسا ہے نان۔" اُس نے اپنے سینے پر ہتھیلی جما کر کہا "لباس مجھے قید کر دیتا ہے اور میرا دم گھٹتا ہے۔"

جاز بینڈ ایک امریکی لوک دُھن "دین دے سینٹس گو مارچنگ اِن..." بجا رہا تھا اور بہت والہانہ طریقے سے بجا رہا تھا یعنی سازندے خوب لہک رہے تھے اور جھوم رہے تھے۔ ایک سازندہ جو ایک بہت بڑا ساز بیس بجا رہا تھا دانت نکالتا تھا اور میری طرف دیکھ دیکھ کر ہاتھ ہلاتا تھا۔ میں نے جواب میں ہاتھ ہلانا مناسب نہ سمجھا کیونکہ میرا تجربہ تھا کہ اس قسم کے سازندے بعد میں آپ کی میز پر آجاتے ہیں اور آپ کے پلّے سے خوب کھاتے پیتے ہیں....

"کیا تم اس ماحول سے واقعی لطف اندوز ہو رہے ہو؟" اس نے میری طرف دیکھا اور پھر پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں" میں نے ذرا جھومتے ہوئے کہا "ذرا موسیقی تو سُنو اور یہ شور اور یہ مدھم روشنیاں...."

"چلو واپس چلتے ہیں"...

"کہاں؟"

"وہیں اپنے گھاس کے میدان میں اور..... اپنی نہر کے کنارے"

"تم ہو کیا؟..." میں نے تنگ آکر کہا "تمہیں زندگی، روشنی اور شور پسند نہیں؟... خاموشی اور تنہائی تو زندگی میں بہت ہو گی ابھی سے الگ ہو کر بیٹھ جائیں... کھانے کے بعد چلے جائیں گے۔"

"تم مجھ سے کہیں نفرت تو نہیں کرنے لگے؟" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی "سُنو مجھے کچھ تجربہ نہیں کہ اپنے مرد کو کس طرح قابو میں رکھتے ہیں۔ شاید میں کچھ زیادتی کر جاتی ہوں... دیکھو میرا جی چاہتا ہے کہ صرف تم میرے پاس رہو..... باقی سب کچھ کہیں اور ہو اور تم الگ ہو کر میرے پاس رہو... اور ہم نہر کے کنارے لیٹے رہیں... چلیں؟"

"نہیں! ابھی نہیں" مجھے بالآخر مسکرانا پڑا۔

"آہا.... آہا" بینڈ میں شامل حبشی جو ہاتھ ہلا رہا تھا اب میرے اُوپر آن کھڑا ہوا "یہ کیا ہو رہا ہے.... آہا کیا شاندار لڑکی ہے تمہاری... خوش قسمت شیطان... تم مجھے بیٹھنے کے لئے نہیں کہو گے؟... مانچسٹر سے کب آئے؟"

یہ حبشی یقیناً میرا شناسا تھا اور میں حسب معمول اپنے بھلکڑپن میں اسے پہچان نہیں پایا تھا۔

"تم اپنا تعارف کرواؤ گے؟" میں نے اس انداز میں کہا جیسے سرسری مذاق کر رہا ہوں۔

"ہاں کیوں نہیں... تم رومیو کی اولاد.... میں تمہارا پُرانا دوست شامن ہوں.... تمہارا ہم جماعت۔"

تو یہ شامن تھا.... یہ بدبخت یہاں کیسے پہنچ گیا۔ شامن حبشہ کا رہنے والا تھا اور انتہائی عیّار حبشی تھا۔ وہ ایک عرصے سے انگلستان میں مقیم تھا اور اُس کی آمدنی کے ذرائع نامعلوم سے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں یہاں بینڈ میں کام کرتا ہوں... کھانا اور خاص طور پر پینا مفت... کچھ تنخواہ بھی اور بونس میں ایک آدھ خاتون... سوری" اس نے جپسی کی طرف دیکھا۔

"یہ میری دوست ہیں..." میں نے اس کی طرف اشارہ کیا "اور یہ شامن ہے"

"میں شامن ہوں" اس نے دانت نکال کر کہا۔

"لیکن تم سازندے کیسے بن گئے؟"

"بھئی میں گرمیوں کی چھٹیوں میں پیرس گیا اور وہاں گرمی بہت تھی۔ ہاں ایک نیگرو کے لئے بھی پیرس ان گرمیوں میں بہت گرم تھا۔ اس کے علاوہ بہت ڈل شہر ہے اور مہنگا چنانچہ میں ادھر سوئٹزر لینڈ آگیا۔ انٹرلاکن سے گذر ہوا تو یہاں ایک دوست مل گیا جو اس بینڈ میں کام کرتا تھا۔ کہنے لگا۔ کام کرو گے؟ میں نے کہا کہ مجھے تو موسیقی اور سازوں کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ وہ کہنے لگا۔ تم فکر نہ کرو اگر تم حبشی ہو اور وہ تم ہو تو تم آدھے موسیقار ہو۔ میں یہاں آگیا اور اب بیس کو آغوش میں لے کر اس کے تاروں پر جھکا جھومتا رہتا ہوں۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں بجا نہیں رہا صرف جھوم رہا ہوں.... رہائش یہ اوپر اسی کافی بار کے اوپر ایک کمرہ ہے..." اس نے ذرا قریب ہو کر مجھے غور سے دیکھا "چاہیئے؟"

"نہیں..." میں نے جپسی کی جانب دیکھا جو کسی خیال میں گم تھی "یہ شامن ہے"

"میں شامن ہوں" اس نے دانت نکال کر کہا۔

"کیا آپ دونوں بہت گہرے دوست ہیں؟" جپسی نے شامن سے پوچھا۔

"بہت گہرے..."

"تو پھر میں آپ کو پسند نہیں کرتی..."

"اچھا!" شامن کا منہ کھل گیا "ظاہر ہے آپ تو اسے پسند کرتی ہیں... ہاہا"

مجھے معلوم تھا کہ جپسی نے یہ بات مذاق میں نہیں کہی.. وہ کسی کو بھی برداشت

نہیں کر سکتی تھی... شامن کو بھی کچھ شک سا ہوا کہ خاتون کچھ مختلف ہے اس لئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کیمپنگ میں ہو ناں... تو پھر میں کل آؤں گا تمہاری طرف..."

"کل تو ہم دونوں کہیں جا رہے ہیں" جپسی نے فوراً کہا۔

"اچھا؟" شامن نے منہ کھول کر کہا "اچھا تو... اچھا سنو تمہارے پاس پچاس فرانک ہوں گے۔ مانچسٹر واپسی پر لوٹا دوں گا..."

میں نے اسے پچاس فرانک دے دیئے اور وہ مسکراتا اور دانت نکالتا اور پھر کچھ سر کھجاتا بیئر پینے کے لئے چلا گیا۔

"کیا یہ واقعی تمہارا بہت گہرا دوست ہے؟"

"اگر تھا تو اب نہیں ہے کیونکہ میں نے اسے پچاس فرانک ادھار جو دے دیا ہے... اور ادھار ہمارے ملک میں کہا جاتا ہے محبت کی قینچی ہے"

"تو تم اس سے محبت کرتے تھے؟"

"نہیں بابا... اچھا دفع کرو... اور کھانا کھاؤ"

ہم کافی بار سے باہر آئے تو وہ میرے ساتھ لگی ہوئی اس طرح چل رہی تھی جیسے اسے کچھ خطرہ ہو۔ جیسے وہ جنگل میں ہو۔

پُل عبور کر کے ہم کیمپنگ میں داخل ہوئے تو وہاں خاموشی تھی اور اس سے پرے گھاس کا میدان تھا۔ جپسی جیسے اپنے گھر میں آگئی ہو وہ زیر لب کچھ گنگنانے لگی۔

"یہ تم کیا گنگنا رہی ہو؟" میں نے بیزاری سے کہا۔

"ایک اطالوی گیت..."

"اور اِس کا مطلب کیا ہے؟"

"پتہ نہیں... رسنڈریلا ڈی لُونا... پتہ نہیں اس کا مطلب کیا ہے لیکن مجھے اچھا لگتا ہے۔"

ہم خیمے میں چلے گئے۔

"میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ میں ڈھلوان پر کھسک جاتی ہوں..." اندھیرے میں زجیسی کی آواز ایک مدھم سسکی تھی۔

سارا دن اپنے خیمے میں سوتے رہنا ایک بے چینی اور ایک تپتے ہوئے اضطرابی بدن کے ساتھ اور رات کو وہی گھاس کا میدان۔ نہر اور سفید نشست.... میں اِس روٹین سے اُکتا چکا تھا۔ ایک روز میں نے بغاوت کر دی۔

"میں کل جا رہا ہوں... زیورخ کے راستے جرمنی اور ہالینڈ اور وہاں سے انگلینڈ۔"

"کیا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو؟" اس نے ایک سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"میں بے حد خوش ہوں لیکن کچھ عرصے کے لئے ناخوش بھی رہنا چاہتا ہوں تاکہ ان کیفیتوں کا فرق جان سکوں.... اب میں کتنی دیر تک یہاں اس کیمپنگ میں پڑا رہوں؟"

"چھٹیوں کے بعد ہم سلمانکا چلیں گے۔"

"پھر وہی سلمانکا" میں نے بھنّا کر کہا "میں وہی کروں گا جو میرا جی چاہتا ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں کل واپس چلا جاؤں۔ اپنا سفر جاری رکھوں اور یہ پھپھوندی اُتار پھینکوں جو تمہارے وجود نے مجھ پر جما دی ہے..."

"تو چلے جاؤ" اس کا لہجہ اُسی طرح بے کیف تھا...

"چلا جاؤں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ پنجرے کا دروازہ بالکل کھُلا دیکھ کر پرندے

کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں... تم اگر نہیں رُکنا چاہتے تو چلے جاؤ... لیکن پھر میں تمہارے پیچھے آؤں گی" وہ زمین سے مخاطب تھی "ویسے یہاں سے تین گھنٹے کی مسافت پر ایک قصبہ ہے گرنڈل والڈ... میں نے کل کے لئے کوچ کی دو ٹکٹیں خریدی ہیں... تم تبدیلی چاہتے ہو ناں؟"

اگلے روز میں جپسی کے ساتھ گرنڈل والڈ جا رہا تھا۔

وہی پُرپیچ پہاڑی راستہ جو میورن کی جانب جاتا تھا۔ راستے میں لُوٹے برونن کی آبشار آئی تو میں نے اس مقام کا تعین کیا جہاں میں لفٹ کے لئے کھڑا ہوا تھا۔

جپسی نے اگلے دو روز کے لئے چھٹی حاصل کر لی تھی اور ایک مختصر سے تھیلے میں چند ضروری اشیاء بھر کر ہم گرنڈل والڈ کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔

کوچ کے بڑے شیشے کے ساتھ ناک چپکائے میں باہر کے منظر کو دیکھا کیا...

جپسی میرا بازو پکڑ کر میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کبھی کبھار باہر بھی دیکھ لیا کرو" میں نے اُکتا کر کہا۔

"میں نے باہر کو بہت دیکھ لیا ہے اور اب تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں"

گرنڈل والڈ میں ہمارا قیام ایک سٹوڈنٹ ہوسٹل میں تھا جہاں بے شمار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ٹھہرے ہوئے تھے... ایک بڑے کمرے میں میزیں لگی ہوئی تھیں اور ہم نے وہاں رات کا کھانا کھایا... کھانے کے بعد قصبے کی سیر کو نکلے لیکن یہاں کی آبادی بہت جلد سو جانے کی عادی تھی اس لئے بازار تقریباً ویران تھا... یُوں بھی بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے انٹرلاکن کی نسبت یہاں موسم زیادہ شدید تھا... آس پاس کے پہاڑوں سے دُھند اور بارش نیچے اُترتی رہتی...

اگلی صبح ہم دونوں کوہ پیمائی کے لئے تیار تھے... اسے کوہ پیمائی تو نہیں

کہنا چاہیئے بلکہ یوں جانیئے کہ پہاڑوں میں ایک قدرے دشوار اور لمبی سیر۔ سوئٹزرلینڈ کے طول و عرض میں ایسے پہاڑی راستے یا ٹریک ہیں جو آپ کو انتہائی بلند اور حسین مناظر کے قریب لے جاتے ہیں۔ آپ سیاحت والوں سے ان کے نقشے حاصل کر سکتے ہیں اور بلاخطر ان پر چل کر ان مقامات تک پہنچ سکتے ہیں جو عام حالات میں صرف تجربہ کار کوہ پیماؤں کی آنکھوں کے لئے ہوتے ہیں... اس لمبی پہاڑی سیر کے لئے کچھ خوراک مضبوط سانس اور تھوڑی سی بیوقوفی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہم دونوں میں تھی...

جپسی نے انٹرلاکن سے ہی تمام معلومات حاصل کر لی تھیں اور مجھے شک تھا کہ وہ مجھے اکتاہٹ سے بچانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔ صبح چھ بجے ہم دونوں چھوٹے رُک سیک اٹھائے ہوسٹل سے نکلے۔ ابھی سورج کی کرنیں سامنے والے جنگل کے چند درختوں پر پڑ رہی تھیں اور بہت مدھم تھیں۔ رات کی دھند ابھی تک قصبے کے بازار میں ٹھہری ہوئی تھی۔ سڑک کے پتھر گیلے تھے اور دھند میں نمایاں ہوتے تھے ... اور ہم سر جھکائے چلتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہم گرنڈل والڈ سے باہر تھے اور ایک ایسی سڑک پر چل رہے تھے جس پر ابھی کوئی ٹریفک نہ تھی۔ قصبے سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہمارا ٹریک شروع ہوتا تھا اور ہم اپنے نقشے کو دیکھ کر ایک چھوٹے پہاڑی راستے پر ہو لئے۔ یہ راستہ زیادہ ویران نہ تھا بلکہ اس پر گھوڑا گاڑی آسانی سے چل سکتی تھی اور آس پاس متعدد فارم ہاؤس دکھائی دے رہے تھے۔ ان فارموں کے گرد حفاظتی باڑیں تھیں اور ان میں سے ایک کے پیچھے ایک ایسا کُتا تھا جو ہمیں دکھائی نہ دیتا تھا لیکن ہم اسے دکھائی دیتے تھے اور وہ غرّاتا چلا جاتا تھا۔

جپسی نے جرمن میں کوئی لفظ کہا اور وہ کُتا خاموش ہو گیا۔

اِس راستے میں سے ایک اور راستہ نکلا جو واقعی مختصر تھا اور کچھ خطرناک بھی تھا۔ ہم آہستہ آہستہ گرنڈل والڈ سے بلند ہوتے گئے۔ ہم سے پہلے کچھ لوگ اس پر جا چکے

تھے کیونکہ ایک سگرٹ جو سلگ رہا تھا اور چیونگم کا ایک ریپر جو راستے پر پڑا تھا۔ جیسی بہت کم گو تھی... وہ سر جھکائے چلتی جا رہی تھی ایک مخصوص رفتار کے ساتھ اور میری طرح ہر موڑ پر منہ کھول کر نیچے نہیں دیکھتی تھی بلکہ ایک فرض کی طرح چلتی جاتی تھی.... جیسے ایک مذہبی خاتون کسی مقدس زیارت کے لئے جا رہی ہو اور آس پاس کے مناظر میں کوئی دلچسپی نہ رکھتی ہو۔

ہم دو تین ایسے مقامات پر سانس لینے کیلئے رُکے جو بے حد خوبصورت تھے۔

لنچ کے لئے جیسی نے پورا پورا بندوبست کیا ہوا تھا.... اس نے خود بہت کم کھایا.... جب اس نے تھرموس میں سے کافی ڈال کر مجھے دی تو کہنے لگی "مجھے بتاؤ کہ یہ گرم ہے کہ نہیں؟"

میں نے ایک گھونٹ بھرا اور بمشکل بھرا "بہت گرم ہے"

"ٹھیک ہے ورنہ میں کیمپنگ کے ریستوران کے باورچی کی خوب پٹائی کرتی"

"اُس نے بنائی تھی؟"

"ہاں"

کھانے کے بعد ہم پھر چلنے لگے، ہر موڑ پر ایک نیا منظر تھا۔ قدرت جیسے ایک کتاب کی صورت ان مناظر کو ہمارے سامنے ورق الٹاتی تھی.... ہمیں میٹرہارن کی چوٹی کے پاس جانا تھا اور وہ اب دکھائی دے رہی تھی۔

میرے ذہن میں جانے کیوں کافی کا وہ پیالہ آیا جو میں نے ابھی ابھی گرم گرم پیا تھا اور پھر فوراً ہی میں جان گیا کہ مجھے کچھ پوچھنا تھا "جیسی"

وہ رُک گئی۔

"ہم تو رات گرنڈل والڈ میں تھے.... تو گرم کافی کیمپنگ سے کیسے آ گئی؟"

"وہ تو کل صبح کو میں نے بنوائی تھی اور اس شرط کے ساتھ کہ یہ دو روز تک گرم

رہے گی... ورنہ میں تو اس کی پٹائی کر دیتی..."

"لیکن..." میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کیا؟.... بھلا یہ کوئی تک ہے کہ آپ.... پتہ نہیں وہ کیا سوچتی تھی اور کیا کرتی تھی۔

شام ہونے کو تھی جب ہم اس پہاڑی جھونپڑے تک پہنچے جو سیاحوں کے قیام کے لئے اس بلند مقام پر بنایا گیا تھا... اس قسم کے متعدد جھونپڑے الپس کے پہاڑوں میں ملتے ہیں اور ایسی جگہوں پر ملتے ہیں جہاں رہائش کا اور کوئی انتظام نہیں ہوتا.... ان کے نقشے بھی ٹورازم والوں سے مل جاتے ہیں... جھونپڑا بالکل خالی پڑا تھا... اس کے ایک حصے میں لکڑی کے تین چار تخت پوش رکھے تھے جن پر سویا جا سکتا تھا اور دوسرے حصے میں ایک آتش دان تھا اور چند پرانی کرسیاں۔ آتش دان والے حصے کی کھڑکی شاید پہاڑی سے باہر نکلی ہوئی تھی کیونکہ وہاں سے جھانکنے پر ایک گہری کھائی اور سیاہ درختوں کا ایک ذخیرہ نظر آتا تھا اور اُس سے پرے پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ۔ آتش دان کے ساتھ سیاحوں کی سہولت کے لئے خشک لکڑیاں سجی تھیں اور اُن پر ایک ماچس بھی رکھی ہوئی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم سے آگے آگے چلنے والے سیاح شائد اس جھونپڑے میں ٹھہرے ہوں لیکن وہ شائد تیز چلتے تھے اس لئے آگے جا چکے تھے.... ہم نے اپنے سلیپنگ بیگ کھول کر تخت پوشوں پر بچھائے اور پھر آتش دان والے حصے میں آ گئے۔

جیسی کھڑکی میں سے نیچے جھانکنے لگی "یہ گہرائی کم از کم ایک کلومیٹر تو ضرور ہوگی... فرض کرو یہ جھونپڑا..." اُس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

اور تب اُسے اُس کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے دیکھ کر مجھے وہ خواب یاد آیا... اُس کی پشت میری طرف تھی۔ اور وہ بے دھیانی سے جھانکتی تھی.... اگر وہ تھوڑی سی اور جھکے تو... یا اُسے یونہی قریب جا کر... ہلکا سا اشارہ اور وہ.... الپس کے ان پہاڑوں

میں کون دیکھتا ہے.... یکدم میں نے سر جھٹک کر جیسے اپنے آپ کو نارمل کیا کہ یہ میں کیا سوچ رہا ہوں اور کدھر جا رہا ہوں... اور پھر لکڑیاں اُٹھا کر آتشدان میں رکھنے لگا...

جپسی نے اپنے تھیلے میں سے خشک گوشت اور مچھلی کے دو ٹین نکالے اور انہیں کھول کر آتش دان کے قریب رکھ دیا۔ میں نے دیا سلائی جلا کر اُس الاؤ کو روشن کر دیا۔

"تھوڑی دیر بعد یہ ٹین اور ان میں بند گوشت گرم ہو جائے گا" جپسی کہنے لگی۔

لکڑیوں نے پوری طرح آگ پکڑی تو باہر بارش اُتر آئی... جھونپڑے کی چھت پر وہ ایک گھٹی ہوئی آواز کی طرح تھی لیکن آس پاس کے پہاڑوں اور درختوں میں اس کی بوچھاڑ بلند سے بلند تر ہوتی گئی... مجھے پہلی مرتبہ الپس کی شدید سردی کا احساس ہوا اور میں نے دونوں ہتھیلیاں الاؤ کی جانب کر دیں۔

جپسی اُٹھی اور میرے گھٹنے پر ٹھوڑی رکھ کر مجھے دیکھنے لگی.... میں نے اُس کی طرف دیکھا اور شائد پہلی مرتبہ دیکھا.... وہ اتنی عام شکل کی نہ تھی کہ اس کی جانب اتنے عرصے کے بعد دیکھا جائے.... اس کی ناک قدرے پھیلی ہوئی تھی لیکن ہونٹ اُسی تناسب سے چھوٹے اور باریک تھے اور بمشکل اس کے سفید دانتوں کو چھپاتے تھے۔ ماتھا چوڑا اور آنکھیں ایک گہری چپ لئے ہوئے سیاہ اور اپنے بھیدوں میں گم...

میں نے اُس کے سیاہ بالوں پر ہاتھ پھیرا...

وہ ایک بلی کی طرح ناک میں خرخرائی... "میری وِگ اُتر جائے گی"

اُس کے بال میری مٹھی میں آئے اور میں نے انہیں ہلکی سی جنبش دی "بہت اچھی وگ ہے اُترتی ہی نہیں"

"ہاں اِسے کاریگر ہاتھوں نے بنایا ہے..." اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ پر آن رُکا "تم کم ازکم اِسے نہیں اُتار سکتے"

باہر بارش کی بوچھاڑ ہلکی ہو کر پھر یکدم تیز ہوتی تھی۔

"ہم خوش قسمت ہیں کہ بارش سے پہلے اس جھونپڑے میں پہنچ گئے ورنہ بہت بُرا حال ہوتا"

"مجھے پتہ تھا کہ ہم پہنچ جائیں گے"

"کیا تم پہلے بھی اس ٹریک پر آچکی ہو؟"

"..... ہاں"

"کس کے ساتھ؟"

"اگر میں تمہیں بتا دوں تو کیا تم بالکل جل جاؤ گے اور تمہیں اتنا غصہ آئے گا کہ مجھ پر برس پڑو؟"

"نہیں..."

"تو پھر تمہیں بتانے سے فائدہ...؟"

خوراک کے ٹین گرم ہو چکے تھے۔ جپسی نے انہیں پلیٹوں میں اُلٹا اور اس کے ساتھ ہی الاؤ پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا...

"کیا یہ حیرت ناک بات نہیں ہے کہ اس جھونپڑے تک ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچا اور اگر پہنچا ہے تو آگے نکل گیا ہے"

"نہیں یہ بالکل حیرت ناک بات نہیں بلکہ اِسے درست منصوبہ بندی کا نام دیا جاتا ہے"

"وہ کیسے؟"

"ٹریکنگ کے لئے جو لوگ بھی آتے ہیں ان میں سے بیشتر اسی ہوسٹل میں ٹھہرتے ہیں جہاں ہمارا قیام تھا۔ کل شام میں نے کاؤنٹر سے پتہ کروایا کہ اس ٹریک پر کون کون اور کتنے لوگ جا رہے ہیں۔ وہ صرف پانچ تھے... ایک دو کا گروپ اور ایک تین کا.... میں نے ان میں سے ایک کو تو یہ کہا کہ تم اگر اس ٹریک پر جاؤ گے تو زندہ واپس نہیں

آؤ گے۔ بے حد خطرناک ٹریک ہے چنانچہ انہوں نے کسی اور ٹریک پر جانے کا فیصلہ کر لیا... دوسرے دو حضرات بہت سخت نکلے لیکن انہیں میں نے یہ کہا کہ آپ بے شک اس ٹریک پر جائیں لیکن رات بسر کرنے کے لئے اس جھونپڑے کا انتخاب نہ کریں کیونکہ یہ تقریباً ہر سال تیز بارش کی وجہ سے کھسکتا ہے اور کھائی میں گر جاتا ہے اور پھر اسے دوبارہ تعمیر کرنا پڑتا ہے چنانچہ وہ ہم سے آگے جا چکے ہیں کسی اور جھونپڑے میں.... اچھی منصوبہ بندی ہے ناں؟"

"ہاں... اور تم اس سے پیشتر یہاں آ چکی ہو..."

"ہاں... میں اپنے گرینڈ ڈیڈ کے ساتھ یہاں آئی تھی..."

"ہیں؟ یعنی تم اپنے بوڑھے دادا جان کو گھسیٹتی ہوئی یہاں اس جھونپڑے تک لے آئی تھیں؟"

"خیر وہ اتنا بوڑھا بھی نہیں تھا..."

"تم کس کی بات کر رہی؟"

"اگر تم نے جلنا نہیں ہے تو پھر بتانے سے فائدہ..." جیسی کا وہ چہرہ جو بالکل سپاٹ اور بے تاثر تھا اب الاؤ کی نارنجی روشنی میں شرارت تھا۔ وہ مجھے تنگ کرنے پر اور کسی نہ کسی طرح جلانے پر تلی ہوئی تھی۔

"اور تمہیں پتہ ہے کہ گرینڈ ڈیڈ نے مجھے بہت کچھ سکھایا..."

"مثلاً؟"

"بہت کچھ" وہ آنکھیں میچ کر بولی۔

کیتلی میں سے پانی اُبل اُبل کر باہر گرتا تھا۔ کافی نے اُس سرد رات الاؤ کے سامنے اس کی حدّت محسوس کرتے ہوئے جیسی کی آنکھوں نے اور باہر گرتی بارش نے ایک عجیب کیفیت سے دوچار کیا...

جیسی کے رُخسار الاؤ کی تمازت سے تپتے تھے۔

"تمہارا گھر کیسا ہے؟"

"جب ہم اس گھر میں منتقل ہوئے تھے تو وہ بہت بڑا تھا۔ ہم سب بہن بھائی ایک ہی کمرے میں سما جاتے تھے... لیکن اب وہ چھوٹا ہو گیا ہے کیونکہ ہم بڑے ہو گئے ہیں۔"

"اس میں میری گنجائش ہو گی؟"

"تمہاری؟" میں نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ماتھے کو دبایا... یہ کیا کہہ رہی ہے؟

"ہاں.... اور تمہاری ماں سارا دن کیا کرتی ہیں؟"

میں نے اُسے بتایا کہ وہ صبح سویرے بیدار ہو کر نماز پڑھتی ہیں۔ رات کے برتن صاف کرتی ہیں پھر ناشتہ تیار کرنے کے بعد ہمیں اُٹھاتی ہیں۔ وہ جُوتوں کے سات جوڑے پالش کرتی ہیں، چار پتلونیں، تین شلواروں، سات قمیضوں وغیرہ کو استری کرتی ہیں اور پھر ہم سب کو نہلاتی ہیں اور جھانوے سے ہمارے پاؤں رگڑ رگڑ کر صاف کرتی ہیں۔ پھر تولئے سے خوب خشک کرتی ہیں۔ تیل لگا کر کنگھی کرتی ہیں اور..."

"یہ سارا کچھ وہ ایک دن میں کرتی ہیں؟"

"ابھی تو صبح ختم نہیں ہوئی..."

"تمہیں بھی وہی نہلاتی ہیں؟"

"نہیں" میں کچھ سرخ ہو گیا "پچھلے آٹھ دس برس سے تو نہیں... لیکن وہ ابھی تک میرے بال خود ہی بناتی ہیں..."

"میرا جی چاہتا ہے کہ میں تمہارے گھر کے فرش صاف کروں اور تمہاری ماں کے ساتھ مل کر برتن دھوؤں۔"

بارش ہلکی ہو رہی تھی اور اب اس پانی کا شور تھا جو بلندی سے نیچے وادی میں

گر رہا تھا چھوٹے چھوٹے ندی نالوں کی صورت....

"کل ہم میٹرہارن کے سائے میں پھیلے سبزہ زار تک جائیں گے ناں؟"

"کل ہم واپس گرنڈل والڈ جائیں گے اور وہاں سے فوری طور پر انٹرلاکن کے لئے روانہ ہو جائیں گے.... میں تو تمہیں صرف اس جھونپڑے تک لانا چاہتی تھی...."

"کیوں اس جھونپڑے میں کیا خاص بات ہے؟"

"یہاں میں کھسکوں گی نہیں"... وہ دبی دبی ہنسی"... انسان کئی جگہوں پر پہنچ جاتا ہے۔ کچھ مقام اس کی راہ میں آجاتے ہیں۔ کوئی درخت، کوئی آبشار، کوئی جھیل کنارے شیلے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ میں یہاں دوبارہ آؤں اور وہ میرے ساتھ ہو... اُس "وہ" کا وجود ہو نہ ہو خواہش ہوتی ہے کہ "وہ" یہاں اِس مقام پر میرے ساتھ آئے... جب میں یہاں آئی تھی تو میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تم مجھے ملو گے تو میں تمہیں یہاں لاؤں گی...." وہ اُٹھی اور دو تین لکڑیاں آتش دان میں ڈال دیں..."برابر کے کمرے میں تو سردی ہو گی.... یہیں فرش پر آگ کے سامنے سلیپنگ بیگ بچھا لیتے ہیں۔"

میرا جواب سنے بغیر وہ گئی اور سلیپنگ بیگ اُٹھا لائی۔

میں نے کھڑکی کا پردہ سمیٹا اور اسے کھول دیا۔۔ سرد ہوا ایک سیلاب کی طرح بہتی آگئی اور اس کے ساتھ ہی دُھند کا ایک بادل خاموشی سے اندر آنے لگا۔

"کھڑکی بند کر دو ورنہ یہاں بے حد سردی ہو جائے گی"، جیسی سلیپنگ بیگ بچھاتی ہوئی بولی۔ باہر بالکل تاریکی تھی۔ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ سوائے اُس دُودھیا غبار کے جس کے درمیان یہ جھونپڑا جیسے تیر رہا تھا۔ میں نے کھڑکی بند کر دی۔

"یہاں تو فرش ہموار ہے اس لئے تم کھسکو گی نہیں...."

"مجھے یقین ہے کہ میں ضرور کھسکوں گی اور میرا سر آتش دان سے جا لگے گا"...

میں نے اپنے خیمے کی طنابیں ڈھیلی کیں اور پھر لوہے کے دونوں راڈ نکال لئے خیمہ بل فائٹنگ میں مارے جانے والے بل کی طرح یکدم لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔ خیمہ سمیٹا تو اس جگہ گھاس کا رنگ ہلکا پڑ چکا تھا۔ پیکنگ کرنے کے بعد میں رُک سیک اُٹھا کر دفتر میں آگیا تاکہ کرایہ وغیرہ ادا کرنے کے بعد اپنا پاسپورٹ حاصل کر سکوں۔

گرنڈل والڈ سے واپسی پر بس میں سفر کرتے ہوئے میں ایک سوچ میں گم تھا.. ...میں کس قسم کی زندگی گذارنے لگا ہوں۔ مجھے تو حرکت میں ہونا چاہیئے۔ یہ جوانی کے بخار آلود اور حدتوں کی کسک لئے ہوئے دن اور یورپ کی گرمیاں یہ سب اس لئے نہیں کہ ان میں آزادی چھن جائے۔ یہ تو اڑنے کے لئے ہیں۔ پرواز کے لئے ہیں.. جتنی اڑان کر سکو کر لو۔ تمہارے پروں کے نیچے سے جتنے جہان گذر سکیں گذار دو ورنہ دیر ہو جائے گی۔ رنگ پھیکے پڑ جائیں گے اور صرف آتش دان کی قربت ہی جسم کو گرم کر سکے گی... آسائش اور جنس کے جال سے مجھے نکلنا ہوگا۔ ابھی دائمی رفاقتوں کا وقت بہت دور تھا وقتی دوستیوں میں آسانی بھی تھی اور سرخوشی بھی۔ میں نے وہاں اُس وقت جب ہم لوٹے برونن کی آبشار کے قریب سے گذر کر انٹرلاکن کو اُترنے والی سڑک پر آئے تھے اور جیسی میرا ہاتھ تھامے باہر دیکھ رہی تھی تب میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں اب

جاؤں گا....

اور میں جا رہا تھا... اور ظاہر ہے جپسی سے ملنے کے بعد کیونکہ میں اتنا بدتمیز تو ہرگز نہ تھا کہ اس کی محبتوں کا شکرگزار نہ ہوتا اور چوروں کی طرح کان لپیٹ کر چپکے سے چلا جاتا۔ دفتر میں براجمان لڑکی نے میرا پاسپورٹ اور کیمپنگ کارنے نکالا اور کرائے کی رقم کا حساب کر کے بل وصول کر لیا... وہ پاسپورٹ دینے لگی تو اس کے ساتھ ایک کاغذ نتھی کیا گیا تھا۔ اُس نے کاغذ پر نظر ڈالی اور پھر "ایک لمحہ" کہہ کر فون گھمایا اور جرمن میں ایک دو فقرے ادا کر کے بند کر دیا۔

میں دفتر سے باہر آیا تو وہاں جپسی کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا... دفتر سے اُسے ہی فون کیا گیا تھا...

"میں ریستوران کی طرف ہی جا رہا تھا تمہیں خدا حافظ کہنے...؟"

وہ نچلا ہونٹ دباتے ہوئے مسکرا دی جیسے میں نہیں جا رہا تھا حالانکہ میں جا رہا تھا۔

"کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟" میں نے جھلا کر کہا۔

"شائد..."

"شائد کا کیا مطلب، میں کوئی مجرم ہوں جو بھاگ جاؤں گا یا کوئی... کوئی چور ہوں" میری جھلاہٹ میں اضافہ ہوتا گیا۔

"تمہیں یہ سب کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے.... اگر تم جا رہے تھے تو تم جا رہے تھے.... مل کر جاتے یا نہ جاتے.... آؤ چلیں۔"

"کہاں؟"

"جہاں بھی تم جانا چاہتے ہو...؟"

"میں تو واپس جانا چاہتا ہوں۔ جرمنی اور ہالینڈ کے راستے واپس انگلینڈ جانا چاہتا ہوں۔"

"جرمنی جانے کے لئے تمہیں برن سے گذرنا ہو گا اور برن میرا ہوم ٹاؤن ہے۔ وہاں میرے والدین رہتے ہیں... آؤ چلیں۔"

"ابھی کل تم دو دن کی چھٹی کے بعد واپس آئی ہو کیا کیمپنگ کا مالک تمہیں مزید چھٹیاں دے دے گا؟"

"اس کا فیصلہ مجھے کرنا ہے.... میں فی الحال برن جا رہی ہوں اپنے والدین کو ملنے کے لئے اور اگر تم بھی اُدھر جا رہے ہو تو کیا میں اتنی بُری ہوں کہ ہم دونوں وہاں تک اکٹھے سفر بھی نہ کر سکیں... برن کے سٹیشن سے تم جہاں جی چاہے چلے جانا۔ چلیں؟" انٹرلاکن کا سٹیشن اگرچہ چھوٹا سا ہے لیکن وہاں سے برن کے لئے ہر آدھ پون گھنٹے کے وقفے سے گاڑی مل جاتی ہے۔

برن تک میں چُپ چاپ بیٹھا رہا کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا اور میرے چہرے پر ناپسندیدگی اور غصّے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ میں جب کبھی اس کی طرف دیکھتا اس کی نظریں مجھ پر ہوتیں برن سٹیشن پر اُتر کر میں نے رُک سیک اُٹھایا اور چلنے لگا۔ وہ میرے برابر چلنے لگی ہم سٹیشن سے باہر آ گئے۔

"اب میں یہاں سے جرمن سرحد کی جانب کس طرح جاؤں گا؟"

"باسل کے راستے...." وہ بولی "اور تم میرے لئے ایک کام تو کرو گے... برن بہت خوبصورت اور قدیم شہر ہے۔ تم اِسے دیکھو گے نہیں؟ میرے لئے نہ سہی برن کے لئے ایک رات ٹھہر جاؤ..." میں نے خود برن کی قدیم خوبصورتی کا تذکرہ سُن رکھا تھا چنانچہ میں نے کچھ پس و پیش کے بعد اُس کی تجویز مان لی "یہاں کی کیمپنگ کہاں ہے؟"

"تم اگر تھوڑی دیر یہاں اِسی جگہ میرا انتظار کرو تو میں تمہاری کیمپنگ کا پورا بندوبست کرنے کے بعد یہیں واپس آ جاؤں گی۔"

"تو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔"

"نہیں تم یہیں ٹھہرو...." اُس نے میرا کندھا پکڑ کر کہا "میں آتی ہوں" اور وہ سڑک عبور کر کے دوسری جانب ایک ٹرام میں سوار ہو گئی۔

میں نے رُک سیک کندھے سے اُتارا اور سوچنے لگا کہ یہ لڑکی کہاں گئی ہے اور کر کیا رہی ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں اس کا انتظار کروں۔ سٹیشن پر سیاحتی دفتر ہو گا وہاں سے کیمپنگ کا پتہ بآسانی مل سکتا ہے... میں شائد چلا بھی جاتا لیکن مجھے سو فیصد یقین تھا کہ وہ یہیں کہیں آس پاس ہے اور جونہی میں اپنی جگہ سے ہلا وہ آ کر کہے گی "اچھا تو تم کہیں جا رہے تھے؟"... میں نے متعدد سگرٹ پیئے۔ کچھ چاکلیٹ کھائے اور نزدیکی سٹور سے دودھ کا ایک پیکٹ خرید کر نوش کیا... وہ پُورے تین گھنٹے کے بعد آئی... اور میں اُسے پہچان نہ سکا۔ وہ ایک راج ہنس لگ رہی تھی، تازہ سیٹ کئے ہوئے بال، سلک کا سفید لباس، سمور کی شال اور ہلکا میک اپ.... مجھے یقین نہ آیا کہ یہ وہی لڑکی ہے جس سے فرار ہونے کے منصوبے میں ابھی بنا رہا تھا.... دراصل میں نے اُسے جب بھی دیکھا کام کے لباس میں دیکھا۔ تاریکی میں دیکھا اور یا بالکل ویسے ہی دیکھا.... مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس کیمپنگ سے باہر جب ایک اچھے لباس میں ہو گی تو کیسی لگے گی.... وہ باقاعدہ خوبصورت تھی اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو اس کے قریب سے گذرتے تھے اور مُڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔

اس نے میری حیرت کو بھانپ لیا لیکن اس کا سبب نہ جان سکی "کیا میں اس لباس میں اچھی نہیں لگ رہی" وہ گھبرا گئی۔

"نہیں ٹھیک لگتی ہو" میں نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ دیا۔

"دراصل انٹرلاکن میں تو مجھے کوئی نہیں جانتا تھا اور میں وہاں کسی بھی لباس میں گھوم پھر سکتی تھی لیکن یہاں برن میں... یہ میرا شہر ہے اور مجھے لوگ جانتے ہیں.... اس لئے مجھے ذرا...."

"اور کیمپنگ؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ابھی تو مجھے تمہاری رہائش کا بندوبست کرنا ہے...." اس نے کلائی پر پہلی مرتبہ بندھی ہوئی ایک گھڑی پر نظر ڈالی اور ایک ٹیکسی کو اشارہ کیا "بیٹھو۔"

میں نے رُک سیک ٹیکسی میں رکھا اور ہم دونوں پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ کر کچھ خفت سی محسوس کر رہا تھا کیونکہ وہ اُس وقت بے حد پاش اور نکھری نکھری اور امارت کی مہک لئے ہوئے تھی اور میں ویسا ہی تھا عام سی جین اور جیکٹ میں ملبوس ایک نیم وحشی ہچ ہائکر...

ٹیکسی نے کچھ دور جا کر ہمیں ایک چوک میں اُتار دیا... مجھے یہاں کسی کیمپنگ کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ کیمپنگ کی جگہیں عام طور پر شہر سے باہر ہوتی ہیں اور یہاں ہم ایک خوبصورت بازار میں کھڑے تھے۔ یہ برن کے مشہور گھڑیال کے پہلو میں ایک قدیم سڑک تھی جس پر جھکی ہوئی عمارتیں اور محرابی برآمدے چودھویں صدی کے سوئٹزرلینڈ کی یادگار ہیں۔ وہ فوارے بھی اُسی طرح موجود ہیں جن کے تالابوں میں گھوڑے اور خچر پانی پیا کرتے تھے۔ سڑک بھی پرانے زمانے کی طرح بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ یہاں اس پورے علاقے میں کسی قسم کا ردّ و بدل کرنا خلافِ قانون ہے۔ آپ گھر یا دکان کے اندر جو جی میں آئے تبدیلی کریں لیکن اس کا ماتھا ویسے ہی رہے گا جیسے چار سو برس پیشتر تھا۔

"کیمپنگ کدھر ہے؟" میں نے اپنا رُک سیک اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ" اس نے ذرا رُعب سے کہا اور میں دب گیا کیونکہ وہ بارعب اور بااختیار لگ رہی تھی اور یہ بھی لگ رہا تھا کہ وہ کوئی بہت عظیم اور امیر خاتون ہے اور میں ایک کالا مزدور ہوں جو اُس کا سامان اٹھائے اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ وہ اِسی قدیم بازار پر کھُلتے ایک ہوٹل میں داخل ہو گئی۔ میں سر جھکائے

اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ استقبالیہ ڈیسک پر ایک نہایت لاغر اور مُنحنی قسم کے منیجر وغیرہ کھڑے تھے۔

"جی فرمائیے" وہ جیپسی کو دیکھ کر ذرا کھل گئے۔

"ایک ڈبل روم چاہیئے" جیپسی نے ایک ہاتھ کا دستانہ اُتارتے ہوئے کہا "اور باتھ روم اٹیچڈ"

لاغر صاحب نے رجسٹر نکالا اور اس پر کچھ عبارت رقم کی اور پھر جیپسی سے نام اور پتہ دریافت کیا.... اس کے بعد انہوں نے میری طرف نہایت مشکوک نظروں سے دیکھا کہ اس لیڈی کے ساتھ یہ گینگسٹر نما شخص کون ہے....

"آپ کو.... دونوں کو ایک کمرہ چاہیئے" انہوں نے ذرا توقف کے بعد پُوچھا۔

"ڈبل کمرہ" جیپسی نے جلدی سے کہا۔

"ہاں لیکن.... تو کیا آپ شادی شدہ ہیں؟"

میرا رنگ زرد پڑ گیا کہ یہ لڑکی مجھے بھی پھنسائے گی۔ پتہ نہیں اس کے ارادے کیا ہیں۔ یہ اُن زمانوں کی بات ہے جب آج کے مقابلے میں یورپ خاصا پس ماندہ ہوا کرتا تھا۔ یعنی ہوتا تو سب کچھ تھا لیکن کسی مناسب بہانے کے ساتھ اور ذرا شرافت کا دامن تھام کر... غیر شادی شدہ جوڑوں کو ذرا شک کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا جس طرح ان دنوں یورپ میں شادی شدہ جوڑوں کو حیرت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے....

"نہیں...." جیپسی نے باقاعدہ لبوں پر ہتھیلی جما کر ہنسی روکی "لیکن ہماری منگنی ہو چکی ہے"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے اس ہاتھ کی طرف اشارہ کیا جو دستانے میں پوشیدہ تھا اور پھر اُسے ذرا نمائش کر کے رکھ دیا یعنی میں نے انگوٹھی اس کے نیچے پہن رکھی ہے۔

"اچھا... تو پھر... کیا... آپ کو دو سنگل روم مل سکتے ہیں ڈبل روم نہیں" وہ

بے حد لجاجت سے بولے۔

"کیوں؟" جیپسی یکدم گرجی۔ اس کی آواز اتنی تیز اور بلند تھی کہ میں بھی ڈر گیا اور وہ صاحب تو پہلے سے ہی ڈرے ڈرائے تھے۔

"میڈم دراصل.... یہ ہوٹل دراصل ایک چرچ کی تنظیم کے تحت چلایا جاتا ہے اور آپ.... مجھے بہت افسوس ہے لیکن چرچ میں شادی شدہ...؟"

"سُنو" جیپسی نے اس کے قریب ہو کر کہا۔

"جی" وہ صاحب مسکراتے ہوئے آگے ہوئے۔

"تم جہنم میں جاؤ" جیپسی پھر گرجی اور ہم دونوں باہر آ گئے۔

"احمق کہیں کا... میں تو اس کی رپورٹ کر دوں گی کہ یہ شریف جوڑوں کو تنگ کرتا ہے اور یہ کیسا ملک ہے کہ ہمیں اتنی آزادی بھی نہیں..." وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی اور اُس کے کردار کا یہ گرج ناک پہلو میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا اور شائد اسی لئے مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ میں اُس سے یہ پوچھتا کہ بی بی مجھے تو آپ کیمپنگ تک چھوڑنے جا رہی تھیں اور اب کہاں چلی جا رہی ہو...

ہم سڑک عبور کر کے دوسری جانب واقع "ہوٹل ایڈلر" کے اندر چلے گئے... یہ ذرا مہنگا لگتا تھا لیکن اس کے اندر سوئٹزرلینڈ کے کسی پرانے مکان کا سا ماحول تھا۔ لکڑی کا فرنیچر۔ ایک بڑا آتش دان اور کوہ پیمائی کا سامان جو دیواروں پر سجا تھا... ہم سیدھے استقبالیہ کی طرف گئے۔ میں ذرا ڈرتا ہوا اور جیپسی اُسی غصے میں۔

"ہمیں ایک ڈبل روم چاہیئے"

استقبالیہ کلرک نے بورڈ سے ایک چابی اُتاری اور ڈیسک پر رکھ دی "دوسری منزل پر کمرہ نمبر سات... بازار پر کھُلتا ہے"

جیپسی کچھ مایوس ہوئی کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہوا اور پھر اُس نے مسکراتے ہوئے چابی

اٹھالی، ہوٹل کا ایک کارکن میرا سامان اٹھانے لگا تو میں نے اُسے روک دیا...

"نہیں" جیپسی مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی "تم خود نہیں اٹھاؤ گے، اسے دے دو" میں نے رُک سیک اُتار کر اس شخص کو دے دیا جو مجھ سے بہتر لباس میں تھا۔

دوسری منزل پر کمرہ نمبر سات کا دروازہ کھول کر جب ہم اندر گئے تو جیپسی مسکرا کر کہنے لگی "کیمپنگ"

اس "خیمے" میں دو بستر تھے۔ ایک واش بیسن تھا اور ایک بڑی کھڑکی تھی جو بازار پر کھلتی تھی۔ کھڑکی میں لکڑی کا ایک مستطیل ڈبہ سُرخ جرینیم کے پھولوں کو بمشکل سہارے ہوئے تھا اور وہ اُس کے کناروں سے بہہ کر ادھر اُدھر لٹک رہے تھے۔ میں نے کھڑکی سے جھانکا تو سامنے کی پوری عمارت میں درجنوں ایسی کھڑکیاں تھیں جن کے آگے پھولوں کی کیاریاں معلق تھیں۔

"کھڑکی بند کر دو" جیپسی نے آگے بڑھ کر کواڑ بند کر دیئے۔ کمرے میں روشنی مدھم ہو گئی "باہر دیکھنے کے لئے کچھ نہیں ہے"

"میں اُن کھڑکیوں کو دیکھ رہا ہوں جو عمارت پر پینٹ کی ہوئی لگتی ہیں" میں نے پھر کواڑ کھول دیئے "اور دیکھو" میں ذرا آگے ہو کر دائیں جانب دیکھنے لگا "یہاں سے بازار کے آخر میں واقع چوکور کلاک ٹاور بھی نظر آتا ہے"

جیپسی نے میری کمر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پرے دھکیل کر پھر کواڑ بند کر دیئے "یہاں سے کچھ بھی نظر نہیں آتا... بس کھڑکی مت کھولو"

میں نے رُک سیک میں سے شیو کا سامان باہر نکالا کیونکہ پچھلے دو تین روز سے میں شیو نہیں بنا سکا تھا۔

جیپسی نے مجھے شیو کی اشیاء واش بیسن پر سجاتے ہوئے دیکھا تو پاس آ گئی۔

"جی تو آپ یہ کیا کرنے لگے ہیں؟"

"میں اپنے آپ کو اس انتہائی باوقار خاتون کی صحبت کے لئے مناسب شکل دینے لگا ہوں تاکہ ہم میڈم اور مزدور نہ لگیں بلکہ دو دوست لگیں"

"تم شام کو شیو کرو گے" اس نے میرا سامان اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ ہم اس وقت باہر نہیں جا رہے شام کو جائیں گے..."

"اور اس وقت ہم کیا کریں گے؟"

"آرام کریں گے..." اس نے کپڑے تبدیل کر کے ایک کاغذی سا گاؤن پہن لیا اور کمرے کے دروازے سے لے کر کھڑکی تک چہل قدمی کرنے لگی... یہ فاصلہ سات آٹھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔

"کیا تم آرام سے نہیں بیٹھ سکتیں...؟"

"اوہ ہاں.... لیکن تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو... میں جو کچھ کر رہی ہوں درست کر رہی ہوں..."

"ہاں میرے لئے تمام پروگرام بن چکا ہے۔ میں کھڑکی سے باہر نہیں دیکھ سکتا۔ شیو نہیں کر سکتا اور اگر باہر جانا چاہوں تو باہر نہیں جا سکتا.... اگر ہمیں قید ہو کر ہی رہنا تھا تو اُدھر انٹرلاکن میں اپنے خیمے میں پڑے رہتے"

"اس میں مَیں کھسک جاتی تھی" اس نے سنجیدگی سے کہا "ابھی تم میں اتنی سمجھ نہیں ہے کہ ان معاملات کے بارے میں جان سکو..."

"ہاں... تمہاری عمر کو پہنچوں گا تو میں بھی بے حد دانا اور سمجھ دار ہو جاؤں گا..."

اس نے میری طرف دیکھا۔ ایک عجیب دُکھ کے ساتھ اور پھر میرے ساتھ بیٹھ گئی "میں تم سے اتنی بڑی نہیں ہوں کہ تم مجھے طعنے دو.... دو چار سال کا فرق کچھ زیادہ نہیں ہوتا"

”تو پھر تم مجھے اس طرح حکم کیوں دیتی ہو۔ مجھے یہاں ایک قید میں کیوں رکھنا چاہتی ہو؟“

”برن میرا شہر ہے۔“ وہ بولی ”یہاں میں بے شمار لوگوں کو جانتی ہوں، میرے دوست ہیں رشتہ دار ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ ہم دونوں کو دیکھیں.... یہ نہیں کہ میں اُن سے ڈرتی ہوں... نہیں.. لیکن وہ تمہیں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ....وہ باتیں بنائیں گے ...اور شاید وہ تم سے ملنا بھی پسند کریں کہ اسے آج شام ہمارے ہاں لاؤ، ڈنر پر آؤ، چائے کے لئے آؤ....اور میں برن میں تمہیں کسی اور کے ساتھ بانٹنا نہیں چاہتی... پلیز میری بات مانو... جس طرح تم اپنی گرینڈ مدر کی بات مانتے تھے۔“

”میری گرینڈ مدر بے چاری فوت ہو چکی ہے۔ اور مجھے یاد بھی نہیں کہ وہ کیسی تھیں....“

”بہر حال بڑوں کا کہنا ماننا چاہیئے...“ اس نے میرے گال تھپک کر کہا ”اچھے بچوں کی طرح“

”بچوں کو خوراک کی ضرورت بھی تو ہوتی ہے...“ مجھے اپنا خالی پیٹ یاد آ گیا ”انہیں بھوکا رکھو گی تو وہ بالکل ناکارہ ہو جائیں گے اور تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔“

”اوہ“ اس نے ہونٹوں پر ہتھیلی جمالی ”میں بھول گئی تھی.... اس نے گاؤن اُتارا اور ایک گلابی رنگ کی برساتی پہن لی... جپسی کو لباس سوٹ نہیں کرتے تھے۔ وہ انہیں صرف اپنے بدن کو پیک کرنے یا ڈھکنے کے لئے استعمال کرتی تھی۔ اس برساتی میں وہ بہت اچھی طرح پیکڈ تھی۔

”کیا تم صرف ایک برساتی میں باہر جاؤ گی؟“

وہ قریب آئی اور مجھے گیلا کر کے کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں نے اُس بلا کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر رک سیک کھولا اور اپنی چیزیں ترتیب سے رکھ دیں۔ تھوڑی دیر کے لئے

چوری چوری کھڑکی سے باہر جھانکا اور پھر اچھے بچوں کی طرح بستر پر لیٹ گیا۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ واپس آئی تو دو پھولے ہوئے شاپنگ بیگ اس کے ہاتھوں میں تھے اور وہ کچھ ہانپ رہی تھی.. اس کے ماتھے پر پسینہ تھا..

”یہ تمہیں طاقتور بنانے کے لئے خوراک ہے۔“ اس نے بیگ میز پر رکھ دیئے اور ان میں دنیا جہان کی خوراکیں تھیں... چاکلیٹ اور شہد سے لے کر پنیر اور گوشت اور دودھ وغیرہ تک۔ میں اگر اگلے دس روز انہیں ہر وقت نوش کرتا رہتا تو بھی یہ ذخیرہ ختم نہ ہوتا۔

”اسے کھائے گا کون؟“

”تم دیکھنا کہ تم ہی کھاؤ گے۔“

اور واقعی وہ سب کچھ میں نے ہی کھایا کیونکہ مجھے خوراک کی شدید ضرورت پڑتی تھی۔

”کھانے کے بعد ہم آرام کریں گے...“

آرام تو خیر کیا کرنا تھا۔

”دیکھا۔“ وہ ایک بچے کی طرح خوش ہو کر کہنے لگی ”یہاں میں کھسکتی نہیں“

مصر کے فرعون انسانوں اور جانوروں کو حنوط کر کے محفوظ کر لیتے تھے۔ اہل یورپ اپنے تہذیبی ورثے کو حنوط کر لیتے ہیں۔ وہ اپنی تاریخ کے ایک ایک لمحے کو اور اُس لمحے میں موجود تحریروں، تصویروں اور عمارتوں کو بھی اس طرح محفوظ کرتے ہیں کہ سینکڑوں برس بعد انہیں اسی طرح تمام تفصیلات اور باریکیوں کے ساتھ زندہ کیا جا سکتا ہے.. اس عمل کو ان کی عمارتوں میں دیکھئے کہ کیسے انہوں نے اپنے شہر اور قصبے جدید دستوں سے بچا کر اُسی طرز تعمیر میں محفوظ کئے ہوئے ہیں جو روز اوّل ان کی بنیاد میں تھا...... دوسری جنگ عظیم میں بہت کچھ ملیا میٹ ہو گیا لیکن جنگ کے خاتمے پر پہلا کام یہ ہوا کہ اُن شہروں اور قصبوں کے نقشے تلاش کئے گئے اور پھر انہیں اُسی طرز تعمیر میں دوبارہ

بنا لیا گیا... اہلِ یورپ قدامت کے شیدائی ہیں۔ دیکھتے مستقبل کی طرف ہیں اور سانس ماضی میں نہیں پسند کرتے ہیں۔ پتھر کی سڑکیں، پُرانے بُرج، قدیم گھڑیال، فوارے اور تالاب ... خاموش چوک اور گلیاں اور جیرینیم کے پھول... گھوڑا گاڑیاں.... برن کو سوئٹزرلینڈ والوں نے بہت سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

جپسی اور میں اس شہر کی رات میں نکلے اور ہم ایک عجیب خاموش اور پرانی دنیا میں نکلے۔ سڑکوں پر ٹریفک ختم ہو رہی تھی۔ دوکانیں اور سٹور بند ہو چکے تھے اور ہم قدیم محرابی برآمدوں میں چل رہے تھے۔ ہوا میں سردی کی کاٹ تھی اور ایک ایسا ٹھہراؤ تھا جو پُرانے زمانوں میں سانس لیتا تھا۔ اور ہم بھی شاید اُس شہر کی ٹھہری ہوئی رات میں سانس لیتے ہوئے قدیم ہوئے۔ میں زمین میں ہل چلانے والا ایک پنجابی کسان تھا اور وہ ایک خانہ بدوش تھی جس نے میری زمین پر اپنا خیمہ لگا لیا تھا۔

آرام کے بعد جب میں شیو کر رہا تھا تو وہ مجھے دیکھتی رہی اور پھر گائڈ کرنے لگی "نہیں یہاں سے دوبارہ کرو.... یہ ادھر چند بال ہیں.... نہیں تم ٹھیک نہیں کرتے۔ ادھر مجھے دو" اس نے ریزر میرے ہاتھ سے لیا اور بڑے آرام سے اس حصے کی شیو بنا دی۔

ہم دریا کے پار گئے اور پُل کے پہلو میں سے نیچے جاتی سیڑھیوں پر اُترنے لگے۔ دریا کی سطح کے ساتھ ایک ریلنگ تھی اور اس کے ساتھ ساتھ میزیں سجی تھیں۔ یہ ایک درمیانے درجے کا ریستوران تھا۔ ہم دونوں شانت ہو کر بیٹھ گئے۔ پانی کا شور تھا اور ایک بلند پُل کے دوسری جانب شہر کی عمارتیں تھیں اور ان میں کہیں کہیں روشنیاں تھیں۔

"تمہیں میرا شہر پسند آیا؟"

"میں نے تمہارا شہر ابھی دیکھا ہی کب ہے.... دن کو تم قید رکھتی ہو اور رات کو یہ نظر نہیں آتا۔"

"کیا کرنا ہے کسی بھی چیز کو دیکھ کر... یہ سب تو پس منظر ہوتے ہیں اچھے یا بُرے.... اصلیت تو ہم دونوں ہیں.... میں ہر شے کو منفی کر دینا چاہتی ہوں سوائے اپنے آپ کے اور تمہارے چہرے کے.... دیکھو یہ سب کچھ تو رہے گا۔ برن اور اس کے تالاب اور پھول لیکن ہم.... ہم تو نہیں ہوں گے.... تو کیوں نہ ہم جو رہے گا اُسے بھول جائیں اُس کی پرواہ نہ کریں اور صرف ایک دوسرے کو یاد رکھیں...؟"

"تم واقعی ایک بزرگ ہو اور بہت دانائی کی باتیں کرتی ہو" میں ہنسنے لگا... میں نے دریا کے شور میں ایک طویل اور گہرا سانس اپنے اندر بھرا اور خوشی کی ایک ایسی ہوا کو اپنے بدن پر چلتے محسوس کیا جو میرے روئیں کھڑے کرتی تھی۔ میں پہلی مرتبہ جپسی کی موجودگی میں مکمل خوش تھا اور پہلی مرتبہ میرا جی چاہتا تھا کہ میں اسے دیکھتا رہوں۔ وہ درست کہتی تھی کہ وہ مجھے اچھی لگے گی... لیکن میں نے اُسے اپنے اندر پیدا ہونے والی اِس تبدیلی کے بارے میں کچھ بتایا نہیں۔

کھانے کے بعد ہم اوپر پُرانے شہر میں آ گئے۔ بازاروں میں بہت کم لوگ تھے اور ایک ویرانی تھی جس میں ہم بے حد خوش تھے کیونکہ ہمیں کوئی نہیں پہچانتا تھا اور ہم مفرور مجرموں کی طرح دل ہی دل میں خوش ہوتے تھے اور سر جوڑے سرگوشیاں کرتے اور اکثر ٹھوکریں کھاتے پتھریلی گلیوں میں چلتے جاتے تھے۔

جب ہم اپنے ہوٹل واپس پہنچے تو نیچے استقبالیہ کمرہ اور راہداری تاریک پڑے تھے۔ ہم اپنی ہنسی روکتے جُھکے جُھکے اپنے کمرے میں چلے گئے... اور ایسا لگا جیسے ہم گھر آ گئے ہوں۔

ہم بہت تھک چکے تھے لیکن بہت زیادہ نہیں۔

میں نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔

"بیوقوف بچے.... سب کچھ نظر آ رہا ہے کھڑکی بند کر دو۔"

میں نے فوراً کھڑکی بند کر دی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ میں تمہیں اچھی لگوں گی؟" اُس کے باریک ہونٹ پھیلے۔

"لیکن ...."

"مجھے پتہ چل جاتا ہے .... تم نے آج مجھے اور طرح دیکھا ہے" وہ مسکرائے جا رہی تھی "اور کیا تم جانتے ہو کہ میں کسی قسم کی کوئی خوشبو استعمال نہیں کرتی اور اس کرے میں جو مہک ہے وہ میری اپنی ہے ...."

واقعی وہ مہک اُسی کی تھی۔

ہم دن کے وقت بہت کم باہر نکلتے۔ رات کو ہم پتھریلی گلیوں میں ایک ہو کر چلتے یا بڑے پُل کے عین نیچے لبِ دریا اُس ریستوران میں جا بیٹھتے۔ میرے ساتھ اُس کا برتاؤ اس قسم کا تھا جیسے ہم ایک عرصے سے ساتھ رہ رہے ہوں بلکہ اولاد بیاہ کر اب ریٹائرڈ زندگی بسر کر رہے ہوں۔ وہ ایک نوکرانی کی طرح میری خدمت کرتی اور ایک حاکم کی طرح میرے بارے میں فیصلے کرتی۔ اس کے اندر صرف دو جذبے تھے۔ محبت اور حسد.... وہ میری طرف ایک نظر دیکھنے پر راہ چلتی لڑکیوں کے گلے پڑ جاتی۔ یہ صورت حال کئی مرتبہ بہت نازک ہو جاتی .... چونکہ وہ جرمن میں بات کرتی تھی اس لئے مجھے کچھ پلّے نہ پڑتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب معاملہ زیادہ بگڑ جاتا تو مجھے احساس ہوتا اور میں اُسے بازو سے پکڑ کر زبردستی ایک طرف لے جاتا۔

"وہ تمہاری طرف دیکھ رہی تھی ...." وہ ابلتی ہوئی کہتی۔

"سب لڑکیاں تم جیسی نہیں ہیں جیسی" میں اسے سمجھاتا "تمہارا وہم ہوتا ہے کہ وہ سب میری طرف ہی دیکھ رہی ہوتی ہیں"

"نہیں میں جانتی ہوں ... یہ سب بہت بُرے کردار کی لڑکیاں ہیں اور وہ تمہارے ساتھ ...."

جپسی کی اپنی ذاتی فینٹسی تھی میرے بارے میں... اور وہ اسے حقیقت مانتی تھی اس میں کوئی ردو بدل نہیں کرتی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ نہیں آتا تھا کہ مجھے دنیا کے اور کام بھی ہیں۔ مجھے اپنی پڑھائی مکمل کرنا ہے۔ واپس اپنے ملک جانا ہے.... نہیں اُس کا اپنا ایک تصوّر تھا مستقبل کے بارے میں.... جیسے "ہوٹل ایڈلر" کا کمرہ ایک مکمل دُنیا تھی اور اس میں لبِ دریا ایک ریستوران تھا اور پانی کی آواز تھی اور تاریکی تھی.... اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کوئی نہ تھا۔ میں آئندہ کے بارے میں کچھ کہنے کی کوشش کرتا تو وہ ناراض ہو جاتی... میں بھی ایک ایسے شخص کی طرح تھا جس کا جہاز ڈوب چکا تھا اور وہ کسی ویران جزیرے میں پہنچ گیا تھا جہاں اُسے ساری آسائشیں حاصل ہیں۔ اسے کوئی غم نہ تھا اور اُس کے آس پاس سوائے اس لڑکی کے اور کچھ نہ تھا۔ اگرچہ وہ اِس جزیرے میں قید تھا لیکن اُسے یہ سب کچھ گوارہ محسوس ہوتا تھا... برن کی لاکھوں کی آبادی میں ہم دونوں ایک جزیرے میں تھے "ہوٹل ایڈلر" کے ایک کمرے کے جزیرے میں جس کی کھڑکی سے سُرخ جرینیم لٹکتے تھے۔

اُن دنوں میرے پاس ایک سیاہ جیکٹ تھی جو میں دن رات پہنے رہتا....
یہ جیکٹ ایک سیّاح اور آوارہ گھومنے والے شخص کے لئے بہت مناسب تھی۔ اس میں متعدد جیبیں تھیں جو زِپ سے بند ہو جاتی تھیں اور سوئٹزر لینڈ کی سرد شاموں کے لئے گرم بھی تھی... جب بھی ہم کمرے سے باہر جانے لگتے تو وہ کہتی "اچھا تو اب تم اپنی پسندیدہ جیکٹ پہنو گے؟" اور اس فقرے میں اتنا زہریلا حسد ہوتا جیسے اس نے کسی غیر لڑکی کو میرے بستر میں دیکھ لیا ہے۔

" یہ جیکٹ میری پسندیدہ نہیں ہے" میں بھنّا جاتا " بلکہ یہ میری واحد جیکٹ ہے اور باہر سردی ہے "

" ہونہہ باہر سردی ہے" وہ منہ کھول کر " ہونہہ" کرتی "تمہارے جسم کو سردی

کیا کہہ سکتی ہے"

" اتنی دیر میں مَیں جیکٹ پہن لیتا اور وہ بڑبڑاتی رہتی" ہونہہ... تمہیں بہت پسند ہے اس لئے پہنتے ہو۔ میرا جی چاہتا ہے میں ایک قینچی کے ساتھ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں... میں نفرت کرتی ہوں تمہاری اس چہیتی جیکٹ سے... اور جب تم نے اسے پہنا ہو تو میرے قریب مت آؤ.."

اس کے حسد کی کوئی سرحد نہ تھی۔

میں کوئی بھی فقرہ کہنے سے بیشتر یہ دیکھ لیتا کہ کہیں اس میں کسی شے کے بارے میں میری پسندیدگی کا عنصر تو ظاہر نہیں ہو رہا.... میں کسی شے کی طرف زیادہ دیر تک دیکھتا رہتا تو اُسے شک ہو جاتا....

کلاک ٹاور سے کچھ دور دریا کے قریب برن کے مشہور ریچھ تھے۔
ریچھ، برن کا امتیازی نشان ہے چنانچہ ریچھوں کے مجسّمے۔ تصویریں اور پرچم ہر مقام پر دیکھے جا سکتے ہیں... اِسی حوالے سے سطحِ زمین سے نیچے ایک جگہ متعدد ریچھ رکھے گئے ہیں اور اہلِ برن اپنے بچوں اور بوڑھوں کو یہ ریچھ دکھانے آتے ہیں اور اُس ریچھ گھر کے چاروں طرف کھڑے ہو کر ان کو جھانک جھانک کر دیکھتے رہتے ہیں۔ ایک روز ہم دونوں بھی اُدھر جا نکلے۔ ہم نے چھلی ہوئی مونگ پھلی ریچھوں کے لئے خریدی اور حسبِ معمول خود زیادہ کھائی اور بے چارے ریچھوں کو کم کھلائی۔ ان میں ایک بچہ یعنی ریچھ کا بچّہ بے حد مزیدار تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کا کہا نہیں مان رہا تھا اور بار بار ایک چھوٹے سے تالاب میں چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو بھگو لیتا.... مجھے اس کا یہ انداز بہت پیارا لگا اور جب بھی وہ تالاب میں قلابازی لگاتا میں ہنس ہنس کر بے حال ہو جاتا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ جپسی میری اس ہنسی میں شریک نہیں ہوتی۔ وہ میرا بازو پکڑے منہ پھُلائے اس طرح کھڑی تھی جیسے اُسے

کوئی سزا دی گئی ہو۔

"کیا بات ہے؟ تمہیں یہ ریچھ کا بچّہ مزیدار نہیں لگ رہا... میرا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس اس قسم کا ریچھ کا بچّہ ہو اور وہ میرے سامنے اس طرح چھلانگیں لگاتا رہے۔"

وہ خاموش کھڑی رہی... اور تب مجھے احساس ہوا کہ ایک بار پھر غلطی ہوگئی۔ مجھ سے ریچھ کے بچّے کو پسند کرنے کی غلطی ہوگئی تھی۔

ایک رات ہم واپس ہوٹل میں آئے تو اس نے حسبِ معمول جیکٹ میرے کندھوں سے اُتاری۔ اُس کی جیبوں میں جو کچھ تھا وہ نکال کر بستر پر پھینکا اور پھر کھڑکی کھول کر جیکٹ گلی میں پھینک دی "میں تم سے بے پناہ محبت کرتی ہوں" اس نے ہنستے ہوئے کہا "اور میں بے حد خوش ہوں۔"

اگلی صبح وہ میرے بیدار ہونے سے پیشتر باہر چلی گئی۔ جب واپس آئی تو چمڑے کی بنی ہوئی ایک سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھی جس کے بٹن بند نہیں ہو رہے تھے کیونکہ وہ اُس کے لئے بہت چھوٹی تھی۔

"یہ میری طرف سے ہے۔" اُس نے جیکٹ اُتار کر مجھے پہنا دی۔

برن میں بھی موسم گرما میں کئی ایسے دن آتے ہیں جب دھوپ آپ کو کچھ دیر کے لئے بے آرام کرتی ہے۔ تیز چلنے سے پسینہ آجاتا ہے اور کپڑے اُتار دینے کو جی چاہتا ہے۔ پیاس محسوس ہوتی ہے اور فضا میں ایک کسک ہوتی ہے۔ ایک بے چینی جو بہت پریشان کرتی ہے۔ سُرخ جرینیم کے قریب جانے پر مکھیوں کی بھنبھناہٹ کانوں میں آتی ہے.... لگتا ہے کہ جسم میں کچھ حدت ہے جو بے چین کرتی ہے... یہ ایک ایسا ہی دن تھا... ہم شائد پہلی مرتبہ دن دہاڑے اپنی پناہ گاہ سے نکل کر اس علاقے میں گئے تھے جہاں برن کا مشہور کلیسا واقع ہے... یہ کلیسا برن کا سب سے بڑا لینڈ مارک ہے اور دور دور سے دکھائی دیتا ہے ہم سیڑھیوں کے ذریعے اس کے مخروطی مینار کی آخری منزل تک چلے گئے۔ مینار کے گرد ایک گھیرے دار گیلری تھی اور اس گیلری کے نیچے بہت نیچے وہ چوک تھا جس میں ریچھوں کے آہنی مجسمے نصب ہیں۔ میں نے دیکھا کہ نیچے ہر طرف دھوپ تھی اور ویرانی تھی۔ بائیں ہاتھ پر دریا نظر آتا تھا اور اس کے کناروں پر درختوں کے جھنڈ اور پہاڑیاں۔ ہم برن کے بلند ترین مقام پر کھڑے تھے۔ گیلری پر وہ سرچ لائٹس نصب تھیں جن کی مدد سے کلیسا کی چوٹی منوّر کی جاتی ہے یہاں بھی بہت گرمی تھی۔ میں نے جیکٹ اُتار کر بازو پر ڈال لی۔

"میں اس سے پہلے کبھی یہاں نہیں آئی"۔ جیسی نے نیچے جھانکا "آؤ واپس چلتے ہیں مجھے یہاں اچھا نہیں لگ رہا۔"

"یہاں خاموشی ہے اور مکمل تنہائی ہے۔۔۔۔ تم یہی تو چاہتی ہو۔۔ اور پھر یہاں سے پورا برن اور وہ پہاڑ نظر آتے ہیں اور ایک جھیل بھی۔۔۔"

"تم جلدی سے دیکھ لو پھر چلتے ہیں۔"

گیلری میں ہمارے سوا اور کوئی نہ تھا۔ جیسی نیچے جھانکنے کے بعد اب گیلری سے ٹیک لگائے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک ہلکا پھولدار فراک پہنا ہوا تھا جو بقیہ لباسوں کی طرح اس کے جسم پر ناکافی لگ رہا تھا۔۔۔۔ اس نے دونوں ہاتھ میرے سینے پر جما دیئے۔

"تمہیں پسینہ آرہا ہے۔" وہ بولی۔

گیلری سے نیچے سینکڑوں فٹ نیچے دھوپ میں نہایا ہوا چوک تھا اور جیسی۔۔۔۔ اُس خواب کی ایک مدھم پرچھائیں کہیں سے تیرتی آئی۔۔۔۔ یہاں کون دیکھتا ہے۔۔ ہو سکتا ہے اس لڑکی کا کوئی منصوبہ ہو۔۔۔ ہو سکتا ہے یہ اس وقت ایک جسم نہ ہو دو ہوں تو پھر کیا ہوگا؟ میں اس چھوٹی سی عمر میں پھنس جاؤں گا۔ مجھے شادی کرنا ہوگی۔۔ اور میں ابھی بہت چھوٹا تھا اور۔۔۔ صرف ایک قربت جس میں ہم اتنے قریب ہوں کہ اُسے پتہ بھی نہ چلے جب اُسے نیچے دھکیل دیا جائے۔۔ نیچے۔۔۔ دھوپ میں ویران چوک میں ریچھوں کے مجسموں کے پاس وہ گرے گی۔۔۔۔

"آؤ نیچے چلیں" میں نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

"آہستہ پکڑو" وہ یکدم کراہ اُٹھی "کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں" میں نے مسکرانے کی کوشش کی "آؤ نیچے چلتے ہیں۔"

کیسینو پلازا سے برگر اور فرنچ فرائی خرید کر ہم دریا کے کنارے پہاڑی سیرگاہ

میں چلے گئے۔ یہاں راستے تھے اور نشستیں تھیں۔۔۔ ہم یہاں بھی پہلی مرتبہ دن کی روشنی میں آئے تھے۔ شائد ہمیں برن میں آئے ہوئے ایک ہفتہ گذر چکا تھا۔۔۔۔ یا شائد ایک مہینہ۔۔ دنوں کا کچھ حساب نہ تھا۔۔۔۔ وقت کا ایک تسلسل تھا جس میں میں تھا اور جیسی تھی اور بس۔۔۔۔ لیکن مجھے تو بہر طور یہاں سے جانا تھا۔۔۔ کب؟ جب جیسی مجھے چھوڑے گی یا اجازت دے گی۔۔۔ یا جب میں خود اس کے سحر سے آزاد ہونے کا فیصلہ کر لوں گا۔

کھانے کے بعد میں نشست پر لیٹ گیا۔۔۔ اوپر درخت تھے اور ان کی چھاؤں بھلی لگتی تھی لیکن بازوؤں پر جیسے کوئی سرد ہوا سانس ہوں۔۔۔۔ دریا کی قربت ایک دھیما اور مسلسل شور تھا۔۔۔ جیسی میری نئی جیکٹ گود میں رکھے مجھے دیکھ رہی تھی۔۔۔ شائد میں تھوڑی دیر کے لئے اونگھ گیا۔ میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور میں سُستی محسوس کر رہا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ پاکستان جانا چاہتی ہوں"

"کیا؟" میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

"میرا جی چاہتا ہے کہ میں تمہارا ملک دیکھوں۔" وہ ایک گمشدہ انداز میں کہنے لگی۔ "مجھے مشرقی کھانے اور مشرقی موسیقی پسند ہے اور مشرقی لوگ۔۔۔ میں مشرق دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"پُراسرار مشرق؟"

"ہاں۔۔۔"

"اسرار ختم ہو چکے اور ان کی جگہ اب مسائل ہیں۔۔۔۔ تم شائد مایوس ہوگی۔"

"نہیں اگر تم میرے ساتھ ہوگے تو میں مایوس نہیں ہوں گی۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "جیسی میں تمہارے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔"

اُس نے سر اُٹھا کر میری آنکھوں میں کچھ دیکھا۔ اُن کے اندر چلی گئی جیسے جاننا چاہتی ہو کہ جو کہا گیا وہ سچ ہے یا نہیں اور پھر وہ ذرا سا کپکپائی حالانکہ سردی نہ تھی اور پھر سنبھل گئی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"دیکھو میں ابھی بہت چھوٹا ہوں... میں نے ابھی پڑھائی مکمل کرنی ہے اور... مجھے وطن واپس جانا ہے... اور میں کچھ زیادہ عقلمند اور تیز بھی نہیں ہوں..."

"تم اگر میرے ساتھ شادی نہیں کرسکتے تو نہیں کرسکتے... بس؟"

"نہیں یہ اتنی آسان اور سیدھی بات نہیں ہے... یہ بہت مشکل ہے کہ تم وہاں اُس چھوٹے سے گھر میں رہ سکو اور وہ کام کرسکو جو... اور وہاں یہاں کی آسائشیں نہیں ہیں... تمہیں پتہ ہے؟" میں نے اس کا موڈ بہتر کرنے کی کوشش کی "وہاں بس سٹاپ نہیں ہوتے بلکہ کیمل سٹاپ ہوتے ہیں جہاں اونٹ آکر رکتے ہیں اور ان پر مسافر بیٹھ جاتے ہیں۔"

"میں بھی دوسرے مسافروں کی طرح بیٹھ جاؤں گی" اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لیکن..."

"سنو" وہ ہولے سے بولی جیسے بیمار ہو "تم بڑے ہوجاؤ گے تو میں بوڑھی ہوجاؤں گی..."

میں اپنی ہنسی نہ روک سکا... اس کا سراپا اتنا پُرکشش اور بے دھڑک تھا کہ اسے بوڑھی کہنا ایک مذاق سے کم نہ تھا۔

"ہاں میں سچ کہتی ہوں.. میں انتظار نہیں کرسکتی.. تم... ٹھیک ہے تم کل چلے جاؤ... میں تمہارا پیچھا نہیں کروں گی" وہ سر جھکائے بولتی رہی خشک آنکھوں کے ساتھ بولتی رہی "میں نے بہت کوشش کی ہے کہ تم مجھے پسند کرو لیکن ایسا نہ ہوسکا.. میں تو اس بات پر بھی راضی ہوں کہ تم مجھے بے شک پسند نہ کرو لیکن ہم اکٹھے رہ سکیں۔"

"میں تمہیں پسند کرتا ہوں... اور تم جانتی ہو؟"

"ہاں" وہ مسکرائی "اس عمر میں سب لڑکیاں پسند آجاتی ہیں اور خاص طور پر میرے ایسی لڑکیاں جن کی ڈکشنری میں "نہ" کا لفظ نہیں ہوتا... مجھے اس قسم کی پسندیدگی کا کوئی فائدہ نہیں... لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہیں کبھی بھی تمہارے آخری لمحوں تک کوئی اس طرح نہیں چاہے گا جس طرح میں تمہیں اپنے پورے بدن سے اور سانسوں سے چاہتی ہوں اس لئے کہ میرے ایسا کوئی اور نہیں ہے... اور آئندہ زندگی میں کبھی بھی اگر تمہیں کوئی مصیبت درپیش ہو، کوئی مسئلہ ہو تو مجھے ضرور بتانا... تم بے شک کل چلے جاؤ میں تمہیں روکوں گی نہیں..."

میں نے شام کو اپنا رک سیک باندھ لیا۔

رات کے کھانے کے لئے ہم کیسینو پلازا کے مشہور ریستوران کیسینو میں گئے جو بہت بڑا تھا اور بہت مہنگا تھا۔ جیسی ایک نہایت سادہ لباس میں تھی اور بے حد پُرکشش لگ رہی تھی۔

کھانے کے بعد ہم دیر تک دریا کے کنارے اس ریستوران میں بیٹھے مشروبات پیتے رہے۔ جیسی نے بیگ میں سے ایک سیاہ سویٹر نکال کر کاندھوں پر ڈال لیا۔

ہوٹل واپسی جاتے ہوئے کیسینو پلازا کے قریب ایک سٹور کے شوکیس میں ایک بہت دیدہ زیب سویٹر نظر آیا۔

"کیا تمہیں یہ سویٹر اچھا لگتا ہے؟"

"ہاں"

"تو صبح جانے سے پہلے میں اسے تمہارے لئے خرید لوں گا۔"

"یہ مجھے پورا نہیں آئے گا۔"

"اور سائز بھی تو ہوں گے۔"

"میرا سائز نہیں ہوگا.. میں بہت بڑی ہوں۔ بالکل سوس گائے.. تم نہیں جانتے؟"

"بہرحال.... میری خواہش تھی کہ میں تمہیں کچھ دوں..."

"تم مجھے کچھ دے سکتے ہو...؟"

"کیا؟"

"ہوٹل میں چل کر بتاؤں گی۔"

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مجھے کچھ دُکھ ہوا کہ یہ دنیا کل صبح ختم ہو جائے گی۔ یہ گھر چھِن جائے گا اور میں پھر خانہ بدوش ہو جاؤں گا۔

"تم کپڑے بدل کر لیٹ جاؤ کیونکہ صبح تمہیں سفر کرنا ہے ... کہاں جاؤ گے؟"

"زیورخ اور باسل کے راستے جرمنی۔"

"برن سٹیشن سے ہر ایک گھنٹے بعد زیورخ کے لئے ٹرین ملتی ہے۔ ہم آٹھ بجے کے قریب ہوٹل سے نکل جائیں گے...."

رات کا کوئی پہر تھا۔ ہم سوئے نہیں تھے۔ وہ مجھ پر جھکی "کیا تم مجھے اپنا بچہ دے سکتے ہو؟"

مَیں اٹھ کر بیٹھ گیا... وہ میری طرف اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے کوئی وِچ ڈاکٹر جادوئی پھونک مارنے سے پیشتر مریض کو دیکھتا ہے.. سیاہ اور حکم دیتی ہوئی آنکھیں "کیا تم میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے؟" میرے بازو میں کھُبتی انگلیاں مجھے اذیت دینے لگیں۔ "میں اُسے شہزادوں کی طرح پالوں گی" وہ اس وقت ایک تہذیب یافتہ سوس لڑکی نہیں لگ رہی تھی اور وہ تھی بھی نہیں۔ وہ جپسی تھی.... ایک ایسی جپسی جو اپنے قدیم جذبوں کی نگہبانی کر رہی تھی۔ کہیں وہ ان جدید بستیوں میں کھو نہ جائے.... وہ ڈری ہوئی تھی اور سمندری گھاس کی طرح مجھ سے لپٹتی تھی۔

برن کے سٹیشن پر وہ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے ایک کُند ذہن طالب علم کی طرح کھڑی تھی .... آپ کو معلوم ہے کہ آج رات جھیل ٹُھن کے کنارے .... میرا رُک سیک ٹرین کمپارٹمنٹ میں رکھا تھا اور میں باہر پلیٹ فارم پر اُس کے سامنے کھڑا تھا اور جیسے کوئی جرم کیا ہو ایسے کھڑا تھا... اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اس پر کچھ نہ تھا۔ نہ رنج، نہ غصہ، نہ افسوس اور نہ کوئی دُکھ نہ سُکھ... اُس کی آنکھیں بالکل خالی تھیں۔ میں ٹرین میں سوار ہوا تو وہ وہیں کھڑی رہی ایک کُند ذہن طالب علم کی طرح انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے.... میں نے حرکت کرتی ٹرین میں سے اُسے ہاتھ ہلایا مگر وہ ساکت کھڑی رہی اور پھر وہ بہت پیچھے رہ گئی جیسے بہت دور نیچے ہو۔ کہیں دھوپ میں نہاتے ہوئے ایک چوک میں گرتی ہوئی... بے حس و حرکت۔

زیورخ اتنا بڑا اور پھیلا ہوا شہر تھا کہ برن کی خاموشی کے بعد میں اس میں گم ہوگیا۔ اور یوں بھی میں ایک گمشدہ بچّہ تھا۔ اپنے ماں باپ اور گھر سے دور۔ اب مجھے میں خوف تھا جیسے میرے تن پر کوئی لباس نہیں اور میں سردی میں ٹھٹھر رہا ہوں۔ میں ہر شخص کو اور ہر شے کو خوفزدہ نظروں سے تکتا تھا کہ مجھے کچھ مت کہنا میں راستہ بھول گیا ہوں۔ میں ایک گھر میں رہتا تھا جو جیسی نے میرے لئے بنایا تھا اور اُس کی حفاظت میں رہتا تھا اور اب میں بے گھر ہوں۔ اگرچہ مجھے اُس سے محبت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اس نے میری مسرتوں کو نچوڑ لیا تھا۔ میں اب بے رنگ اور پھیکا پڑ چکا تھا۔

میں زیورخ میں ٹھہرنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن مجھے اِس شہر میں ایک ضروری کام تھا۔ انگلستان سے روانگی سے پیشتر میں نے اپنے ایک عزیز دوست کو کچھ رقم دی تھی کہ اگر مجھے یورپ میں ضرورت پڑ گئی تو تم فوری طور پر بینک ڈرافٹ وغیرہ کی صورت میں مجھے روانہ کر دینا.... اگرچہ برن میں تمام تر اخراجات جیسی نے اپنے ذمے لے لئے تھے لیکن اس کے باوجود میں وہ تمام ٹریولنگ چیک خرچ کر چکا تھا جو میرے خیال میں پورے سفر کے لئے کافی تھے چنانچہ میں نے اپنے عزیز دوست کو فوری طور پر لکھا کہ وہ میرے پیسے تھامس کُک اینڈ سنز زیورخ کے پتے پر بھیج دے۔

میں زیورخ پہنچا تو میرے پاس جھیل کے کنارے واقع زیورخ کی کیمپنگ تک پہنچنے کے لئے بھی کرایہ نہ تھا۔

کیمپنگ کے مالک سے میں نے درخواست کی کہ وہ صرف شام تک مجھے مُہلت دے تاکہ میں شہر واپس جا کر تھامس کُک کے دفتر سے اپنی رقم وصول کر کے اُسے ایڈوانس ادائیگی کر سکوں اور.... کیا وہ صرف دس فرانک اُدھار دے سکتا ہے تاکہ میں دوپہر کا کھانا کھا سکوں؟ کیمپنگ کا مالک ایک ہنس مکھ اور دھیمے مزاج کا شخص تھا۔ اس نے دس فرانک میری ہتھیلی پر رکھے اور کہنے لگا "اگر مزید رقم کی ضرورت ہو تو بلاتکلف کہنا...؟"

کیمپنگ کے ریستوران سے دوپہر کا کھانا کھا کر میں واپس شہر چلا گیا۔

زیورخ کی جھیل، جنیوا کی جھیل سے بہت مختلف تھی... یہ بہت بڑی اور کچھ یخ بستہ مزاج کی تھی۔ اس کے کناروں پر گھنی آبادیاں اور سڑکیں تھیں اور خلق خدا کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ مجھے کہیں بھی کوئی ایسا کنارہ نظر نہ آیا جو پُرسکون ہو اور جہاں لوگ آرام سے سوئمنگ کر رہے ہوں... دراصل زیورخ ایک شدید کاروباری شہر ہے اور کاروباری شہروں کا مزاج ایک سا ہوتا ہے، سرد اور بے رحم۔

تھامس کُک اینڈ سنز کے دفتر میں میرے نام کا خط میرا انتظار کر رہا تھا... یہ خط میرے عزیز دوست نے بھیجا تھا اور اس کی عبارت کا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ میرے پیارے دوست اُمید ہے کہ تم اپنے یورپی سفر سے خوب لُطف اندوز ہو رہے ہوگے۔ تمہارا خط ملا۔ اچھا تو تمہارے پیسے ختم ہوگئے ہیں۔ ٹھیک ہے میں تمہیں بھیج دیتا ہوں لیکن تم ذرا یہ لکھ بھیجو کہ رقم منی آرڈر کے ذریعے روانہ کروں یا بینک ڈرافٹ بھیجوں.... یا کیش لفافے میں ڈال کر روانہ کر دوں۔ اور ہاں ظاہر ہے تم زیورخ میں تو نہیں ٹھہرے رہو گے فوراً خط لکھو کہ تمہارے پیسے کون سے پتے پر روانہ کیے جائیں...

تمہارا عزیز دوست ....

میری ٹانگیں لرزنے لگیں۔ اب کیا ہوگا؟ میرے پاس تو رات کے کھانے کے لئے بھی پیسے نہیں اور مجھے ابھی آدھا یورپ عبور کر کے انگلستان واپس پہنچنا ہے.... کیسے پہنچوں گا؟ کیا کروں گا؟ میں اگر اپنے عزیز دوست کو خط لکھتا ہوں تو وہ تقریباً ایک ہفتے تک اسے پہنچتا ہے۔ پھر وہ مجھے اگر فوراً رقم بھیجتا ہے تو مزید ایک ہفتہ... یعنی مجھے کم از کم دو ہفتے زیورخ میں ٹھہرنا تھا کھائے پیئے بغیر اور کھلے آسمان تلے کیونکہ میں مکمل طور پر قلاش تھا۔ اور پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ میرا خط بروقت پہنچ جائے گا اور ضرور پہنچ جائے گا اور میرا عزیز دوست کہیں جائے گا نہیں اس دوران اور وہ فوراً رقم بھیج دے گا... لکڑیاں سلگ رہی تھیں اور دھواں پھیل رہا تھا۔ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا.... اور ہاں اس میں جو کمال کی بات تھی وہ یہ تھی کہ میرا ویزا بھی ختم ہو رہا تھا اور میں زیورخ میں زیادہ سے زیادہ چار پانچ دن ٹھہر سکتا تھا اور اس کے بعد مجھے سوئٹزرلینڈ سے نکلنا تھا کیونکہ ویزا بڑھوانے کے لئے بھی تو رقم درکار ہوتی ہے۔

میں ایک ایسے پلّے کی طرح تھا مس گگ کے دفتر سے باہر نکلا جسے شرارتی بچوں نے گلے میں رسّی باندھ کر گندی نالی میں گھسیٹا ہو.... باہر زیورخ ایسا فیشن ایبل اور خوبصورت شہر بالکل سیاہ ہو چکا تھا اور ہر طرف اداسی اور بھوک تھی، ہر شے مسمار ہو رہی تھی... چیزوں کے رنگ نہیں تھے اور میں دنیا کا مظلوم ترین شخص تھا... چند لمحے پیشتر میں ایک ریستوران کے آگے سے گذر گیا تھا کچھ سوچے سمجھے بغیر لیکن اب جب کہ میں قلاش تھا اُسی ریستوران کے قریب پہنچ کر میرے قدم آہستہ ہو گئے یہاں اندر ایک گرم آسودگی کے ماحول میں لوگ کھانا کھا رہے ہوں گے اور میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ ایک ڈبل روٹی خرید سکوں۔

کیمپنگ پہنچ کر میں اپنے خیمے میں لیٹ گیا... میں کیا کروں... عام حالات میں شائد

مجھے اس وقت اتنی بھوک نہ محسوس ہوتی لیکن اب مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں کئی روز سے بھوکا ہوں... میں نے اپنے رُک سیک کی تلاشی لی کہ شائد دو چار فرانک کا کوئی نوٹ اِدھر اُدھر پڑا ہو... لیکن وہاں کچھ نہ تھا... کہاں اِنٹرلاکن اور برن کے دن اور اب زیورخ میں مکمل بے بسی کے لمحے .... اس سفر کے دوران میری ملاقات ایک ایسے نوجوان ویسٹ انڈین سے ہوئی جس کا بیان تھا کہ وہ جب بھی سفر کرتا ہے صرف ٹکٹ کے پیسے خرچ کرتا ہے اور خوراک اور چھت خلق خدا کی طرف سے تحفے کے طور پر ملتی ہے ... یہ کیسے ممکن ہے؛ میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ شام کے وقت کسی بھی معروف سڑک پر کھڑا ہو جاتا ہے اور متعدد خواتین و حضرات کو روک کر کوئی راستہ پوچھتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ پتہ نہیں میں وہاں پہنچتا ہوں کہ نہیں اور میں بے حد تھکا ہوا ہوں.. ہائے ہائے اس ملک میں سیاحوں کا کوئی حال نہیں.. بقول اس کے صرف پانچ دس منٹ کے اندر اندر کوئی نہ کوئی خدا کا بندہ یا بندی اسے اپنے گھر لے جاتا اور ظاہر ہے کھانا بھی مہیا کرتا... میں نے سوچا کہ اگر اس فارمولے پر عمل کیا جائے تو شائد مجھے بھی کامیابی نصیب ہو... لیکن مسئلہ ایک رات گذارنے یا صرف زیورخ میں قیام کا نہ تھا بلکہ انگلستان واپسی کا بھی تھا۔ اگر میں مانگ تانگ کر ہُک آف ہالینڈ پہنچ جاتا ہوں جہاں سے فیری چلتی ہے تو فیری کے ٹکٹ کی رقم کہاں سے لاؤں گا.... تب میں نے جیپسی کے بارے میں سوچا۔

کیمپنگ کا مالک سوچ میں پڑ گیا...."تمہیں کتنی رقم درکار ہے؟"

"دو تین روز کے کھانے کے لئے، اتنے ہی دن خیمے کے کرائے کے لئے اور ایک ٹیلی گرام کے لئے" اس نے پچاس فرانک کا ایک نوٹ جیب میں سے نکالا۔ اُسے خاصی دیر غور سے دیکھتا رہا جیسے جی بھر کے دیکھ رہا ہو کہ یہ تو اب واپس آنے

سے رہا اور پھر میری طرف بڑھا دیا "اور تمہارا پاسپورٹ میرے پاس رہے گا۔"

"اور میرا خیمہ بھی جو آپ کی کیمپنگ میں نصب ہے۔۔" میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فوراً نزدیکی پوسٹ آفس کا رُخ کیا۔ یہاں سے تار بھجوائی جا سکتی تھی۔۔۔ انٹرلاکن کیمپنگ کی معرفت جیسی کو میں نے لکھا کہ میں زیورخ میں پیسوں کے بغیر ہوں اور کیا وہ واپسی ڈاک مجھے کچھ رقم روانہ کر سکتی ہے؟

اگلے روز گیارہ بجے ایک ٹیلی گرام، ایک تفصیلی خط اور پانچ سو فرانک کا ڈرافٹ مجھے پہنچ گیا۔۔۔" میں خود آنے لگی تھی لیکن میں نے سوچا کہ تم نے پیسے مانگے ہیں مجھے نہیں۔۔۔ اور تم یہ رقم واپس نہیں کرو گے کیونکہ یہ تمہاری ہے۔۔۔ ہاں اگر تم سلمانکا آسکو تو میں تمہارا انتظار کروں گی۔۔۔"

جیسی نے ایک خوفناک دلدل میں سے مجھے نکال لیا تھا۔

زیورخ اور اس کی جھیل ایک مرتبہ پھر خوبصورت دکھائی دینے لگی۔

میں نے کیمپنگ کے مالک کا ادھار واپس کیا۔ پھر شہر جا کر ایک انتہائی مہنگے ریستوران میں ایک شاندار سٹیک اور سیر بھر فرنچ فرائی کھائے۔۔۔ اب میں آرام سے بے فکری کے ساتھ انگلستان لوٹ سکتا تھا۔۔۔ اور میں لوٹ گیا۔

میں ۱۰۱۲، راشڈیل روڈ کے دروازے پر کھڑا تھا۔۔۔ میں جب یہاں سے نکلا تھا تو مجھ میں نوجوانی کی ایک معصومیت اور بچپن کا بھولپن ابھی تھا اور وہ معصومیت رخصت ہوئی اور اب میں ایک لڑکا نہیں ایک مرد تھا جو اپنی جنس سے آگاہ ہو چکا تھا۔ مجھے اِس دنیا کے اُن بھیدوں کے بارے میں علم ہو چکا تھا جن کی وجہ سے یہ دنیا آباد ہے۔۔۔

میں نے ابھی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھی ہی تھی کہ وہسکی کے بھونکنے کی آواز آئی اور وہ دُھندلے شیشے کے پیچھے تھوتھنی لگا کر مجھے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسے بھی پہچاننے میں دشواری ہوئی ہو گی۔ میں ایک مختلف شخص تھا۔ جُون نے دروازہ کھولا اور چند لمحوں کے لئے وہ بالکل خالی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔۔۔ میری شیو بڑھی ہوئی تھی اور بال کانوں پر آئے ہوئے تھے اور میرا رنگ پہلے کی نسبت زیادہ گندمی ہو چکا تھا۔

"اوہ" اس نے خوشی سے ایک ہلکی سی چیخ ماری "تو یہ تم ہو"

میں اندر چلا گیا۔ رُک سیک اتار کر نیچے رکھا اور ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔۔۔۔ بیڈ سائڈ ٹیبل پر پچھلے دو تین ماہ کی ڈاک پڑی تھی۔۔۔۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ چار پانچ

خطا جیسی کے ہیں۔

"مائے او مائے... تم بہت مختلف نظر آرہے ہو... بہت بدلے بدلے۔"

جون نے میرا ہاتھ تھام کر کہا" تمہارا سفر کیسا رہا... کہاں کہاں گئے۔"

میں نے اپنے سفر کی تفصیل بیان کی اور وہ اِس دوران میرے لئے کافی کا ایک پیالہ بنا لائی" لو پیو... کیا وہاں اچھی کافی ملتی ہے؟"

جون اُن انگریزوں میں سے تھی جن کے خیال میں انگلستان کے سوا پوری دنیا ایک جنگل ہے۔ یورپ کے بارے میں بھی وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہاں اچھی کافی مِل سکتی ہے یا نہیں۔

"اولڈ ہیری اپنے کمرے میں ہے؟" میں نے اٹھتے ہوئے کہا" تم ذرا دیکھو تو سہی کہ میں اس کے لئے کیا کیا داستانیں لے کر آیا ہوں..." نیوز آف دی ورلڈ" میں چھپنے والی تصاویر سے زیادہ ہیجان خیز داستانیں..."

"نیوز آف دی ورلڈ" اُس زمانے میں انگلستان کے بوڑھوں کا پسندیدہ ہفت روزہ اخبار تھا جس میں جنسی سیکنڈل اور نیم برہنہ تصاویر کی بہتات ہوتی تھی۔

"وہ یہاں نہیں ہے" جون کہنے لگی۔

"اور کہاں ہے وہ؟"

"تم بیٹھ جاؤ" جون نے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا" اولڈ ہیری چلا گیا ہے۔"

"کہاں؟" میں نے ایک دم پوچھا اور پھر میں جان گیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ اس کو زیادہ اذیت نہیں ہوئی... میں فیکٹری سے واپس آئی تو وہسکی بھونک رہا تھا اور ہیری اپنے بستر پہ لیٹا ہوا تھا... میں نے اسے بہت اچھا فیونرل دیا...

"گلاب کے پھولوں والا... اور میں نے تمہیں مس کیا۔"

"آئی ایم سوری جون... وہ تو میرا دوست تھا۔"

"ہاں..." جون بالکل نارمل تھی لیکن وہ کچھ ہنس زیادہ رہی تھی" وہ ہر شام ٹیلیوژن کے سامنے بیٹھے ہوئے کہتا۔ جون اُس کے بغیر میں بہت تنہا محسوس کرتا ہوں لیکن میں خوش ہوں کہ وہ دنیا دیکھنے کے لئے گیا ہوا ہے۔ اس وقت پتہ نہیں وہ کیا کر رہا ہے.. شائد وہ اِس لمحے بہت ہی شرارتی ہوگا... اور پھر تمہارے کارڈ آتے تو وہ انہیں وہسکی کے سامنے کر دیتا اور کہتا۔ کتّے اس کارڈ کو سونگھ کر بتاؤ کہ اس میں سے کونسے سینٹ کی خوشبو آرہی ہے..."

اس رات میں ایک مرتبہ پھر اُس سینما کی طرف گیا جہاں میں جایا کرتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو بدلا ہوا پایا۔ فلم میں اب وہ بھید نہ تھے اور میرے آس پاس جو کھسر پھسر ہو رہی تھی۔ میں اُس کی اصلیت بھی جانتا تھا... لیکن میں پوری فلم نہ دیکھ سکا اور ہال سے باہر آگیا۔ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے میرے بائیں بازو پر کھیت تھے اور وہ پہاڑیاں تھیں جو سردیوں میں برف سے ڈھک جاتی تھی... اور ہوا میں وہی نم سردی تھی جس میں دُھند کی خوشبو تھی.....

گہری، نیلے سمندروں سے بھی گہری
یہ اتنی گہری ہوتی ہے....

اُس برس میں مانچسٹر سے ساؤتھ اینڈ آن سی میں منتقل ہوگیا۔

ساؤتھ اینڈ سمندر کے کنارے آبادی کے ایک حصے کا نام تھا... ایک حصے کا اس لئے کہ سمندر کے ساتھ ساتھ آبادی چلی جاتی تھی اور ختم نہیں ہوتی تھی چنانچہ جہاں سے ساؤتھ اینڈ ختم ہوتا تھا وہاں سے ویسٹ کلف شروع ہوجاتا تھا اور ویسٹ کلف کے آگے لے آن سی تھا... لنڈن کی مشینی اور سرد زندگی کے مارے ہوئے لوگ ویک اینڈ پر ساؤتھ اینڈ کا رُخ کرتے... یہاں پر کیسینو تھا۔ کھیل تماشے رقص گاہیں، ساحلی ہوٹل پارک اور سمندر تھا... اور ہاں دنیا کا طویل ترین سمندری راستہ تھا یعنی پیئر... ایک قسم کا پل جو تقریباً ایک میل تک سمندر میں جاتا تھا۔ اس کے آخر میں وہی کھیل تماشے اور رقص گاہیں۔ اس پیئر پر ایک چھوٹی سی ٹرین چلتی تھی۔ پیدل چلنے والوں کے لئے راستہ بھی تھا... سنا ہے کہ اب اس پیئر کو مسمار کیا جا رہا ہے... ساؤتھ اینڈ ہفتے کے پانچ روز دنیا کا خوبصورت ترین قصبہ تھا اور دو دن یعنی ہفتے کی دوپہر اور اتوار کے روز دنیا کا بدترین قصبہ تھا کیونکہ لنڈن والے یہاں دھاوا بول دیتے... ہاتھ میں کون آئس کریم۔ سر پر فینسی ہیٹ۔ منہ میں سیٹیاں اور بگل... وہ آتے اور ہم اپنے گھروں میں دبک جاتے۔

ساؤتھ اینڈ میں ایک کالج تھا اور میں وہاں کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے جپسی کو پہلے اپنے نئے ایڈریس کی اطلاع کی۔۔

پھر ایک روز پانچ سو فرانک کے برابر برطانوی پاؤنڈوں کا ایک ڈرافٹ اس کے نام بنوا کر بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ روانہ کر دیا۔

چند روز بعد یہ ڈرافٹ واپس آگیا" میں نے تمہیں لکھا تھا کہ تم یہ رقم واپس نہیں کرو گے کیونکہ یہ تمہاری ہے... ہاں اگر تم سلمانکا آسکو تو..."

میری نئی لینڈ لیڈی بھی ایک نہایت ہی پیار کرنے والی اور اعلیٰ انسانی اقدار کی حامل روح تھی... چونکہ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ حامل ہوئی تو صرف اعلیٰ انسانی اقدار کی... اور ستر برس کی عمر تک رہی۔

ہر صبح ناشتے کی میز پر سوئٹزرلینڈ کے ٹکٹوں والا ایک لفافہ رکھا ہوتا...

جپسی مجھے روزانہ ایک خط لکھتی... چاہے ایک سطر یا کوئی طویل بات لیکن روزانہ... اور میں اُسے دس پندرہ روز بعد جواب دیتا... دیگر مشاغل سے فرصت بہت کم ملتی تھی... اور شاید یہ جپسی کا قصور تھا کہ اس نے مجھے ان مشاغل کی گہرائی سے تعارف کروایا تھا... میں صبح تیار ہو کر نیچے کھانے کے کمرے میں آتا اور اپنی لینڈ لیڈی سے ڈاک کے بارے میں پوچھتا تو وہ کہتی "اس کے علاوہ تمہارے دو خط آئے ہیں"

"اس کے علاوہ" جپسی کا روزانہ خط تھا۔

جون کا خط مانچسٹر سے آتا... ہیری چلا گیا اور تم ویسے ہی چھوڑ گئے میں بہت تنہا محسوس کرتی ہوں۔ کیا تم اپنی لینڈ لیڈی کو یاد نہیں کرتے... میرے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ میں ادھیڑ عمر لینڈ لیڈیوں کو یاد کرتا۔

ستمبر کے آخر میں ایک خط آیا جس پر ہسپانیہ کے ٹکٹ تھے... جپسی سلمانکا میں تھی۔

"سلمانکا اتنا خوبصورت گرم موسم والا قصبہ ہے کہ تم یہاں صرف ایک نیکرا در بنیان میں گھوم سکو گے اور یہاں کے لوگ بالکل تم جیسے ہیں۔ میں جب اُن کے گندمی بدن دیکھتی ہوں تو مجھے تم یاد آتے ہو۔ کیا میرا گندمی بدن میرے پاس نہیں آئے گا... میں نے ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لیا ہے جس کی ایک ہسپانوی بالکونی ہے اور اُس بالکونی میں ایسے پودے ہیں جو کرسمس کے آس پاس پھول دینے لگیں گے... اور تم ایک بے آواز بستر پر سو سکو گے۔" اُس کے بعد اُس کے روزانہ خط کے آخر میں ایک فقرہ ضرور ہوتا۔ سلمانکا میں ملیں گے۔ میں نے اِس سلمانکا سلسلے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا... کیا مجھے جانا چاہیئے؟... یہ ایک طویل اور مہنگا سفر تھا... اگرچہ جیسی نے متعدد بار مجھے ٹکٹ روانہ کرنے کے بارے میں پوچھا تھا میں شائد جا سکتا تھا لیکن مجھے ایک خدشہ تھا... اور وہ یہ کہ سلمانکا کے بعد کیا ہوگا... کیا جیسی سلمانکا کے بعد مجھے یہ کہہ دے گی کہ ٹھیک ہے تم یہاں آگئے اب جہاں جی چاہتا ہے چلے جاؤ میں تمہیں کبھی نہیں بلاؤں گی... مجھے معلوم تھا ایسا نہیں ہوگا۔ سلمانکا کے بعد ایک اور سلمانکا ہوگا اور پھر ایک اور... یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا... اور میں اس سلسلے کو جاری رکھنے کے بارے میں کچھ زیادہ خواہش مند نہ تھا۔ ہاں کسی وقت میرا جی چاہتا کہ مجھے جانا چاہیئے... ہسپانیہ کا ایک دھوپ بھرا قصبہ جہاں ایک بالکونی میں کرسمس کے موسم میں پھول ہوں گے اور جیسی ہوگی اور... لیکن اس خواہش میں زیادہ حصّہ اُس پُر آسائش زندگی کے حوالے سے ہوتا جو مجھے وہاں میسر آتی... اس میں جذبات کا عمل دخل کم ہوتا...

کالج میں کرسمس کی چھٹیوں سے پیشتر پرنسپل نے ایک مختصر تقریر کی "کرسمس کے موقع پر اپنے گھر اور اپنے ملک سے دور ہونا بے حد بے چارگی ہے۔ آپ میں سے جو غیر ملکی طالب علم ہیں وہ اگر پسند کریں تو کرسمس کے روز میرے ہاں آجائیں۔ میں انہیں

خوش آمدید کہوں گا... میری کرسمس"

میرا خیال ہے پرنسپل نے یہ دعوت زیادہ سنجیدگی سے نہیں دی تھی... لیکن ہم نے اِسے سنجیدگی سے لے لیا۔

نوخیزی میں برفباری کے موسم ہوں اور کرسمس کے درخت پر چھوٹے چھوٹے بلب ٹمٹماتے ہوں تو ایک عجیب تجربہ ہوتا ہے... ہوا میں کرسمس کی سرد مہک تیرتی ہے۔ انگریز شائد سارا سال صرف کرسمس کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ ایک ہی تو تہوار ہے اُن غریبوں کا ہماری طرح ہر روز عید نہیں ہوتی۔ چنانچہ کرسمس سے سات آٹھ ہفتے پیشتر کرسمس کا رنگ دکھائی دینے لگتا ہے۔ اُس موسم کے آنے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں... کرسمس منانے کے لئے عیسائی ہونا بالکل ضروری نہیں بلکہ نوجوان ہونا ضروری ہے .... اس روز برفباری ہو رہی تھی اور چھ سات غیر ملکی طالب علم برف کی تہوں میں پاؤں رکھتے اور پھر بمشکل اٹھاتے، اپنے سروں سے برف جھاڑتے۔ دستانے درست کرتے اور سردی سے اکڑے ہوئے کانوں کو ملتے ایک ویران اور نیم تاریک قصبے کے فٹ پاتھ پر چلتے جاتے تھے۔ کرسمس کے روز انگریز گھر سے باہر نکلنا گناہ سمجھتے ہیں۔ کرفیو کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس قافلے کا سالار ایک چینی لڑکا چانگ تھا یا شائد اس کا نام وانگ تھا اور وہ بالکل اکڑ کر چل رہا تھا پاسنگ آؤٹ میں پریڈ کرتے ہوئے ایک کیڈٹ کی طرح اور اُس کے ہاتھ میں ایک کرسمس کیک تھا جو سب حضرات نے چندہ جمع کر کے پرنسپل صاحب کے لئے خرید کیا تھا۔

گھروں کے مختصر باغوں میں برف سفید اور دبیز تھی اور شیشے کی کھڑکیوں میں کرسمس درخت تھے۔ پرنسپل صاحب کے گھر کا گیٹ برف کی وجہ سے بمشکل کُھلا۔ گھنٹی بجائی تو پرنسپل صاحب نے دروازہ کھولا... ایک خالص انگریز۔ ٹویڈ کا کوٹ جس کی کُہنیوں پر چمڑا لگا ہوا تھا۔ گرے فلینل کی پتلون۔ اونی ٹائی اور بٹنوں والا موٹا سویٹر... اور ہاں

پائپ بھی جو منہ میں تھا لیکن ہمیں دیکھ کر گرنے لگا... کیونکہ پرنسپل صاحب اتنے سارے طالب علموں کو دیکھ کر کچھ حیران ہوگئے اور اس حیرانی میں ان کا منہ کھُل گیا چنانچہ پائپ گرتے گرتے بچا۔

"ہاپی کارِس مَس سَر..." چانگ یا وانگ نے کرسمس کیک پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہیپی کرسمس سَر..." ہم سب نے فقیروں کی طرح صدا دی۔

"اوہ ہیلو..." پرنسپل صاحب بالآخر بولنے کے قابل ہوگئے "شکریہ... آؤ بھئی آؤ..."

"تھانک یُو" وانگ نے جھک کر کہا اور اندر گھس گیا اور ہم سب اس کے پیچھے پیچھے.... اندر ایک ایسی سُکھ دینے والی حدّت تھی اور ڈرائنگ روم کی جانب سے پیانو کی دل آویز موسیقی آتی تھی اور کہیں اور سے کسی نہایت ہی آسمانی کھانے کی خوشبو اور جب ہم نے جھانک کر دیکھا تو دو نہایت ہی پیاری خواتین جن کے گال اُس آگ کی تمازت سے دہک رہے تھے جو آتش دان میں بڑبڑاتی ہوئی جلتی تھی.... ہمارے اکڑے ہوئے کان نرم ہوئے اور اُن میں جان پڑگئی۔ ہماری اُنگلیاں دستانوں میں انگڑائیاں لینے لگیں.... اب اگر ہمیں کسی بُل ڈوزر کے ذریعے بھی وہاں سے دھکیلنے کی کوشش کی جاتی تو وہ یقیناً ناکام رہتی۔

پرنسپل صاحب دروازہ بند کرکے آگئے "بھئی اِدھر... واہ مجھے تو بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ آپ لوگ آسکے ورنہ میں تو ہر سال طالب علموں کو دعوت دیتا ہوں لیکن کبھی کوئی نہیں آتا.... یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کوئی آیا..."

ہمیں یقین تھا کہ آئندہ برس پرنسپل صاحب دعوت دینے میں احتیاط برتیں گے۔

ڈرائنگ روم کی کھڑکی میں ایک بہت بڑا کرسمس درخت جگمگا رہا تھا اور اُس کے قریب پیانو پر ایک لڑکی جگمگا رہی تھی۔

"بھئی یہ ہیں میری بیٹیاں... کیرل اور آڈری... اور یہ ہیں... آہم. بھئی کیا

نام ہیں آپ کے...؟"

ہم نے اپنے اپنے نام بتائیے لیکن وہ اُن کے پلّے نہ پڑے...

مجھے معلوم نہیں کہ کیرل اور آڈری عام دنوں میں اِسی طرح دمکتی تھیں یا صرف کرسمس کے روز اُن کے رخسار تمتماتے تھے اور اُن کا ماتھا سرخ ہوتا تھا اور اُن کے سویٹروں اور بالوں کی خوشبو ہم ایسے پردیسیوں کو پاگل کرتی تھی... مجھے اُن میں کوئی زیادہ فرق نہیں لگتا تھا وہ ایک جیسی تھیں۔ ایک جیسی شکلیں اور ہوبہو بناوٹ.... پوری شام میں یہ نہ جان سکا کہ ان میں کیرل کون ہے اور آڈری کون... اور اس سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ اتنی پیاری لگ رہی تھیں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا.... ہم سب کے اندر خوشی ایک وحشی جانور کی طرح منہ زور ہو رہی تھی۔

"میں نے کہا مسز..." پرنسپل صاحب نے اپنی بیگم کو پکارا جو کچن میں چار آدمیوں کے لئے ڈنر تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ آئیں تو ہمیں دیکھ کر اپنے خاوند سے بھی زیادہ حیران ہوئیں۔

"یہ لوگ کھانا کھائیں گے" پرنسپل صاحب نے بے حد ڈرتے ڈرتے بیگم سے کہا۔

"یہ سب لوگ؟" بیگم صاحبہ نے غصّے کو دباتے ہوئے پوچھا۔

"آں... ہاں...؟" پرنسپل صاحب نے سر ہلایا۔

"لیکن جارجی تم نے بتایا کیوں نہیں کہ یہ لوگ آرہے ہیں؟"

"مجھے خود پتہ نہیں تھا کہ یہ لوگ آرہے ہیں" پرنسپل صاحب نے ایک بھیگی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر ہم سب کی طرف دیکھا کہ شاید ہم یہ کہہ دیں کہ جی نہیں ہم کھانا نہیں کھائیں گے لیکن ہم کہاں کہتے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ میں کچھ نہ کچھ بندوبست کرلوں گی..." ان کی بیگم نے یکدم سب

کچھ بھولتے ہوئے کہا اور وہ دراصل خوش ہوئیں کہ ہم صرف انہیں ملنے کے لئے آئے ہیں" یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ لوگ کرسمس ڈنر بھی نہ کریں.... یقیناً اس وقت آپ کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی کرسمس کیرل گا رہے ہوں گے اور وائن پی رہے ہوں گے۔"

"جی بالکل" ہم سب نے سر ہلایا حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی عیسائی نہ تھا، تین پاکستانی، ایک چینی، ایک ہندوستانی اور ایک سوڈانی.... میں نے بھی انہیں یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اس وقت ہمارے ماں باپ کرسمس کیرل گانے اور وائن پینے کی بجائے آلو گوشت کھا کر شائد حقہ پی رہے ہوں گے اور اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوگا کہ کہ آج کرسمس وغیرہ ہے۔

"کیرل...." پرنسپل صاحب جو کہ گھر میں جارجی تھے اپنی ایک بیٹی کو مخاطب کر کے کہنے لگے "بھئی تم کرسمس کیرل گاؤ ان بچوں کے لئے۔"

اس دوران بچے اِدھر اُدھر انتہائی آرام دہ نشستوں پر براجمان ہو کر چاکلیٹ اور دیگر مٹھائیاں تناول کر رہے تھے.... کچھ حضرات ایک کونے میں سجی میز کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ اس پر ایسے ایسے رنگوں کے پانی تھے کہ جی خوش ہو جاتا تھا۔

"کیرل تو خود کرسمس کیرل ہے" میں نے ذرا آزاد ہونے کی کوشش کی لیکن کیرل بی بی نے کوئی توجہ نہ کی اور سٹول پر بیٹھ کر پیانو بجانے لگیں.... دوسری بی بی یعنی آڈری نے اپنی بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ایک انتہائی منحنی اور مزاحیہ قسم کی "آ...." کی جس پر کچھ حضرات ہنسی نہ روک سکے لیکن میں ضبط کیے بیٹھا رہا۔ پانچ چھ "آ آ...." کے بعد اس نے ایک "ہا آ" کیا اور پھر ہماری طرف داد طلب نظروں سے دیکھا۔ ہم میں سے کچھ حضرات نے یوں سر ہلایا جیسے بہت مزہ آیا ہو.... بہر حال اس کلاسیکی تمہید کے بعد صورتِ حال کچھ بہتر ہو گئی اور کیرل نے کیرل گانے شروع کر دیئے۔

"لڑکو تم اپنی مدد آپ کرو" پرنسپل صاحب یعنی جارجی نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر تمام حضرات ہڑبڑا کر اٹھے اور پانیوں پر دھاوا بول دیا....

پرنسپل صاحب کے ہاتھ میں برانڈی کا گول اور پتلا گلاس تھا اور وہ اُسے کبھی کبھی سونگھ لیتے تھے۔ میں اٹھا اور کرسمس درخت کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اس پر کچھ ستارے تھے جو جگمگاتے تھے اور چھوٹے چھوٹے پلاسٹک کے باوے اور کھلونے لٹک رہے تھے۔ بڑی کھڑکی کے بند شیشوں کے باہر اگرچہ رات تھی لیکن برف کی وجہ سے ایک ہلکی برفیلی روشنی تھی جس میں چیزیں دکھائی دے جاتی تھیں۔ سڑک ویران تھی اور جھاڑیوں اور درختوں پر برف خاموشی سے گر رہی تھی۔

"ہیلو جارجی" وانگ نے پرنسپل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا....

"ہیلو" پرنسپل صاحب نے مسکرا کر وانگ کی طرف دیکھا۔

کیرل اب صرف پیانو بجا رہی تھی اور ہم سب گلا پھاڑ پھاڑ کر کچھ گا رہے تھے .... کبھی تو "میں ایک سفید کرسمس کا خواب دیکھ رہا ہوں" کا الاپ شروع ہو جاتا اور کبھی کوئی اور کرسمس کی دُھن۔

ڈرائنگ روم میں روشنی یوں بھی بہت کم تھی.... صرف دو بڑی موم بتیاں روشن تھیں۔

"ڈنر از ریڈی" پرنسپل کی بیگم نے برابر کے کمرے سے پکارا اور ہم سب قہقہے لگاتے اور شور مچاتے ادھر چلے گئے۔ کیرل اور آڈری اب ہم سے الگ نہ تھیں، وہ ہمارے گروہ میں شامل ہو چکی تھیں اور خوب لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

روسٹ ٹرکی۔ برسلز سپراؤٹ کا ڈنرا اور کرسمس پڈنگ سویٹ کے طور پر اور اس کے ساتھ پینے کے لئے بہت کچھ۔

کھانے کے بعد ہم سب پھر ڈرائنگ روم میں لوٹ آئے اور پھر پیانو کی شامت

آ گئی....

آڈری کسی کام سے باہر گئی۔ واپس کمرے میں آئی تو دروازے میں کھڑی ہو گئی ...." ارے سنو... کسی نے غور کیا ہے کہ میرے عین اوپر دروازے پر کیا لٹک رہا ہے؟"

سب نے غور سے دیکھا۔ کوئی جھاڑی تھی چھوٹی سی۔

"چند پتے ہیں" میں نے کہا۔

"پتے نہیں ہیں یہ تو مسل ٹو ہے..." وہ ذرا اٹھلا کر بولی۔

"اچھا تو یہ مسل ٹو ہے..." وانگ نے پتوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔

"دراصل..." پرنسپل صاحب کھانسے "کرسمس کے دن اگر آپ مسل ٹو کی جھاڑی کے نیچے کھڑے ہوں گے تو آپ کو بوسہ دینا پڑے گا۔"

"اچھا!" ایک افریقی لڑکے نے چلّا کر کہا "کس کو؟"

"ٹھیک ہے" وانگ کہنے لگا "میں اس کے نیچے کھڑا ہوں کون ہے جو آئے اور مجھے چوم لے۔"

"اوئے سٹوپڈ..." آڈری نے اس کے سینے پر ہلکا سا گھونسا رسید کیا "اس کے نیچے تو میں کھڑی ہوں۔"

کرسمس کی یہ خاص رسم جانے کیوں ہم سب کو بے حد پسند آئی...

رات بھیگ رہی تھی۔ ہم میں سے کوئی باہر گیا اور واپس آ کر کہنے لگا "برفباری رک گئی ہے۔"

کیرل پیانو پر ایک مشہور گیت "ٹرولو" بجانے لگی۔

"میں تمہیں دوں اور تم مجھے دو....

سچا پیار...

ہمیشہ کے لئے سچا پیار..."

ہم سب اپنی آواز کو گلے کی گہرائی میں سے برآمد کر کے "ٹرولو، ٹرولو" گا رہے تھے۔ کرسمس درخت کے پس منظر میں برف کی ہلکی روشنی تھی اور آتش دان میں آگ بڑبڑا رہی تھی اور اس کی تمازت ہمارے چہروں کو سُرخ کرتی تھی.... اور تب مجھے اس لمحے جیپسی کا خیال آیا... سلمانکا بہت دور تھا... میں نے ذہن پر زور دے کر یہ خیال کرنا چاہا کہ سلمانکا میں اس وقت جیپسی کیا کر رہی ہو گی... کیا وہ بھی میری طرح رقص کر رہی ہو گی اور پیانو کے ساتھ گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہی ہو گی یا اس بالکونی میں بیٹھی ہو گی جس میں لگے ہوئے پھول اِن دنوں کھلنے تھے.... سلمانکا بہت دور تھا...

ہم اس مہربان گھر سے باہر فٹ پاتھ پر آئے تو وہ آتش دان، پیانو پر بیٹھی ہوئی کیرل اور آڈری.... اور کرسمس کا سارا موسم اُجڑ گیا۔ اب ہر طرف ایک خاموشی تھی۔ برف میں چلتے ہوئے کچھ پاؤں.... ہمارے جسموں سے حدّت رخصت ہوئی اور ہم کانپنے لگے ہم اپنے اپنے گھروں سے بہت دُور تھے۔

اور سلمانکا... اور جیپسی... وہ بھی بہت دور تھے...

ناشتے کی میز پر رکھے خطوط قدرے بے قاعدہ ہونے لگے .... اس نے شکایت کا ایک لفظ نہ لکھا ..... کہیں کوئی حوالہ نہ دیا۔ چبھتا ہوا فقرہ نہ لکھا ... صرف یہ لکھا کہ کرسمس کی شام کو وہ بالکونی میں بیٹھی ہنگیرین خانہ بدوش موسیقی سنتی رہی ... اور بس ...

میں کبھی کبھار ہی جواب دیتا۔

اگلے برس جیسی کا ایک طویل خط موصول ہوا .... وہ اطالوی ہے اور فیئٹ کے کارخانے میں شیئر ہولڈر رہے۔ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میں بھی اس کے ساتھ محبت کرتی ہوں ....

میں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔

اگلے خط میں اُس نے شادی کی تاریخ لکھی اور اگر تم اب بھی آجاؤ اور ....

میں نے جواب میں اس کی آئندہ شادی شدہ زندگی کی مسرتوں کی خواہش کا ایک تار روانہ کر دیا .... اس کے ساتھ شادی کارڈ بھی جس میں بائبل کی کوئی مقدس کوٹیشن تھی۔

اب ناشتے کی میز پر صرف اخبار میرا منتظر ہوتا۔

جیسی کی جانب سے خاموشی تھی .... اور شاید میں نے بھی اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ ایک برس میرے والد صاحب کا خط آیا۔ تم اگر پاکستان آجاؤ تو بہتر ہوگا۔ تم بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہو اور اب وقت ہے کہ تم اُن کے لئے کچھ کرو ... میں نے بلا سوچے سمجھے ٹکٹ کٹایا اور پاکستان پہنچ گیا .... والد صاحب کے علاوہ اگر کوئی اور مجھے بلاتا تو شاید میں واپس نہ جاتا۔

ہر طرف دُھول تھی۔

ہر شے پر دھول تھی اور فضا میں بھی گرد کا ایک غبار معلق تھا جس میں مَیں سانس نہیں لے سکتا تھا۔ یہ لوگ کیسے زندہ ہیں۔ کس طرح سانس لیتے ہیں۔

لوگ اتنی آہستگی سے چلتے تھے کہ اُن پر افیونی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

مال روڈ اور ریگل چوک جنہیں میں نے شانزے لیزے اور پکاڈلی سرکس میں بھی یاد رکھا بوسیدگی اور کاہلی میں سانس لیتے محسوس ہوئے۔

میں کہاں آگیا ہوں؟

انگلستان اور یورپ کے طویل قیام نے میرا خانہ خراب کر دیا تھا یعنی مجھے اب اپنا خانہ یعنی گھر خراب لگتا تھا۔

میرے بہن بھائی جن کے لئے میں دن رات آہیں بھرتا تھا اور جن کے لئے میں اپنی وہ زندگی تیاگ کر آیا تھا کچھ آؤٹ آف فیشن لگتے تھے۔ ڈھیلے اور سُست.... اپنا گھر بے حد گندہ لگا جیسے گرنے کو ہے....

تفریح صرف شیزان میں صبح کی چائے۔ باغ جناح اور مال روڈ پر سیر کرنا تھی.... مجھے ہنسی آتی کہ یہ کیا تفریح ہے۔

مجھے گرمی بہت لگتی اور میں ایک نیلی نیکر اور سفید کپڑے کا بنا ہوا اطالوی ہیٹ پہن کر مال روڈ پر گھومتا رہتا۔ لوگ مجھے دیکھ کر ہنستے کہ یہ کیا جا رہا ہے....

ایک رشتے دار خاتون تشریف لائیں اور ان کے ہمراہ ایک نہایت خوبصورت لڑکی تھی....

"یہ اینلا ہے ناں....؟" خاتون نے اپنی بیٹی کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا "جب خیر سے تم ولائت گئے تھے تو یہ چھوٹی سی تھی نو دس سال کی....؟"

"اچھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "یہ اینلا ہے؟ کمال ہے یہ تو چھوٹے ہوتے یونہی سی تھی اور اب تو بہت خوبصورت ہو گئی ہے.... بہت ہی شاندار"

رشتے دار خاتون نے اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑا اور غصے سے واک آؤٹ کر گئیں۔

"تمہیں شرم نہیں آتی....؟" میری امی نے ڈانٹ پلائی "یہ کیا کہہ دیا ہے تم نے۔ انگریز بن گئے ہو لڑکیوں کو.... خوبصورت کہتے ہو؟"

اب میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں نے کیا پہاڑ ڈھا دیا ہے.... میں نے تو اپنی طرف سے تعریف کی تھی۔ کومپلی منٹ دیا تھا کہ لڑکی خوبصورت ہو گئی ہے۔ اس میں کیا قباحت ہے۔ اس طرح مال روڈ پر ایک اور وقوعہ ہو گیا.... میں اور میرا ایک دوست جسے ہم جمال کہہ سکتے کیونکہ ان دنوں وہ اتنا بڑا افسر ہے کہ اس کا اصل نام لکھا تو وہ ظاہر ہے پسند نہیں کرے گا.... میں اور جمال مال روڈ پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ میں حسبِ معمول نیکر۔ بنیان اور اطالوی ہیٹ میں "ملبوس" تھا اور شدید بور ہو رہا تھا.... جمال کا خیال تھا کہ شیزان میں چائے پی کر "عیاشی" کی جائے اور میں منہ بنا رہا تھا.... تب میں نے دیکھا کہ چینی بوٹوں کی دکان کے شوکیس کے قریب دو خواتین کھڑی ہیں۔

"جمال" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "کیوں نہ ان دو لیڈیز کو چائے کے لئے مدعو کیا جائے۔ ذرا رفاقت رہے گی"

”ہیں؟“ جمال کا رنگ فق ہوگیا ”کیا کہہ رہے ہو، ہوش کی دوا کرو۔“

”کیوں؟ کیا قباحت ہے... اور اگر وہ چاہیں تو اپنے حصے کا بل خود ادا کردیں... آؤ پوچھتے ہیں۔“

”بھائی میرے“ جمال نے میرا بازو پکڑ لیا اور فقیروں کی طرح گڑگڑا کر کہنے لگا ”کیوں مار کھانی ہے۔ پاکستان ہے بھائی.. کچھ خیال کرو“ اس کے ساتھ ہی جمال اِدھر اُدھر نظر دوڑا رہا تھا کہ کہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔

میں نے صدقِ دل سے یہی سمجھا کہ جمال یونہی نروس ہو رہا ہے ورنہ یہ تو ایک معمولی بات ہے کہ آپ کسی خاتون کو چائے کے لئے مدعو کرلیں اور پھر اُس کا شکریہ ادا کر کے اپنے راستے پر چلے جائیں چنانچہ میں نے اپنے ہیٹ کا زاویہ درست کیا اور اُن ہر دو خواتین کی طرف چلنے لگا جو شوکیس میں جھانک رہی تھیں۔ اُن کی شکل بہت پیدل تھی لیکن میں نے سوچا کہ شائد انہوں نے کوئی اچھی کتاب پڑھ رکھی ہوگی یا فلم دیکھی ہوگی اور ہم اس کے بارے میں گفتگو کرلیں گے۔ اس دوران میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو ایک منظر نے مجھے بے حد حیران کیا۔ اور وہ منظر یہ تھا کہ جمال صاحب کسی مریل گھوڑے کی طرح اپنے بدن کا پورا زور لگاتے ہوئے بگٹٹ بھاگے چلے جا رہے تھے.... میں نے سوچا شائد اسے کوئی بہت ہی ضروری کام ہے۔ بہرحال میں اُن خواتین کے قریب گیا اور ”ہیلو“ کہنے کے بعد اپنا مدعا بیان کیا.... انہوں نے میری طرف دیکھا۔ دونوں کے منہ کھلے ہوئے تھے اور وہ اُسی عالمِ حیرانی میں پاؤں مارتی چلی گئیں.. مجھے بے حد افسوس ہوا کہ ان مقامی خواتین میں اخلاقیات کا اتنا فقدان ہے کہ میری دعوت پر اتنی بدتمیزی سے بغیر کچھ کہے چلی گئی ہیں۔ کم از کم ”نو تھینک یُو“ ہی کہہ دیتیں اور ذرا مسکراتے ہوئے۔

اُس شام میرے چھوٹے بھائی نے یہ قصہ سُن کر مجھے مشورہ دیا کہ بھائی جان

آپ ذرا ایک دو ماہ کے لئے گھر پر ہی رہیں۔

جمال نے میرے ساتھ سیر پر جانے سے انکار کر دیا۔

میری یہ ”کیفیت“ تقریباً چھ ماہ تک جاری رہی اور پھر میں بھی نمک کی کان میں نمک ہوتا گیا.... میں نے انگلستان سے واپسی پر جس قسم کی احمقانہ حرکات کی تھیں ان کے خیال سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے کہ یہ میں کیا کرتا رہا ہوں.. میں اب اپنے والد صاحب کے ساتھ کاروبار میں شریک تھا۔ بہن بھائیوں کی تعلیم اور ان کی شادیوں کے بارے میں سوچنا میرا کام تھا۔

میں اپنی انفرادیت سے نکل کر خاندان کی اجتماعیت میں شامل ہو چکا تھا۔

میں نے ایک سکوٹر خرید رکھا تھا اور ایک اچھے پاکستانی کی طرح صاف ستھری اور بور زندگی گذار رہا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ سطح پر تھا.... میں یورپی کلچر کی ایک شاخ کو اپنے اندر پھوٹتا محسوس کرتا تھا یورپی موسیقی مجھ پر اب بھی اُسی شدّت سے اثر انداز ہوتی.... مغربی ادب میں مجھے اپنائیت محسوس ہوتی۔ میں گھر واپس آکر اپنے چھوٹے سے کمرے میں بند ہو جاتا اور کیسٹ لگا کر واپس اُسی دنیا میں پہنچ جاتا۔ یورپ کے بے شمار دوستوں کے خط آتے اور میں انہیں جواب لکھتا رہتا.. ایک سویڈش دوست نے میرے لئے اپنے چھوٹے سے قصبے میں ایک دوکان کا بندوبست کیا جہاں ہم پاکستانی دستکاریاں فروخت کرنا چاہتے تھے.... والد صاحب سے بات ہوئی تو انہوں نے حسبِ عادت یہ کہا کہ دیکھ لو تمہاری مرضی ہے... لیکن میں جان گیا کہ اُن کی مرضی نہیں ہے۔

کرسمس اور نیو ایئر پر میں بہت بے چین رہتا.... لاہور کے ہوٹل خصوصی پروگرام کرتے۔ میں ایک دو مرتبہ ان میں شامل ہوا لیکن یہ تو کرسمس اور نیو ایئر کے نام پر کچھ اور تھا.. کرسمس کا موسم اس سے بالکل الگ تھا....

وقت کے گذرنے سے اس احساس نے کروٹ لی کہ زندگی کا وہ حصّہ ختم ہو چکا اُس کا سوگ کب تک ... اور یوں بھی چہرے اور وہ لینڈ سکیپ خواب ہونے لگے .. میں اپنی دنیا میں واپس آگیا ... یہ میری اصل واپسی تھی۔

ایک اور دسمبر آیا تو میں نے نئے سال کے کارڈ چھپوائے اور انہیں اپنے یورپی اور دیگر غیر ملکی دوستوں کو روانہ کیا۔ بہت ساری ڈائریاں تھیں، نوٹ تھے، کارڈ تھے اور اِن پر اُن دوستوں کے پتے تھے۔ کسی نے مجھے اپنی کار میں لفٹ دی تھی، کوئی مجھے کسی ریستوران میں ملا تھا اور کچھ ایسے جن کے چہرے یاد نہیں تھے، یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ کہاں ملے اور کب ملے ... صرف اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نام اور پتے موجود تھے ... میں نے ان سب کو مبارکباد کے کارڈ روانہ کر دیئے ... کچھ کے جواب آئے ... کہ اچھا تم ابھی ہو ... پاکستان میں ہو؟ ... تم وہی تو نہیں ہو ... بہرحال کبھی ادھر آنا تو ضرور ملنا وغیرہ وغیرہ۔

ان میں ایک خط جپسی کا تھا۔

پچھلے دو تین برس سے میں شدید تنہائی کا شکار تھا ... میرے بیشتر دوست سرکاری ملازمتوں میں جا چکے تھے۔ ان کی دلچسپیاں مجھ سے مختلف ہو چکی تھیں اور یوں بھی وہ لاہور سے باہر تھے ... عام لوگ جن تجربوں اور خواہشوں میں سے گذر رہے تھے اور بے حد پُر مسرت اور لذت سے لبریز تھے میں انہیں پرانا کر چکا تھا .. بہت عرصہ پہلے میں اُن وادیوں میں سے ہو آیا تھا ... میرے لئے کوئی شے نئی نہ تھی۔ خوشی اور والہانہ خوشی دینے والی نہ تھی ... میں دہک کر ٹھنڈا ہو رہا تھا اور مجھ پر راکھ کی تہ موٹی ہوتی جا رہی تھی ... ان دنوں میں نے ایک دھیان کیا ... مجھے وہ لوگ یاد آئے جو میرے ساتھی تھے۔ جن کے ساتھ میں نے ایک طویل عرصہ گذارا۔ جو میری جذباتی زندگی کے رفیق تھے اور جن سے میں نے چاہت کے جذبات کا اظہار

کیا ... اور میں اس سوچ بچار میں ایک عجیب بات سامنے آئی ... جب کبھی میں جپسی کے بارے میں سوچتا میری بے چینی اور اکلاپا کم ہونے لگتا۔ ہماری رفاقت بہت ہی مختلف تھی ان رفاقتوں سے جو اس دوران ظہور میں آئیں ... اور مجھے پہلی مرتبہ اتنے برسوں بعد اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا۔ میں نے اُس کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا تھا ... وقت اور فاصلے نے مجھے جپسی کی ایک ایسی شکل دکھلائی جو اس سے پہلے بہت مدھم تھی ... مجھے اب اتنے برسوں بعد جپسی اچھی لگی اور مجھے معلوم ہوا کہ میں بھی جذباتی طور پر اتنا ہی وابستہ تھا۔ میں تو خود ایک خانہ بدوش تھا ... مجھے چاہئے تھا کہ میں اسے پہچان لیتا اور میں نہ پہچان سکا بلکہ کوشش کی اُسے دور کرنے کی دور رکھنے کی ... میں نے کیا حماقت کی۔

تو ان خطوں میں ایک خط جپسی کا تھا ...

ٹائپ کیا ہوا ایک ویسا ہی خط جیسا کہ وہ انگلستان میں لکھا کرتی تھی ... تم سلمانکا آجاؤ ... کرسمس ... جپسی نے لکھا تھا کہ وہ اپنے خاوند سے الگ ہو چکی ہے اور اب اپنے باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہے۔ اس نے میرے بارے میں درجنوں سوال پوچھے تھے، تم کب واپس گئے؟ وہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا اب بھی اندھیرے میں مسکرانے سے تمہارے دانت چمکتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ میں تمہیں مل سکوں؟ کیا میں چند روز کے لئے پاکستان آسکتی ہوں؟ ... اور کیا میں وہاں رہ سکتی ہوں ....؟

کراچی سے آنے والا فوکر فرینڈ شپ طیارہ ایک سستے کھلونے کی طرح جھولتا ہوا رن وے پر رفتار کم رہا تھا۔

میں اپنے بہترین سوٹ میں ملبوس ریلنگ کے ساتھ کھڑا اُس پر نظریں جمائے یوں کھڑا تھا جیسے میری آنکھیں اُسے آہستہ کر رہی ہیں ورنہ وہ تو پھر پرواز کر جاتا... اِس میں جیپسی تھی۔ آنے سے پیشتر دو چار طویل خط... پاکستان کے بارے میں معلومات۔ لباس۔ موسم۔ دوائیاں۔ بہن بھائیوں کے نام اور چند اُردو لفظ.... کیا واقعی اس میں جیپسی ہے؟... پچھلے چند روز میں میرے لئے دنیا کی اہم ترین خبر تھی کہ وہ آرہی ہے۔ میں پُرانے دنوں کو زندہ کر کے اُن میں سانس لیتا رہتا۔ جھیل تھُن۔ الپائن جھونپڑے میں رات اور پھر برن کی ویران گلیاں اور ہم... میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا مجھے جیپسی کی شدید ضرورت تھی اُس لمحے جب اُس نے مجھے پہچانا تھا اُس سے کہیں زیادہ ... اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ واپس نہیں جائے گی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اِسی خواہش کے تحت یہاں آرہی ہے.... وہ لمحہ کیسا ہوگا جب میں اُسے بتاؤں گا کہ اب صورتِ حال مختلف ہو چکی ہے... اور وہ یہاں رہے گی۔ دراصل جیپسی میرے لئے آزادی تھی.... اس روٹین سے جو مجھے آئیوی کے پتوں کی طرح چمٹ گئی تھی

اور میرے بدن میں سوراخ کر کے اپنی جڑیں پھیلا چکی تھی۔ اس بے چینی سے جو ہر وقت میرے دل کو مُٹھی میں بھینچتی تھی... جیپسی میرے لئے ایک مسیحا کی صورت آرہی تھی اور میں اُس کا شدّت سے منتظر تھا۔

جہاز رُکا.... مسافر باہر آنے لگے ...اِن میں جیپسی بھی تھی۔

زندگی کہاں کہاں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی ہنسی یہاں ہے تو آنسو کئی ہزار میل دور کسی اور شہر میں کسی اور وقت میں.... اتنی بڑی دنیا میں دو افراد کیسے اور کہاں آن ملتے ہیں... یہ کیا اتفاق ہے... انٹرلاکن کے بعد لاہور.... تب ہم دونوں خانہ بدوش تھے۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اس کا رنگ لاہور کی صبح میں ویسا ہی تھا۔ اُس الپائن جھونپڑے کے آتش دان کے سامنے بیٹھے ہوئے تمازت سے دہکتا ہوا... اس نے مجھے دور سے دیکھ لیا اور مسکرانے لگی ... وہ بہت نفیس لباس میں تھی اور جس طرح وہ اپنے وجود کو سنبھالتی ہوئی چلی آرہی تھی... مجھے گھاس یاد آتی تھی جو ہمارے جسموں سے دبی تھی... وہ قریب آئی اور ریلنگ پر رکھے ہوئے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی کلائیوں میں سونے کی مرصع چوڑیاں تھیں اور انگلیوں میں ہیروں سے جڑی ہوئی انگوٹھیاں..

"تم کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں..." یہ الفاظ بمشکل ادا ہوئے کیونکہ میرا گلا رُندھ رہا تھا اور میرا جی چاہتا تھا کہ ہم دونوں وہیں بیٹھ جائیں اور میں اسے بتاؤں کہ زندگی نے میرے ساتھ کیا کیا ہے اور اس نے اچھا کیا جو میرے لئے آگئی..

"میں کسٹم سے فارغ ہو جاؤں؟"

"ہاں" میں چونک گیا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد وہ ہال میں آگئی.... میں آگے بڑھا تو اُس نے

مجھے دونوں کندھوں سے تھام کر میرے رخسار پر ایک واجبی سا بوسہ دیا جیسے سربراہانِ مملکت ایک دوسرے سے ملتے وقت دیتے ہیں.... اس کے بدن سے دیوانگی قریب لانے والی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ میں نے اُس کا بیگ اٹھایا اور آگے چلنے لگا۔

"سُنو... یہاں کوئی پارک لگژری ہوٹل ہے دی مال پر... وہاں میرا کمرہ بُک ہے ہم وہاں جائیں گے..." اس نے تھکاوٹ بھرے لہجے میں کہا "میں نے سُنا ہے کہ وہ بہت اچھا نہیں ہے"

میرا خیال تھا کہ وہ میرے ساتھ گھر چلے گی اور ہم بیٹھک میں سے بڑی میز نکال کر اُسے وہاں سُلا دیں گے.... اور وہ ہمارے پاس رہے گی بہر حال یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ ہم چلتے ہوئے پارکنگ ایریا میں آ گئے جہاں میرا نیا ویسپا سکوٹر کھڑا تھا۔

"کیا تم سکوٹر پر بیٹھ سکتی ہو؟" میں نے پوچھا... اور کتنے روز سے میں اِس لمحے کا منتظر تھا۔

جیسی لاہور میں میرے سکوٹر کی پچھلی نشست پر....

"اس پر؟" وہ مسکرائی "نہیں.... کیا واقعی؟" اسے یقین نہیں آ رہا تھا "مجھے زکام لگ جائے گا... ٹھہرو میں کسی ٹیکسی کو دیکھتی ہوں..."

"ایک منٹ" میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یہاں تم میری مہمان ہو... یہ بندوبست میں خود کروں گا"

میں سکوٹر پر سوار جا رہا تھا اور اس ٹیکسی کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا جس میں جیسی سوار تھی۔ میرے دل کو کچھ ہوا۔ کتنا مزہ آتا اگر وہ میرے ساتھ سکوٹر پر بیٹھ جاتی۔

پارک لگژری ہوٹل اُن دنوں سانس روکے کھڑا تھا اور اس نے سانس اس لئے روکا ہوا تھا کہ اگر وہ سانس لیتا تو فوراً ڈھے جاتا.... یہ اتنا قدیم ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود یہ شہر کے بہترین ہوٹلوں میں سے تھا۔

"تم مجھے کچھ وقت آرام کے لئے دو" وہ کہنے لگی "کیا تم دو گھنٹے بعد آ سکتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں"

"بہت بہت شکریہ"

میں نے وہ دو گھنٹے باغ جناح میں گذارے۔ فروری کی دھوپ میں گذارے۔

میں واپس ہوٹل گیا تو ایک بھڑکتے ہوئے آتش دان کے قریب کرسی پر بیٹھی تھی۔

"یہ کمرے بہت بڑے ہیں اور گرم نہیں ہوتے"

"وہ الپائن جھونپڑا کتنا گرم ہو گیا تھا جب باہر بارش ہو رہی تھی"

"ہاں بالکل" اس نے سر ہلایا "کیا پروگرام ہے؟"

"ہم گھر جائیں گے"

"اوہ ہاں... میں تمہارے لئے اور تمہارے بہن بھائیوں کے لئے چند چیزیں لائی ہوں..." اس نے بیگ کھول کر چند قیمتی تحائف نکالے اور میز پر رکھ دیئے.. میرے لئے کینن کا تازہ ترین مووی کیمرہ تھا...

ہم گھر گئے.... اور وہ ہمہ وقت اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی... ایک مختصر صحن اور آگے پیچھے چار کمرے.... وہ میری امّی کو روٹیاں پکاتے دیکھتی رہی... میری بہنیں جانتی تھیں کہ وہ کون ہے.... اِس سے پیشتر کہ میں کچھ کہہ سکتا وہ اپنے برقعے اوڑھ کر اُسے انارکلی لے جا چکی تھیں۔

میری امّی میری طرف دیکھ رہی تھیں۔

شام کو ہم مال پر آ گئے۔

"میں آرام کرنا چاہتی ہوں... تم مجھے ہوٹل چھوڑ آؤ"

اس کے کمرے میں آگ جل رہی تھی۔ ایک ویٹر بار بار دستک کرتا تھا اور "کوئی سروس؟" پوچھ کر چلا جاتا تھا... دراصل وہ مجھ پر نگاہ رکھ رہا تھا۔

پوچھ کر چلا جاتا تھا... دراصل وہ مجھ پر نگاہ رکھ رہا تھا۔

"تم یہاں بیٹھو میں ذرا کپڑے تبدیل کرلوں" وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

پاک لگثری کے اس کمرے کی چھت کا پلستر اکھڑ رہا تھا۔ دیواریں بہت بلند تھیں لیکن اس میں ایک گئے وقتوں کا وقار تھا جو اس کی وسعت میں گم تھا۔

وہ ایک نہایت نفیس اور مہنگے گاؤن میں لپٹی ڈریسنگ رُوم سے باہر آئی۔ ہاں وہی تھی جو کسی بھی لباس میں ڈھک نہیں سکتی تھی اور اب بھی یہی حال تھا...

"ویلکم ٹو پاکستان" میں اُٹھ کر اس کے قریب گیا۔

"نہیں..." وہ کہنے لگی "بہت کچھ بدل چکا ہے۔"

"کیا؟"

"بہت کچھ" وہ مسکرائی اور میرے ماتھے کو چوم کر بستر پر بیٹھ گئی "تم کیسے ہو؟"

میں نے ایک طویل کہانی شروع کردی۔ اپنی محرومیوں کی تنہائیوں کی اور اُس جذبے کی جو اس کے لئے میرے اندر جاگا تھا... وہ سُنتی رہی۔

"میں تھک چکی ہوں۔ تم کل آنا۔"

میں پارک لگثری سے باہر آیا تو بے حد کمزور اور شکست خوردہ محسوس کر رہا تھا... ہم دو مختلف انسان تھے... وہ کوئی اور تھی.... وہ جیسی ہونے کی اداکاری کر رہی تھی ورنہ نہیں تھی.... اس نے بعد میں بتایا کہ اس کی کلائیوں میں جو سونے کی چوڑیاں کھنکتی تھیں وہ ایرانی وزیراعظم کی پیش کردہ تھیں اور انگوٹھیاں مشرقِ وسطیٰ کے کسی شہزادے نے تحفے میں دی تھیں۔ وہ اب اپنے باپ کے کاروبار میں برابر کی شریک تھی اور اس سلسلے میں دنیا کے مختلف ملکوں میں آتی جاتی رہتی تھی۔ اُس کی شباہت اب بھی جپسیوں ایسی تھی مگر نشست و برخاست کے انداز نیم شاہانہ تھے۔

"تم اتنے بوسیدہ اور تنگ گھر میں کس طرح سانس لیتے ہو؟

اس ملک میں اتنی دھول ہے کہ میرے پھیپھڑے متأثر ہو جائیں گے۔"

وہ ہمہ وقت گھڑی کی طرف دیکھتی رہتی۔ اس کی آنکھوں میں لگے ہوئے کانٹیکٹ لینز میں بھی شائد وقت بتانے کی کوئی آلہ نصب تھا...

میں نے متعدد بار راکھ کُریدنے کی جستجو کی کہ شائد اس کے نیچے کوئی چنگاری ہو لیکن وہاں کچھ نہ تھا.... کبھی کبھی مجھے شک ہوتا کہ وہ مجھ سے انتقام لے رہی ہے لیکن اس کے پاس تو اتنا وقت ہی نہ تھا۔

پہلی شب کے بعد میں صرف ایک گائڈ تھا جو لاہور میں اس کا رفیق تھا۔

میں بہت بجھ گیا۔ یہ کیا ہوا.... میں تو مسیحا کا منتظر تھا اور یہ کوئی اور آگیا۔

میری خواہش تھی کہ وہ لاہور سے جلد از جلد چلی جائے۔

میں نے شیزان میں ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا اور تمام دوستوں کو مدعو کیا.. سب نے میری طرف رشک کی نظروں سے دیکھا۔ وہ بہت شاندار اور باوقار لگ رہی تھی۔

"کیا تمہارے ملک میں سب لوگ ہوموز ہیں؟ ہر جگہ مرد نظر آتے ہیں... کیا تم لوگ نارمل نہیں ہو... میں جانتی ہوں کہ تم نارمل ہو۔"

مَیں نے اُسے ایک قیمتی ساڑھی تحفے میں دی.... اسے باندھنے کے لئے ایک چچی کی خدمات حاصل کی گئیں... بعد میں چچی جان کہنے لگیں "یہ تو بڑی بے شرم ہے" میں نے پوچھا "کیوں کیا ہوا؟" کہنے لگیں "بس کچھ نہ پوچھو... میرے سامنے ہی کپڑے اُتار دیئے۔"

اب میں چچی جان کو کیسے بتاتا کہ وہ ان معاملات میں ہمیشہ بے احتیاط رہی ہے۔

ویٹر نے دستک دی اور جھکا ہوا اندر آ گیا۔ اُس نے کچھ لکڑیاں گود میں اُٹھا رکھی تھیں۔ اس نے جھک کر انہیں آتش دان کے قریب رکھا اور ترچھی نظر سے جیسی کو دیکھ کر باہر چلا گیا۔ وہ حسبِ معمول بستر میں بیٹھی تھی کیونکہ اُسے اِس پرانے ہوٹل میں سردی محسوس ہوتی تھی.... باہر فروری کی بارش تھی جو سردی کو دوچند کرتی تھی۔ میں نے آتش دان میں لکڑیاں جمائیں اور ان کے نیچے کاغذ رکھ کر جلا دیا... تھوڑی دیر میں اچھا خاصا الاؤ روشن ہو چکا تھا۔

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟" جیسی نے سر اٹھا کر کہا۔

"نہیں" میں نے سر ہلایا "میں ناراض تو نہیں لیکن میں کچھ سمجھ نہیں سکا... میرا خیال تھا کہ.... بس میرا کچھ اور خیال تھا..."

"میرا بھی کچھ اور خیال تھا... تم کیا سمجھتے ہو کہ میں یہاں پکنک منانے کے لئے آئی تھی۔ دنیا میں اس سے بہتر جگہیں ہیں جہاں میں جا سکتی تھی..."

"میں بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے خدمت کا موقع دیا..."

"بے وقوف مت بنو... میں تمہارے لئے آئی تھی... لیکن میں یہاں آکر مایوس ہوئی ہوں۔ تمہیں مل کر مایوس ہوئی ہوں... کیا تم اسی قسم کی زندگی گذارتے رہنے

کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ تم ایک سُست کیڑے کی طرح زندگی بسر کر رہے ہو اور میں یہاں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

"ٹھیک ہے لیکن تمہارا رویہ اتنا سرد تھا...؟"

"اس لئے کہ یہاں آکر میرا وقت ضائع ہوا... تم اس گاڈ فارسیکن ملک میں پتہ نہیں کیا کر رہے ہو؟"

"اس ملک میں وہ گھر ہے جس کے فرش صاف کرنے اور برتن دھونے کی تمہیں تمنا تھی..." میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اور کیمل سٹاپ یاد ہیں؟"

"بچپن میں انسان کیا کچھ نہیں کرتا اور کہتا.... میں بہت کم عمر تھی اور تم اتنے زبردست لگتے تھے کہ تم سے بچنا بہت مشکل تھا.... اور تم طاقتور بھی تو تھے.... بہت!... تم اگر سوئٹزرلینڈ آ جاؤ تو میں تمہیں اپنی آرگنائزیشن میں ایک باوقار نوکری دے سکتی ہوں..."

"اگر مجھے زندگی میں صرف ایک نوکری درکار ہوتی تو میں انگلستان سے واپس کیوں آتا؟"

"نہیں نہیں تم غلط سمجھ رہے ہو..." اُس نے سگرٹ جلا کر ایک طویل کش لیا۔ اُس کے دھوئیں کو اپنے اندر پھیلاتے ہوئے وہ تیکھی ہو گئی "تم مڈل کلاس ہو۔ تمہارے گمان میں بھی نہیں آ سکتا کہ ایک باوقار نوکری کیا ہوتی ہے... تم کو شاید انگلینڈ کی فیکٹریوں یا چھوٹے موٹے دفتروں میں کہیں کوئی نوکری تو مل سکتی تھی کیونکہ تمہارے پاس کوئی کوالی فیکشن تو ہے نہیں... لیکن اس قسم کا جاب میں آفر کر سکتی ہوں.. اور ہاں میں وعدہ نہیں کر سکتی... تم وہاں آ جاؤ تو پھر ہم دیکھیں گے.."

وہ جیسی ان برسوں میں جو ہمارے درمیان بیتے کہیں راستے میں تھک ہار کر شاید

دھواں بن چکی تھی اور وہ اب نہیں تھی اور میں عبث انتظار میں بیٹھا.... میرا رویّہ اس کے ساتھ شدید تلخ ہونا چاہیئے تھا کیونکہ میرا پورا وجود کڑوا ہو چکا تھا لیکن وہ جیسی بھی تھی صرف میرے لئے پاکستان آئی تھی۔ میری مہمان تھی.... اس لئے میں اندر سے ذِلت کے سیاہ پانیوں میں ڈوبا رہا اور باہر سے مسکراتا رہا.... میرا جی تو یہی چاہتا تھا کہ اس کے سر پر کھڑے ہو کر خوب چیخ چیخ کر اسے بُرا بھلا کہوں اور اس بستر سے گھسیٹ کر باہر نکال دوں۔ یہ تم نے کیا تماشہ بنا رکھا ہے.... مجھے اس کے بدلنے کا افسوس تو تھا لیکن اس کے ساتھ وہ اتنی سرد تھی کہ اُس کی موجودگی میں مَیں بے آرام اور ٹھٹھرتا ہوا محسوس کرتا تھا۔

” تو کیا تم اُس وقت غلط تھیں جب تم نے کہا تھا کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہے اور اب ہمیشہ کے لئے...؟“

” نہیں نہیں تم پھر نہیں سمجھ رہے...“ اس نے ایک اور سگرٹ سلگایا ”تم وہیں ہوا نٹرلاکن میں.... جھیل تھُن کے کنارے.... اور اس وقت جو میں نے کہا اور جو تم نے محسوس کیا وہ سچ تھا... اُس لمحے کا سچ تو وہی تھا... جب تمہارا کرسمس کارڈ آیا تو میں بے حد خوش ہوئی۔ تم نے میرے خطوں میں دیکھا ہو گا کہ میں کتنی خوش تھی کیونکہ کاروباری جنگل میں مَیں اتنی دُور تک چلی گئی تھی کہ میرے سنہری دن مجھے یاد ہی نہیں رہے تھے۔ اور میں دوبارہ اُنہی دنوں میں پہنچ گئی اور میری شدید خواہش تھی تم سے ملاقات کی اور یقین جانو میں تم سے مل کر بہت خوش ہوئی ہوں... لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔ ایئرپورٹ پر تمہیں دیکھ کر میں نے کچھ محسوس نہیں کیا اور اُسی لمحے مجھے احساس ہو گیا تھا کہ مجھے نہیں آنا چاہیئے تھا.. اور پھر یہاں تمہارے شہر میں چند روز ٹھہر کر اور تمہارے گھر کو دیکھ کر.... میں بہت مختلف زندگی گزارتی ہوں... تمہارا خیال تھا کہ میں اب بھی تم سے محبت کرتی ہوں؟“

” تمہارے خطوں سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا...“

” اور تم.... تم نے تو میرے بارے میں کبھی شدّت سے محسوس نہیں کیا... مجھے معلوم ہے... تم اتنے مایوس کیوں ہوئے ہو...؟“

” یہ صرف تم نہیں ہو جیسی“ میں اُٹھ کر آتش دان کے قریب کھڑا ہو گیا ”یہ میں خود ہوں۔ اپنی تمامتر مصیبتوں اور ناخوشیوں کا ذمّہ دار.... میں بہت جلد متاثر ہو جاتا ہوں۔ حسن سے۔ خلوص سے.... اور بے پروائی سے... میں اپنے والد کے کہنے پر واپس تو آ گیا ہوں لیکن میں یہاں بے حد اکیلا محسوس کرتا ہوں اور اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لئے میں ضرورت سے زیادہ شوخ اور چُلبلا ہو جاتا ہوں اور پھر اُسی شدّت سے نیچے اُداسیوں میں چلا جاتا ہوں۔ مجھ میں میانہ روی نہیں ہے اور یہ عادت مجھے نقصان پہنچاتی ہے...“

” تم زیادہ پریکٹیکل بھی نہیں ہو...؟“ وہ سر اُٹھا کر بولی۔

” ہاں.... لیکن ہوا یہ کہ میں نے تمہاری آمد کو ایک ایسی مرہم سمجھ لیا جو میرے جلے ہوئے بدن کو سُکھ دے گی....“

” آئی ایم سوری.. کیا میری آمد نے تمہیں دُکھ دیا...؟“

” پتہ نہیں... میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب تم جاؤ گی تو مجھے معلوم ہو گا کہ میرے ساتھ دراصل کیا ہوا ہے... ہو سکتا ہے کچھ بھی نہ ہوا ہو“

” اس کا مطلب ہے کہ تمہیں کل ساڑھے دس بجے علم ہو جائے گا...“ وہ ہونٹوں کو ایک خاص انداز میں سیکڑ کر کہنے لگی ” دس بجے میری فلائٹ ہے“

” شائد...“

” تم نے مجھ سے میری شادی شدہ زندگی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا..؟“

” تم اگر بتانا چاہتی ہو تو میں سُن لوں گا“

"اب تمہیں اتنا غیر دوستانہ رویہ بھی نہیں اپنانا چاہیئے ...."

"سوری .... پلیز مجھے بتاؤ کہ تمہاری شادی کن چٹانوں پر پاش پاش ہوئی ...."

"وہاں کوئی چٹانیں یا طوفان وغیرہ نہ تھا ..." وہ ہنسی "تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس اطالوی سے شادی نہیں کی تھی جس کے بارے میں میں نے تمہیں لکھا تھا؟"

"نہیں .... کیوں؟"

"ایسا کوئی اطالوی نہ تھا .... میں نے تو تمہیں جوش دلانے کے لئے وہ سب کیا تھا ... اور تم نے مجھے شادی شدہ زندگی کی خوشیوں کا تار روانہ کر دیا ... کارڈ بھیج دیا وہ کارڈ میری بہن سیمون نے دیکھ لیا اور اُسے آج تک یقین نہیں آیا کہ میں نے ایک مرتبہ چوری چھپے شادی نہیں کی تھی ... بہر حال یہ ایک اور اطالوی تھا جس کے ساتھ میں نے شادی کی ... تمہیں پتہ ہے کہ میں سیاہ بالوں پر ہی فریفتہ ہوتی ہوں .... وہ مجھے افریقہ لے گیا اور وہاں تمباکو کے ایک فارم پر سات ایکڑ کے ایک گھر میں سجا دیا۔ درجنوں سیاہ فام ملازم اُس گھر کے کونوں کھدروں اور راہداریوں میں کھڑے مجھے دیکھتے اور دانت نکالتے رہتے .... وہ صبح اپنے پسندیدہ گھوڑے پر سوار ہو کر فارم میں چلا جاتا اور میں موسیقی یا کتابوں سے دل بہلاتی رہتی۔ رات کو کسی نزدیکی فارم ہاؤس پر اجتماع ہوتا جس میں مرد شراب پی کر اوندھے ہو جاتے اور عورتیں حبشی ملازموں کے بارے میں سیکنڈل بناتی رہتیں ... میں بہت جلد تنگ آ گئی ... یوں بھی تم جانتے ہو کہ میں کام کئے بغیر رہ نہیں سکتی .... ایک لاپرواہ اور بیکار زندگی میں میرے لئے کشش نہیں ہے .. بس علیحدگی ہو گئی .."

"صرف اس لئے کہ وہ تم سے کوئی کام نہیں لیتا تھا؟"

"اس کے علاوہ اُس نے ایک منصوبے کے تحت مجھ سے شادی کی ... اس کا خیال تھا کہ میں اُسے کچھ رقم دوں گی تاکہ وہ اپنا کاروبار وسیع کر سکے .. میں نے انکار

کر دیا"

"تم اور وہ اتنے الگ تھے کہ تم اپنی جائداد کا کچھ حصہ اسے نہیں دے سکتی تھیں؟"

"ایسا نہیں ہے ... اگر وہ میرے ساتھ مخلص ہوتا تو میں اُس کی خواہش پوری کر دیتی لیکن شادی کے فوراً بعد میں جان گئی کہ اس کا مقصد صرف یہی تھا اور اسی لئے میں نے انکار کر دیا .... اور یوں بھی وہ اتنا مرد نہیں تھا" اس نے کن اکھیوں سے میری طرف دیکھا۔

"اچھا؟" میں سر جھٹک کر مسکرایا۔

"ہاں خاص طور پر تمہارے آغاز کے بعد ..."

"تم نے شادی سے پہلے کچھ آزمائش وغیرہ کر لینی تھی ..."

"کیا ہم یہ موضوع بدل نہیں سکتے؟" وہ آہستہ آہستہ نرم پڑتی جا رہی تھی۔ جیسے اس کے چہرے کی شکنیں پُرسکون ہو کر ہموار ہو رہی ہوں۔ "ہو سکتا ہے ہم آخری بار اس طرح ملیں .... کوئی اور بات کرو .... یہی کہ تم ... کیا تمہارے ذہن میں کوئی ایسی لڑکی ہے جس کے ساتھ تم شادی کرو گے؟"

"میرے ذہن میں تو نہیں شائد میرے والدین کے ذہن میں ہو ..."

"مجھے یہ مت بتاؤ کہ تم اپنی مرضی سے شادی نہیں کرو گے؟"

"شادی تو اپنی مرضی سے کروں گا لیکن لڑکی والدین کی مرضی کی ہوگی ...."

"اوہ واقعی .." وہ کھل اٹھی "دیکھو اگر تم مجھے اپنی شادی پر مدعو کرو تو ہو سکتا ہے میں آجاؤں ... اور میں تمہاری دلہن کو بہت قیمتی مشورے دوں گی .."

"اُن میں سے ایک تو یہ ہو گا کہ اس شخص سے جلد از جلد پیچھا چھڑا لو کیونکہ یہ بے حد نکما اور جذباتی ہے ..."

"نہیں نہیں تم میری بے عزتی کر رہے ہو ... تمہیں معلوم ہے کہ میں .. میں تمہیں

پسند کرتی ہوں ایک انسان کی حیثیت سے .... اس طرح مت کہو... میں نے تمہیں جتنا پسند کیا تھا وہ اگر وقت کے ساتھ ساتھ کم ہوتا جائے تب بھی اب تک بہت باقی بچے گا...؟"

نیچے پارک لگثری کے بلند پورچ میں کوئی تانگہ آیا اور پھر شائد اندر گئے ہوئے مسافر کے انتظار میں وہیں کھڑا ہو گیا... گھوڑے کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی آواز مجھ تک پہنچ رہی تھی....

"میں کل صبح تمہیں لینے آجاؤں گا..." میں اُٹھ کھڑا ہوا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں مایوس کیا... خدا حافظ" اور دروازے کی طرف چل دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ آج رات جھیل تھن کے کنارے آتش بازی ہو گی؟" اُس کی آواز میری پشت پر تھی۔ میں سناٹے میں آگیا۔ یہ اس نے کیا کہا ہے اور کیوں کہا ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں پرانی جپسی کھڑی تھی۔ ڈری ہوئی اور سہمی ہوئی۔ جو کہتی تھی کہ میرے بالوں کو ہاتھ مت لگانا.... اور جو میری پہلی جسمانی محبت تھی.. وہ آگے آئی اور ایڑھیاں اُٹھا کر میرے رخسار پر ہونٹ رکھ دیئے "ہم دوست رہیں گے ناں؟"

"ہاں"، میں نے سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔

جپسی چلی گئی تو اُس کے ساتھ ہی میری وہ موہوم سی اُمید جسے میں قبول نہیں کرتا تھا کہ وہ اُمید ہے لیکن وہ تھی.. تو وہ امید کہ شائد وہ زمانے لوٹ آئیں۔ وہ جذبے وقت کی خاموشی میں سے پھر پھوٹ پڑیں جو گم ہو رہے ہیں۔ اور شائد پھر وہی لاپرواہ زندگی ہو... گہری نیلے سمندروں سے بھی گہری... یہ اتنی گہری ہوتی ہے اور جھیل جنیوا کو رات کے پچھلے پہر دیکھتے ہوئے اور والز کو پہلی مرتبہ کرتے ہوئے اور شاتو دے شیاں کی اُداسی اور لاک لامن میں کشتی کا وہ سفر جس میں اس دوسرے کنارے کی خواہش تھی جہاں پہنچا نہیں جا سکتا۔ کرسمس کیرل اور ایک سبز سیر گاہ کے بیچ نہر اور رات کی تاریکی میں ینگ فرو کی برف کی مدھم روشنی.... تو وہ زمانے اور ان کی اُمید جپسی کے ساتھ چلی گئی.... میں ایک جھرجھری لے کر اُٹھ بیٹھا کہ اب وہ جا چکا جو کہ تھا اور دوبارہ نہیں آئے گا تو جو آنے والا ہے اس کے لئے کچھ تیاری کی جائے۔ اپنے ذہن کو تیار کیا جائے کہ بس اب یہی ہے..

جپسی گئی تو وہ غبار وہ دھول صاف ہو گئی جو لاہور کی ہر شے پر جمی تھی اور میں ایک مرتبہ پھر اپنے وطن کی مٹی کے قریب ہوا... یہ ایک اور واپسی تھی۔ دراصل آخری واپسی .... وہ خیال اور سراب ختم ہوئے جن میں گم رہتا تھا۔ اب جو کچھ تھا یہیں تھا۔

حقیقت میرے سامنے تھی اور برہنہ تھی اور اُسے دیکھ کر پہلے کی طرح اب میں منہ نہیں چھپاتا تھا۔

چار برس بعد میرے پاؤں کا جنون پھر میری خانہ بدوشی کا سبب بنا۔ یہ ایک طویل سفر تھا اور اس کے خاتمے پر میں تھک چکا تھا... میں ہسپانیہ میں تھا اور وہاں سے مجھے وطن لوٹنا تھا۔ بارسلونا سے استنبول کے لئے چھوٹے جہاز چلتے تھے اور اُن کا کرایہ بھی کچھ زیادہ نہ تھا لیکن مجھے ہر صورت برن پہنچنا تھا.... ایک پاکستانی دوست لنڈن سے وہاں پہنچ رہا تھا اور ہم دونوں پاکستان تک اکٹھے سفر کر رہے تھے... جب میں برن پہنچا تو بالکل شکستہ اور تھکا ہوا تھا۔

برن کا سٹیشن.... میں نے ٹرام پکڑی اور کیمپنگ چلا گیا... وہاں میں اتنی جلدی نہ پہنچ سکا جتنی تیزی سے میں یہ فقرہ لکھ گیا کہ "کیمپنگ چلا گیا"۔۔ برن کی کیمپنگ شہر سے بالکل باہر تھی بلکہ بہت ہی باہر تھی اور اتنی باہر تھی کہ اُسے برن کی کیمپنگ کہنا زیادتی ہوگی۔ اور یہ جگہ بے حد غیر دوستانہ اور غصے والی تھی.. یہاں سردی بہت تھی۔ گرمیوں کا آخر تھا اس لئے دھوپ کم تھی اور زمین یخ تھی۔ اور اس یخ زمین پر سونے سے میں کچھ بیمار بھی ہو گیا۔ کیمپنگ میں کسی قسم کی کوئی سہولت نہ تھی.... چند پرانے کاروان کھڑے تھے جن میں ایسے خاندان رہتے تھے جو شہر میں مکان کا کرایہ برداشت نہیں کر سکتے تھے... دو چار خیمے۔ لمبی لمبی گھاس۔ اگر شہر پہنچنا ہو تو ہر ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ایک مہنگی اور سُست رو بس... میرے دوست نے یہاں اس کیمپنگ میں اسی روز پہنچنا تھا جس روز میں وہاں خیمہ نصب کر رہا تھا....

میں وہاں تھکا ہوا اور گھر کی چاہت کا مارا ہوا اس کا انتظار کرتا رہا اور وہ نہ آیا... زمین کی ٹھنڈک شاید میرے پھیپھڑوں پر اثر کر گئی تھی چنانچہ مجھے بخار کے ساتھ ایک خشک اور ہڈیوں کو ہلا دینے والی کھانسی شروع ہو گئی... چار پانچ دن تک

اس نامہربان کیمپنگ میں قیام کے بعد میں نے اپنا خیمہ سمیٹا اور بس پر سوار ہو کر ریلوے سٹیشن پہنچ گیا... میں یہاں سے وینس جانا چاہتا تھا اور وہاں سے ڈائرکٹ اورینٹ ایکسپریس استنبول تک.... اور ہاں بعد میں جب میں پاکستان پہنچا تو وہ دوست مجھے ملنے آیا اور گفتگو کے دوران صرف اتنا فقرہ کہا کہ ہاں یار میں برن نہیں آ سکا تھا.... دراصل ایک اور دوست مل گیا تھا اور وہ برن میں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ .... بہرحال میں نے وینس جانے والی گاڑی کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ٹکٹ حاصل کیا اور اس کا انتظار کرنے لگا.... یہ کہنا جھوٹ ہوگا کہ وہاں ریلوے سٹیشن پر مجھے یونہی خیال آیا کہ جیپسی کو فون کرنا چاہیئے.... نہیں یہ خیال میرے دل میں تھا۔ وطن سے نکلتے ہوئے۔ یورپ میں گھومتے ہوئے۔ اور جب سے میں برن میں تھا وہ بھی وہاں تھی... لیکن میں نے اپنے آپ پر جبر کیا... اس گاؤں کا راستہ پوچھنے سے فائدہ جہاں جانا نہ ہو... گاڑی آنے میں ابھی کچھ وقت تھا اور میں رہ نہ سکا ... میں نے فون بُوتھ میں سکہ ڈال کر جیپسی کا نمبر گھما دیا... کال متعدد آوازوں سے ہوتی ہوئی اس آواز تک پہنچی جو کبھی میری آواز تھی.... میں نے اپنا نام بتایا۔

"تم ؟ کیا سچ مچ ؟" وہ احتیاط سے بولی لیکن اس کی مسرت چھپائے نہ چھُپتی تھی، "تم یورپ میں ہو یا پاکستان سے کال کر رہے ہو؟ یورپ میں ؟ کہاں ؟ برن میں ؟... نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ کیا واقعی... اور برن کے سٹیشن پر.. نہیں نہیں تم کہیں نہیں جا رہے۔ تم نے برن پہنچتے ہی مجھے فون کیوں نہیں کیا... کیا اب ہم دوست نہیں ہیں ؟ تمہیں مزید ٹھہرنا ہوگا..." وہ کبھی ہنستی تھی اور کبھی اسی حاکمیت سے بات کرتی تھی جو اُس کا خاصا تھی...

"ہیلو" وہ پورے پندرہ منٹ کے اندر سٹیشن کے باہر کھڑی تھی... میں کچھ فاصلہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے پاکستان میں میرے ساتھ دل کو جلانے والے سلوک کیا تھا

اور میں آج تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ کیوں ...

"ہیلو" وہ پھر بولی اور ہاتھ ملانے کے بعد نہایت پُرجوش انداز میں بغلگیر ہوگئی۔

"تم پہلے سے موٹے ہوگئے ہو" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی" لیکن پریشان لگتے ہو.... کیا ہوا؟ اوہو تم تو کچھ بیمار بھی ہو.... تمہیں آرام کی ضرورت ہے"

اس نے مجھے ایک شاندار ہوٹل میں ٹھہرا دیا... بقول اُس کے کمپنی کے حساب میں.... میں سارا دن نرم بستر میں لوٹتا رہتا۔ اونگھتا اور اپنے بدن کو آرام دیتا۔ شام کو جیسی آجاتی اور مجھے باہر لے جاتی.... تین چار روز بعد جب میں نے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے مجھے روکا نہیں" زندگی میں بہت کچھ بدلتا رہتا ہے۔ ہمیں ناراض ہو کر ایک دوسرے کو چھوڑ نہیں دینا چاہیئے..."

میں ایک مرتبہ پھر وطن واپس آگیا.... دوکان۔ کتابیں۔ اخبار۔ ٹیلی ویژن.... میں ایک بے حد مصروف اور مالی طور پر بے فائدہ زندگی گذارنے لگا... بہنوں کی شادیاں۔ بھائیوں کے لئے فکر مندی اور ماں باپ کی ضرورتوں کا خیال.... اِس دوران میری شادی ہوگئی۔ یہ ایک ضرورت تھی.... مجھے بیٹے ملے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی خوشی تھی.... میں مطمئن تھا بھی اور نہیں بھی... دراصل میں ایک توازن کی تلاش میں تھا۔ بیوی اور اپنے خاندان کے درمیان .... اور میں اسے حاصل نہ کر سکا۔ سر توڑ کوشش کے باوجود حاصل نہ کر سکا.... اور اس بات نے مجھے بددل کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ میں ایک مثالی خاوند اور بیٹا ثابت ہوں گا... لیکن میں اس کے سو فیصد برعکس ثابت ہوا.... ذہنی طور پر میں بہت اپ سیٹ رہا۔ شائد تھوڑا سا ابنارمل بھی رہا... میں نے اِس ناخوشی سے کچھ عرصے کے لئے فرار چاہا۔ نجات چاہی اور ایک مرتبہ پھر اپنا پُرانا خیمہ اور رُک سیک سٹور میں سے نکال کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا... افغانستان کے محکمہ جاسوسی سے بچتا ہوا۔ ایران۔ تُرکی اور شام کی خاک چھانتا لبنان پہنچا اور خانہ جنگی کی آگ میں سے بمشکل نکل کر سمندر کے راستے اطالیہ جا پہنچا... روم سویٹ روم....

میں ایک مرتبہ پھر سوئٹزرلینڈ میں تھا....

برف سے ڈھکے ہوئے درّہ سینٹ گوتھارڈ کی چوٹی پر تھا....

باہر یخ بستہ ہوا تھی اور میں ڈینئل کی ننھی منی ستران کار میں تھا۔ میں کپکپاتا ہوا باہر آیا جیکٹ کے تمام بٹن بند کیے۔ کالر سے گردن کو ڈھانکا لیکن ہوا تھی کہ مجھے ننگا کیے دیتی تھی۔ گلیشئر میں سے پگھلتے پانی کا ٹپکتا شور تھا۔ سڑک پر بھی یہی برفیلا پانی بہتا تھا.... اِس بلند درّے کے دوسری جانب نیچے کہیں برن کا شہر تھا... میں نے درّہ سینٹ گوتھارڈ کی چوٹی پر واقع ریستوران سے جیسی کو فون کیا۔ کسی بھی بڑے کاروباری ادارے میں فون پر کسی سے رابطہ کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے... سوئٹزرلینڈ میں بھی... چنانچہ متعدد بار کوشش کرنے کے بعد کسی صاحب نے پہلے تو جرمن زبان میں میرا امتحان لیا اور پھر جرمن زدہ انگریزی میں مجھے بتایا کہ مادام سالانہ چھٹیاں گزارنے فرانسیسی رویرا گئی ہوئی ہیں.... میں تھوڑا سا مایوس ہوا.... میں جیسی کو پچھلے سولہ برس سے جانتا تھا اور مجھے اس کی عادت ہو چکی تھی... جس طرح لنڈن کے باسیوں کو سُرخ ڈبل ڈیکر بسیں دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے اور وہ ان کے بغیر ادھورے محسوس کرتے ہیں۔ جیسے آئفل ٹاور کے بغیر پیرس مکمل نہیں ہوتا... جیسی کے بغیر بھی سوئٹزرلینڈ کوئی اور ملک لگتا ہے.... اس دفتری کارندے نے البتہ مجھ سے یہ درخواست ضرور کی کہ جناب پاکستان سے آئے ہوئے چند خطوط ہمارے دفتر میں پڑے ہیں۔ برن پہنچنے پر انہیں ضرور وصول کر لیجئے گا۔

ڈینئل کے قصبے زوبی کوفن میں ایک شب گذارنے کے بعد میں مقامی ٹرین کے ذریعے اگلی صبح برن پہنچ گیا۔

میں ایک مرتبہ پھر برن کے سٹیشن پر کھڑا تھا... اسی جگہ جہاں ایک خانہ بدوش اپنا رُک سیک اٹھائے کھڑا ہوا تھا اور اس بلا کا انتظار کرتا تھا جو اسے انٹرلاکن میں ملی تھی۔ اور پھر یہیں پر وہ آئی تھی... ایک راج ہنس لگتی ہوئی جپسی... میں اُس کے شہر میں تھا لیکن وہ اپنے شہر میں نہ تھی.... میں اس مرتبہ بھی سمندروں صحراؤں اور جنگلوں کی خاک چھانتا شکستہ اور تھکا ہوا آیا تھا...

سٹیشن کے قریب ایک سیاحتی دفتر تھا۔ میں اندر چلا گیا اور کسی ارزاں ہوٹل کے بارے میں پوچھا۔ اس مرتبہ مجھ میں کیمپنگ کی یخ زمین پر سونے کی ہمت نہ تھی۔ مجھے ایک پتہ دیا گیا کہ یہ برن کا ارزاں ترین ہوسٹل ہے... ٹرام نمبر فلاں... اور فلاں جگہ اُتر جائیے گا۔

جس جگہ ٹرام نے مجھے اُتارا وہ اجنبی نہ تھی... کلاک ٹاور کے پہلو میں ایک قدیم سڑک جس پر جھکی ہوئی عمارتیں اور محرابی برآمدے چودھویں صدی کے سوئٹزرلینڈ کی یادگار تھے... اور یہ جگہ کس کی یادگار تھی؟... یہاں کون آیا تھا اور وہ دونوں کون تھے جو آئے اور چند روز قیام کے بعد الگ ہو گئے۔ اور یوں الگ ہوئے کہ اُن کے درمیان جذبات کے رشتے بھی الگ ہوئے... سولہ برس پیشتر یہاں کون آیا تھا...

"ایک ڈبل رُوم چاہیئے اور باتھ رُوم ایٹیچڈ..." جپسی نے ایک ہاتھ کا دستانہ اتارتے ہوئے کہا۔

"نہیں" اس نے باقاعدہ لبوں پر ہتھیلی جما کر ہنسی روکی "لیکن ہماری منگنی ہو چکی ہے"

"میڈم دراصل یہ ہوٹل.... ایک چرچ تنظیم.... مجھے بہت افسوس ہے۔"

ہاں یہ وہی مقام تھا لیکن شائد نہ تھا کہ اُن زمانوں کی مہک کہیں نہ تھی... وہ ہواؤں میں تحلیل ہو چکی تھی... یہاں اب بے شمار شور تھا... یا شائد وہاں نہ تھا میرے اندر تھا۔ پچھلے سولہ برس کی زندگی کا شور...

ایک محراب دار برآمدے کے اوپر "ہوٹل ایڈلر" کا بورڈ اب بھی موجود تھا۔ عمارت شکستہ تو نہ تھی لیکن اس کے اندر وقت سرائت کر چکا تھا اور وہ تو مجھ میں بھی کر چکا تھا... میں وہ تو نہ تھا جو کہ کبھی تھا... وہ کونسی کھڑکی تھی!... شائد دائیں سے تیسری... میں اگر اندر چلا جاتا تو بتا سکتا تھا کہ کونسی کھڑکی... کیونکہ میں نے تو صرف اندر سے دیکھا تھا...

"ہوسپرز رہت" سڑک کے دوسری جانب کے برآمدے میں تھا...

"ٹورسٹ بیورو والوں کا کہنا ہے کہ آپ کے ہوسٹل میں کیمپنگ کی نسبت بھی کم کرائے پر رہائش دستیاب ہے..." میں نے اندر جا کر کاؤنٹر پر ایک تباہ حال بوڑھے کو پایا جو مسلسل چھت کو گھور رہا تھا۔

میں بعد میں بھی نہ جان سکا کہ یہ شخص چھت کو کیوں دیکھتا رہتا ہے۔

اس نے ایک فارم نکالا اور پُر کرنے لگا... نام... پتہ... شہریت..... پاسپورٹ نمبر...

"یہاں دستخط کر دو اور دوسری منزل پر چلے جاؤ"

ایک وسیع ہال میں ڈارمیٹری طرز پر نیچے اوپر تیس چالیس بستر لگے تھے۔ بیشتر لوگ ابھی تک سو رہے تھے اور چمکتے فرش کے باوجود فضا میں ایک نامعلوم بساند تھی۔ میں نے سڑک پر کھلتی بڑی کھڑکی کے قریب بستر کو خالی پایا اور اپنا سامان رکھ دیا۔ سامنے "ہوٹل ایڈلر" کی کھڑکی نظر آ رہی تھی اور وہ میری سطح پر تھی... وہاں اب کون تھا... شائد کوئی خانہ بدوش، کوئی اور جپسی.... اس کے پردے گرے ہوئے تھے...

"کھڑکی بند کر دو" جپسی نے آگے بڑھ کر کواڑ بند کر دیئے۔ کمرے میں روشنی مدھم ہو گئی۔

"باہر دیکھنے کے لئے کچھ نہیں"

"میں ان کھڑکیوں کو دیکھ رہا ہوں جو عمارت پر پینٹ کی ہوئی لگتی ہیں" میں

نے پھر کواڑ کھول دیئے۔

"اور دیکھو" میں ذرا آگے ہو کر دائیں جانب دیکھنے لگا "یہاں سے بازار کے آخر میں واقع چوکور کلاک ٹاور بھی نظر آتا ہے۔"

یہی کھڑکی تھی جو اس کھڑکی سے پینٹ کی ہوئی دکھائی دیتی تھی... کھڑکی سے باہر جھانکنے کی خواہش مجھ میں گم ہو چکی تھی۔

جیسی نے میری کمر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پرے دھکیل کر پھر کواڑ بند کر دیئے "یہاں سے کچھ بھی نظر نہیں آتا... بس کھڑکی مت کھولو۔"

بُوم پلاتنز شہر سے خاصے فاصلے پر تھا...

ایک چار منزلہ جدید عمارت کے ماتھے پر بڑے حرفوں میں جیسی کی کاروباری فرم کا نام دُور سے نظر آگیا۔ وہاں پہنچ کر اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ سفر میں دنوں کا حساب تو رہتا نہیں، میں اتوار کے روز آگیا تھا اور آج چھٹی تھی۔

میں اِدھر اُدھر تانک جھانک کر رہا تھا کہ ایک بوڑھا کہیں سے نمودار ہو گیا اور مجھ پر برس پڑا۔ چونکہ وہ جرمن میں برس رہا تھا اس لئے میں زیادہ بھیگا نہیں... میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ میں جیسی کا جاننے والا ہوں اور اپنی ڈاک وصول کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اس دوران اس کی بیوی اور ایک خوب خوب پلی ہوئی بیٹی بھی آ گئی۔ اس پلی ہوئی بیٹی کو انگریزی کے چند لفظ آتے تھے۔

"دفتر بند ہے" اس نے اٹک اٹک کر تینوں لفظ جوڑے۔

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں" میں نے جھلا کر کہا "میں یہاں اپنی ڈاک لینے آیا ہوں۔ اور کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتی ہیں؟"

"جی مہربانی کر کے کیا فرمایا آپ نے؟" وہ جلدی سے بولی... میں نے دوبارہ بتایا کہ کیا چاہتا ہوں۔

"ٹھہریئے" وہ عمارت کے اندر چلی گئی... بوڑھا اور اُس کی بیوی مجھے دیکھتے رہے۔

"آیئے" وہ باہر آئی۔

"چلئے" میں اس کے ہمراہ اندر چلا گیا۔

"فون" اس نے ایک فون کا چونگا مجھے تھما دیا "آپ بولئے۔"

"ہیلو..." میں نے ذرا بلند آواز میں کہا "دیکھئے میں پاکستان سے آیا ہوں اور جیسی کا دوست ہوں اور براہِ کرم اپنے چوکیدار سے کہیئے کہ میرے نام کے آئے ہوئے خطوط میرے حوالے کر دے.... آپ جیسی کو جانتے ہیں ناں؟"

دوسری جانب سے ایک بے اختیار ہنسی کے درمیان میں مجھے اپنا نام سنائی دیا... یہ تو جیسی خود تھی۔

"تم تو چھٹیاں منانے کے لئے فرانسیسی رویئرا جا چکی تھیں...؟"

"نہیں نہیں میں یہیں ہوں..." وہ ہنستی جا رہی تھی "جیسی تو تم مجھے کہتے ہو بیوقوف آدمی۔ میرا اسٹاف تو مجھے میرے خاندانی نام سے ہی جانتا ہے ناں۔ جس احمق کلرک نے تمہارا فون سنا اس نے سمجھا کہ شائد تم میری چھوٹی بہن کے بارے میں دریافت کر رہے ہو... بعد میں مجھے معلوم ہوا... اور مجھے فکر تھی کہ کہیں تم میری غیر موجودگی کی بنا پر سینٹ گوتھارڈ سے ہی واپس نہ چلے جاؤ...؟"

"ویسے میں صرف تمہارے لئے تو سوئٹزرلینڈ نہیں آیا...؟" اُسے برن میں پا کر مجھے بے حد مسرت ہو رہی تھی۔

"اگر تم سوئٹزرلینڈ کی سرحد پار کرتے ہو تو تم میرے مہمان ہو" وہ نان سٹاپ ہنستی جا رہی تھی "چاہے تم میرے لئے یہاں آئے ہو یا نہیں... کہاں ٹھہرے ہو؟ کیا میں تمہارے لئے رہائش کا بندوبست کر دوں؟"

میں نے اُسے ہوسٹل کا نام بتایا۔

"غیر معروف جگہ ہے..... بہر حال تلاش کر لوں گی۔ اس وقت میں مصروف ہوں۔ شام چھ بجے آؤں گی۔"

وہ ایک سوس گھڑی کی طرح پورے چھ بجے میرے ہوسٹل کے دروازے پر ٹک ٹک کر رہی تھی.... پہلے سے قدرے دبلی اور سمارٹ البتہ دانتوں اور بالوں میں ایک ماندگی تھی جیسے ایک وحشی جانور ایک عرصے تک قید رہے تو اُس کی آنکھیں بجھی بجھی سی رہنے لگتی ہیں، جیپسی بھی اپنے وحشی جذبوں کو کاروباری قید میں کھو چکی تھی ایک عرصے سے....

"تم ٹھیک لگ رہے ہو..." اُس نے پُر مسرت نظروں سے میرے چہرے کو جانچا۔

"اور تم کیسی ہو؟"

"پچھلے ہفتے میرے ڈاکٹر نے تفصیلی جسمانی معائنے کے بعد مجھے ایک گھوڑے کی طرح فٹ قرار دیا ہے..." وہ حسبِ معمول قہقہہ لگا کر بولی اور پھر فرداً فرداً میرے خاندان کے بارے میں پوچھنے لگی "میرا بہت جی چاہتا ہے کہ میں اُن سب سے دوبارہ ملوں..." اُس نے گھڑی دیکھی "اوہ مجھے ابھی تمہارے ڈنر کا انتظام کرنا ہے... آؤ۔"

کار میں بیٹھ کر میں نے "ہوٹل ایڈلر" کے بورڈ کی طرف دیکھا "وہ کھڑکی ابھی تک ہے جیپسی..."

"ہوں؟" وہ چونک گئی... "کونسی کھڑکی؟" اُس نے اُدھر دیکھے بغیر چابی گھما کر کار سٹارٹ کر دی "ہاں... میں جب بھی یہاں سے گذرتی ہوں..." "میری آنکھیں اُسے دیکھتی ہیں۔ میں بھولی نہیں.... تم اس سڑک پر کیوں ٹھہرے؟"

"ہوسٹل بہت سستا تھا اس لئے.... اور مجھے معلوم نہ تھا کہ... ویسے وہ جگہ تو گم ہو چکی ہے جیپسی... یہ تو اس کی پرچھائیاں ہیں..."

"جذباتی تقریر..." وہ یکدم بول اُٹھی... "اوہ ہاں تمہارا ڈنر"

ہر چند سو گز کے فاصلے پر وہ کار روک کر نزدیکی سٹور میں چلی جاتی اور خوراک کے پلندے اٹھائے باہر آجاتی "تمہارا ڈنر..."

جیپسی کا گھر برن سے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا....

دو بیڈ روم کا گھر دھیمی امارت کی مہک لئے ہوئے تھا.... پرانا فرنیچر بھاری پردے، دبیز ترکستانی قالین، سنہری فریموں میں جڑے آئینے اور ٹیک وُڈ کا ایک سیاہ شیلف جس کے خانوں میں بے شمار کتابیں تھیں اور اُن میں چند ایسی کتابیں جو اُردو میں تھیں... میری لکھی ہوئی...

"بیٹھو" اُس نے کہا اور خود کچن میں چلی گئی۔

میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا اور پھر اُٹھ کر کچن میں چلا گیا۔

"تمہارا ڈنر" اُس نے گیس رینج پر چند فرائی پین رکھے ہوئے تھے اور اُن میں پتہ نہیں کیا تلا جا رہا تھا "تم یوں کرو کہ..." وہ تیزی سے نکلی اور ایک دراز میں سے ایک بھاری چابی نکال کر میرے حوالے کر دی "تم نیچے تہ خانے میں سے اپنی پسند کا مشروب لے آؤ میں اتنی دیر میں کھانا تیار کرتی ہوں"

نیچے تہ خانے میں اندھیرا تھا... میں نے لائٹ جلا کر جائزہ لیا... مختلف مشروبات کے کریٹ رکھے ہوئے تھے... ایک جانب غیر ضروری اشیا کا ڈھیر تھا، میں نے اپنی پسند کے مشروبات اٹھائے اور باہر آنے لگا... اور تب میں نے تہ خانے کے کونے میں... اُس ڈھیر پر اپنی ایک پرانی قمیض کو دیکھا... یہ ایک اونی قمیض تھی... سیاہ اور نیلے چارخانوں والی.... اسے میں نے آسٹن ریڈ لنڈن کی سالانہ سیل میں خریدا تھا اور سوئٹزر لینڈ میں آکر پہلی مرتبہ پہنا تھا.... جب میں برن سے زیورچ پہنچا تھا تو یہ میرے رک سیک میں نہیں تھی اور میں نے جانا کہ گم ہو گئی ہے... اور یہ یہاں تھی...

جیپسی کے تہ خانے میں پُرانے اور غیر ضروری کاٹھ کباڑ کے ڈھیر پر۔۔۔۔

میں مشروب اٹھا کر اوپر آگیا۔

وہ گیس رینج اور فرج کے درمیان ایک مشین کی طرح حرکت کر رہی تھی۔

میرے ڈنر میں زعفرانی چاول تھے۔ گوشت کے مصالحے دار قتلے، پنیر میں فرائی کی ہوئی مچھلیاں اور پتہ نہیں کیا کیا تھا۔ کھانے کے دوران وہ ایک بلا کی طرح میرے سر پر سوار رہی" اور کھاؤ۔۔۔ تم بہت کمزور نظر آرہے ہو۔۔۔ کیا میں زبردست کک نہیں ہوں۔ اس قسم کا کھانا تمہیں کہیں نہیں ملے گا کیونکہ یہ ایک کاک ٹیل ہے اُن کھانوں کی جو مجھے دنیا کے مختلف ملکوں میں پسند آئے۔۔۔"

کافی کے لئے ہم ڈرائنگ رُوم میں آگئے۔

"اب بتاؤ کہ تم سوئٹزرلینڈ میں کیا کر رہے ہو؟"

"جو پہلے کرتا تھا۔۔۔ آوارہ گردی۔۔" میں نے اُسے اپنے سفر کی روئداد سنائی۔

"اور یہاں سے واپس جاؤ گے؟"

"نہیں۔۔ جرمنی اور سویڈن"

"کیسے؟"

"ہچ ہائکنگ کے ذریعے" وہ ناک چڑھا کر کہنے لگی" تمہیں اس طرح دھکّے کھانے میں کیا چارم نظر آتا ہے۔۔۔۔ کیا تم آرام دہ طریقوں سے سفر نہیں کر سکتے؟"

"میرے پاس حسبِ معمول پیسے کم ہیں۔۔۔ اور یُوں بھی زندگی میں جتنی خوبصورتیاں ملیں وہ ہچ ہائکنگ کی وجہ سے ہی ملیں۔۔۔ اور ان میں تم بھی شامل ہو۔"

"نہیں" وہ زور سے ہنسی" میں خوبصورت نہیں ہوں۔۔۔ سب لوگ کہتے ہیں تم جوانی میں بہت بے ہنگم اور وحشی ہوتی تھیں۔۔۔۔ نہیں میں اُن دنوں خوبصورت نہیں تھی۔"

"بے ہنگم اور وحشی ہونا ہی تمہاری خوبصورتی تھی۔۔۔"

"دیکھو تم اطمینان سے سارا یورپ دیکھو۔ میں کل ہی اپنے ٹریول ایجنٹ سے تمہیں ٹرین کا ٹکٹ خرید دوں گی اور تمام ملکوں میں اپنے کاروباری رابطوں کو ٹیلیکس کے ذریعے تمہاری آمد کی اطلاع کر دوں گی۔۔۔ وہ تمہارا خیال رکھیں گے۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ اس مرتبہ نہیں جیپسی۔۔۔"

"کیوں اس مرتبہ کیوں نہیں۔۔۔۔ اور تمہیں پتہ ہے صرف تم مجھے جیپسی کہتے ہو۔۔۔ اور کوئی نہیں کہتا۔"

"شائد اس لئے کہ کسی اور کی ملاقات اس جیپسی سے نہیں ہوئی۔۔۔ صرف میری ہوئی۔"

"تم انکار نہیں کرو گے" اس نے پھر موضوع بدل دیا۔ اُس کی حاکمیت برقرار تھی" تم جونہی سوئٹزرلینڈ میں داخل ہوتے ہو میری ذمہ داری بن جاتے ہو۔۔۔ خیر کل صبح تم کیسینو پلاٹز میں میرے ذاتی دفتر میں آجانا۔۔۔ پھر طے کر لیں گے۔۔۔"

تپائی پر ایک ڈھلتی عمر کے خرانٹ چہرے کی تصویر تھی۔ اور یہ جانی تھا جو یونانی تھا مصر میں رہتا تھا اور یہودی تھا۔ جیپسی کا بوائے فرینڈ اور بزنس پارٹنر۔۔۔ وہ دونوں قدیم مصری نوادرات کا کاروبار کرتے تھے۔۔۔ جائز کم اور شائد ناجائز زیادہ۔۔۔

"کیا تم اب بھی شادی شدہ ہو؟" جیپسی نے یکدم پوچھا۔

"میں؟" میں نے سینے پر ہتھیلی جما کر حیرت سے کہا" ہاں۔۔۔ کیوں؟"

"بس یونہی پوچھا تھا کہ۔۔۔"

"ہم لوگ تو ایک مرتبہ شادی شدہ ہو گئے جیپسی۔۔۔ خوش۔ ناخوش۔ رنجیدہ اور راضی۔۔۔۔ ہو گئے تو ہو گئے۔"

"تمہارے بیٹے کیسے ہیں؟ تمہاری طرح ہیں؟"

میں نے بٹوے میں سے ایک تصویر نکالی۔۔۔۔

"اوہ یہ کتنے تمہاری طرح ہیں ..." اُس نے میری طرف دیکھا اور اُن نظروں سے دیکھا جن میں رات کا شائبہ تھا جیسے وہ اندھیرے میں سلگنے والی نظریں ہوں ..." تم اِن سے بہت محبّت کرتے ہو گے ؟"

" میں دراصل اُن کی دادی جان ہوں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا" اور میں اُن کو دادیوں کی طرح چاہتا ہوں ... اور میں اُن کے بارے میں تم سے زیادہ بات نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح شائد میری آنکھوں میں آنسو آجائیں "

" سچ ؟" وہ بولی" یہ تو ونڈر فُل ہے ... اور میں اُن کے لئے تحفے بھیجوں گی ..."

آج بھی اخروٹ کی لکڑی کی ایک میز پر وہ کلاک رکھا ہوا ہے جو اُس نے میرے بیٹے کے لئے بھیجا اور اُس کے نیچے شائد ابھی تک وہ چٹ لگی ہو گی جس پر" آنٹی جیسی کی طرف سے" لکھا ہوا ہے ...

" تم یوں تنہا رہتے ہوئے اُکتا نہیں جاتیں جیسی ؟"

" کون میں ؟" وہ ایک مرتبہ پھر بُری طرح چونکی" نہیں نہیں ... عام طور پر رخسانہ میرے ساتھ ہوتی ہے لیکن وہ زخمی ہے غریب سٹے ۔ ہسپتال میں داخل کروایا ہے اس کی دُم میں زخم آگیا ہے "

" دُم میں ؟"

" ہاں سڑک پار کر رہی تھی تو کسی بدبخت ڈرائیور نے ... اس کی دُم پر سے پہیہ گذار دیا ..." وہ زبان سے چخ چخ کرتی ہوئی کہنے لگی" کل اُسے دیکھنے چلیں گے ... اور کافی لو گے ؟" وہ انتظار کئے بغیر ایک اور پیالی بھر لائی" اِسے پیو اور چلے جاؤ کل صبح کیسینو بلازا آجانا ۔ میں دفتر سے چھٹی کر لوں گی اور پھر پکنک کے لئے کہیں چلیں گے "

ہوسٹل کے دروازے کے سامنے کار روک کر اس نے پہلے" ہوٹل ایڈلر" کی کھڑکی کو دیکھا اور پھر میرے گال پر ہتھیلی رکھ کر کہنے لگی" میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ میں تمہیں لاتنے

عرصے سے جانتی ہوں کہ ہم ساتھ جوان ہوئے اور اب ... کیا یہ ونڈر فُل نہیں کہ ہم اب تک قریبی دوست ہیں ؟"

" ونڈر فُل" میں نے مشینی انداز میں جواب دیا اور کار کا دروازہ کھول کر فٹ پاتھ پر آگیا ۔ ہوسٹل کے اندر تمام روشنیاں گُل ہو چکی تھیں ۔

میں ہال کمرے میں داخل ہوا تو دروازہ کھُلنے کی آواز پر مختلف بستروں میں سے عجیب ناقابلِ فہم سی بڑبڑاہٹ سنائی دی جیسے غلیظ جوہڑ میں کوئی خالی مٹکا ڈوب رہا ہو ۔ بُو بھی تھی ۔ غلیظ جوہڑ ایسی ۔

میں اپنے بستر پر لیٹ گیا ۔ اُوپر کے بستر میں لیٹا مسافر کروٹیں بدل رہا تھا اور اس کے آہنی سپرنگوں کی کسمساہٹ میرے دماغ میں کھُب رہی تھی ۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کھانسنے لگا مگر ایک عجیب حیوانی آواز کے ساتھ جیسے بوڑھا مینڈک ٹرّانے کی ناکام کوشش کر رہا ہو ۔ میں کمبل میں منہ لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا ۔

رات کے کسی پہر اچانک میری آنکھ کھُل گئی ۔ ایک شدید متلی آور بُو پھیل رہی تھی اور پانی کے گرنے کی آواز جیسے کوئی ڈھیلا نَل بہہ رہا ہو ... میں نے سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا ۔ تاریک ہال کے وسط میں کھڑا ایک لرزتا ہوا جسم ، سر جھکائے کچھ بے اختیار سا ہو کر اپنا مثانہ خالی کر رہا تھا ...

" ہے ..." میں چیخا " تم ٹائلٹ نہیں جا سکتے ؟"

وہ اُسی طرح کھڑا لرزتا رہا ۔ اپنے آپ کو خالی کرتا رہا ۔ بڑبڑاتا رہا ... بقیہ بستروں میں حرکت ہوئی مگر وہاں سے صرف ہلکی ہلکی ڈکار نما آوازیں آئیں ، کوئی کچھ نہ بولا ۔ میں منہ میں رومال ٹھونس کر پھر لیٹ گیا ۔

صُبح آنکھ کھُلی تو ایک چُست جسم کی ادھیڑ عمر عورت ایک لمبے بُرش کی مدد سے فرش کا متاثرشدہ حصّہ دھو رہی تھی ، میں نے اسے پچھلی شب کے بارے میں بتایا ۔

”یہ بے چارے کچھ نہیں کر سکتے“ وہ برش کو فینائل کی بالٹی میں ڈبو کر تاسف سے کہنے لگی۔ ”مجبور ہیں۔“

ناشتے کے لئے ڈائننگ روم میں داخل ہونے والا میں پہلا شخص تھا۔ میں نے میز پر ہاتھ پھیرا، اس پر میل کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ ہال کی صفائی کرنے والی عورت اندر آئی۔ ایپرن باندھ کر کاؤنٹر کے پیچھے جھکی اور پھر میری میز پر آکر کافی کا ایک مگ اور جام کی ایک پلیٹ رکھ دی ....

کافی یخ ہو چکی تھی اور اس میں بھی بُو تھی۔

جام کا مزا کیچڑ ایسا تھا۔

آہستہ آہستہ ڈائننگ روم بھرنے لگا اور اس کے ساتھ ہی وہ مخصوص بساندجو اس عمارت کے رگ و پے میں تھی تیز ہونے لگی.... وہ ایک ایک کرکے آرہے تھے جیسے اپنے جنازے کو خود کاندھا دے رہے ہیں.... پاؤں گھسیٹتے، بڑبڑاتے.... میزوں کے گرد بیٹھے ہوئے بوڑھے مجھے دیکھتے تھے۔ آنکھیں پھولی ہوئی اور مردہ چہرے بگڑے ہوئے جیسے ناقص آئینوں میں سے جھانک رہے ہوں یا ربڑ کے مجسمے کو تندور میں ڈال کر فوراً نکال لیا جائے تو اس کے خدوخال پگھل کر بگڑ جاتے ہیں۔ وہ سب اتنے بوڑھے تھے کہ ان میں بولنے کی سکت بھی نہ تھی۔ وہ متلی آور بساند اُن کے گلتے ہوئے بوسیدہ نیم مردہ گوشت میں سے آرہی تھی.... ایک بوڑھا پاؤں گھسیٹتا ہوا آیا اور میرے سر پر کھڑے ہو کر کسی ذبح ہوتے ہوئے حیوان کی طرح غاں غاں کرنے لگا.... میں دراصل اس کی مخصوص نشست پر بیٹھ گیا تھا اور وہ احتجاج کر رہا تھا.... باقی بوڑھے بھی مجھے دیکھتے تھے یا صرف میری طرف دیکھتے تھے کیونکہ ان میں سے بیشتر کی بینائی بھی نہ ہونے کے برابر تھی.... میں اٹھا اور ناشتے کی ادائیگی کرکے باہر آگیا۔

کیسینو پلاتز برن کا تجارتی مرکز ہے.... چوک کے درمیان میں ایک جزیرہ نما جگہ پر مختلف اداروں کے دفاتر ہیں اور ان کے آس پاس ٹریفک رواں رہتی ہے.... اسی جزیرے میں جپسی کا دفتر ہے اور اس کی تمام دیواریں ایلومونیم اور شیشے کی ہیں.... وہ بیک وقت دو ٹیلی فون بھگتا رہی تھی اور ساتھ ساتھ نوٹس بنا رہی تھی۔ مجھے اندر آتا دیکھ کر اس نے دونوں چونگوں کے آگے منہ لا کر کوئی مشترکہ معذرت کی اور فون بند کر دیئے۔

”کیسے سوئے؟“

میں نے پچھلی شب اور ڈائننگ روم کی کراہت آمیز تفصیل سُنائی۔

”ہمارے ہاں اولڈ پیپلز ہوم تو موجود ہیں مگر اُن میں بھی رہائش کے لئے خاصی رقم درکار ہوتی ہے چنانچہ غریب اور بے آسرا بوڑھے اس قسم کے سستے اور خیرات سے چلنے والے ہوسٹلوں میں پڑے رہتے ہیں....“ جپسی نے ایک اخباری اور غیر متأثر انداز میں بتایا۔

”لیکن وہ صرف بوڑھے نہیں تھے۔ اُن کے جسموں سے زوال کی بو اُٹھتی تھی۔ گوشت بوسیدہ ہو کر گرنے کو تھا۔“

"وہ مصنوعی جسم ہیں" وہ بولی "ڈاکٹر انہیں طرح طرح کے ٹیکوں اور دواؤں کے سہارے زندہ رکھتے ہیں... تمہیں معلوم ہے کہ سوئٹزرلینڈ ایک ویل فیئر سٹیٹ ہے اور ہم لوگوں کو آسانی سے مرنے نہیں دیتے..."

میں نے اُسے اپنے ہاں کے عمر رسیدہ لوگوں کے بارے میں بتایا جن کے چہرے غربت کے باوجود روشن رہتے ہیں اور جن کی موجودگی میں ہمیشہ سادگی کی آرامدہ مہک ہوتی ہے۔

"اصل فرق تنہائی یا ہمسائگی کا ہوتا ہے... یہ لوگ تنہا ہیں اور کوئی بھی ان کے قریب نہیں جاتا۔ تمہارے ہاں کے بوڑھوں کو میں نے اکثر اپنی اولاد کے درمیان پایا ہے۔"

"تم بھی تو تنہا ہو جیسی..."

"میں؟" وہ بے تحاشا ہنسی... لیکن اس ہنسی میں کہیں کہیں کوشش تھی جیسے ایک اداکار ہنستا ہے۔ "نہیں نہیں یہ میرا مسئلہ نہیں ہے... میں تو روزانہ درجنوں بلکہ سینکڑوں لوگوں سے ملتی ہوں... اور اتنے فون، فائلیں، دفتر اور پھر رخسانہ..."

فون کی گھنٹی بجی "اوہ... میں پندرہ منٹ میں فارغ ہو جاؤں گی۔ تم اتنی دیر کے لئے اپنے آپ کو مصروف کر لو..." اس نے تیزی سے کہا اور فون پر کسی کاروباری گفتگو میں مگن ہو گئی۔

میں اخبار دیکھنے لگا۔

کیسینیو پلاتز کے جزیرے میں بیٹھ کر ٹریفک بے آواز لگتی تھی....

ٹھیک پندرہ منٹ بعد اُس نے دفتر بند کیا اور ایک بھاری بیگ مجھے دیا۔

"اس میں تمہارا اڈز ہے" اور ہم باہر آ کر کار میں بیٹھ گئے۔

"سب سے پہلے رخسانہ کی خیریت معلوم کرتے ہیں۔"

رخسانہ مزے میں تھی... چھوٹا سا شفاف ڈربہ، خوراک کے لئے چمکتی پلیٹیں اور پیالے.... اور ایک نوجوان نرس جو ہر دوسرے لمحے آکر اُسے "مائی ڈارلنگ بے بی" کہتے ہوئے تھپکتی اور چلی جاتی۔ اس کی دُم پر ایک دو گرہ کی سفید پٹی بندھی ہوئی تھی اُس ہوسٹل کا کوئی بھی بوڑھا اِس ڈربے میں رہنے کے لئے رُخسانہ کے چاروں پاؤں چاٹتا... جیسی نے اسے وٹامن کی چند گولیاں کھلائیں اور ہم جانوروں کے ہسپتال سے باہر آ گئے۔

اس کے بعد ہم جیسی کی چھوٹی بہن سیمون کے گھر گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھے، کافی کا ایک مگ پیا اور باہر آ گئے۔

"اور اب ہم پکنک کے لئے شہر سے باہر ایک کاٹج میں چلیں گے جو میرے بھائی کا ہے مگر ان دنوں خالی پڑا ہے..."

دس منٹ کی ڈرائیو ہمیں برن سے باہر لے آئی... ایک چھوٹی سی سڑک جو ایک مختصر پہاڑی پر لپٹی ہوئی تھی... ہم اس سڑک پر مڑ گئے۔ چند روز سے بارش نہیں ہوئی تھی اس لئے کناروں پر دُھول تھی... اس پہاڑی پر متمول لوگوں کے ویک اینڈ کاٹج تھے لیکن میں نے کہیں بھی کسی شخص کو نہ دیکھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سب لوگ اپنے اپنے کاروبار اور پیشوں میں اتنی شدت سے مصروف ہوتے ہیں کہ دن کے وقت ان گھروں میں کوئی بھی نہیں ہوتا... کئی کاٹج تو بالکل بے آباد لگتے تھے۔

گرد آلود راستے کے آخر میں لکڑی کا ایک بوسیدہ پھاٹک تھا جو ذرا سا دھکیلنے سے کھل گیا۔ کاٹج کے آس پاس قدِ آدم گھاس سرسرا رہی تھی اور لکڑی کی دیواروں سے خودرو بیلیں چمٹی ہوئی تھیں...

"اُدھر دھوپ میں بیٹھتے ہیں۔"

اُدھر ہماری آہٹ سے گھاس میں لرزش پیدا ہوئی اور ایک طویل قامت

سنہری بالوں والی بھری بھری خاتون کھڑی ہو گئی۔ پھر بیٹھ گئی۔ دوبارہ کھڑی ہوئی تو تولیے میں لپٹی ہوئی تھی۔

جیپسی نے ایک زہر آلود مسکراہٹ اس کی جانب پھینکی اور دو چار فقروں کے تبادلے کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئی "میرے بھائی کو جانے بڑا گوشت کیوں پسند ہے.... اس کی داشتہ ہے، مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ گوشت آج ہی یہاں دھوپ سینکنے آجائے گا۔"

کار میں دوبارہ بیٹھ کر وہ انگلی سے ناک تھپکنے لگی" اب کہاں جائیں؟"

"دوپہر ہو چکی ہے۔ کھانا ہمیں کار میں بیٹھ کر ہی کھا لیتے ہیں۔"

"نہیں نہیں" اس کی حاکمیت جاگ اُٹھی" ہم کسی ونڈرفل مقام پر پکنک منائیں گے.... مثلاً" اس کا چہرہ یکدم کھل اُٹھا اور آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں" مجھے بالکل معلوم ہے کہ ہمیں پکنک کے لئے کہاں جانا ہے۔"

....

جیپسی کی کار دھول اڑاتی پہاڑی سے نیچے آئی اور ایک شاہراہ پر رواں ہو گئی۔ ٹریفک بہت کم تھی۔

ایک قصبے سے گذر ہوا اور پھر ہم ایک جھیل کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگے...

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"واپس" اُس نے کہا۔

اولین تجربوں کا میدان اب بھی سرسبز تھا۔

وہی سفید نشست اور یقیناً وہی پُرسکون نہر جو جھیلوں کے درمیان بہتی تھی... ینگ فرا کی چوٹی دوپہر کی دھوپ میں آئینہ بنی کھڑی تھی... سبزے کی تازہ مہک اور پانی کی نم آلود قربت ہوا میں تھی...

جیپسی نے سفید نشست کی سطح پر اُنگلی پھیری، گرد تھی۔

وہ اس پر رومال بچھا کر قدرے بے آرامی سے بیٹھ گئی" آؤ بیٹھ جاؤ"

"میں اس منظر کو پہلی مرتبہ دن کی روشنی میں دیکھ رہا ہوں" میں نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا۔

"میں بھی اُس کے بعد پہلی مرتبہ یہاں آئی ہوں..." وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ میں نے اُس ڈھلوان کی طرف دیکھا جہاں شاید صدیوں پہلے میرا خیمہ تھا۔

"یہ تم نے ڈھلوان پر خیمہ کیوں لگایا ہے۔ میں کھسک جاتی ہوں"

اور میں نے جیپسی کی طرف دیکھا اور یہ عجیب بات ہے کہ پہلی مرتبہ دیکھا۔ یعنی اُس رات جب ہم اس نہر کے کنارے تھے اور ایک روشن کشتی گذرتی تھی تو میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اور اب میں اُسے پھر دیکھ رہا تھا... وقت نے اُس کے چہرے پر اپنے نشان چھوڑے تھے لیکن میں ان نشانوں کے پیچھے دیکھتا تھا... اور شاید اُس نے بھی مجھے پہلی مرتبہ دیکھا۔

"میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں" وہ سفید نشست پر انگلی پھیرتی رہی" کیا تم سچ مچ اپنی شادی شدہ زندگی سے بہت خوش ہو؟"

"میں مطمئن ہوں...؟"

"ہوں...؟" اس نے سر ہلایا" تو پھر ٹھیک ہے..."

"کیا ٹھیک ہے؟"

"کچھ نہیں..."

وہ نشست کے آخری سرے پر بیٹھی اُس کی گرد آلود سطح پر اُنگلی پھیرتی رہی... وہ کبھی کبھار مجھے دیکھتی... اور مجھے کچھ ہوتا.... جو کچھ کئی برس پہلے یہاں ہوا تھا۔ کیا وہ ہم تھے جن کے ساتھ وہ سب کچھ ہوا....

میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور ہم بڑی دیر تک خاموشی سے ینگ فرو کی طرف دیکھتے رہے.... پھر اس نے میری گردن پر ہتھیلی رکھ کر مجھے اپنے قریب کیا اور میرے ہونٹ نم ہوئے.... اور تھرتھرائے.... ایک جھجھک تھی۔

جیسی پیچھے ہو گئی "کیا ہوا؟"

"پتہ نہیں لیکن میں بھی اب وہ نہیں ہوں.... میرا بدن تمہارے لمس کے باوجود ٹھنڈا رہتا ہے.."

ہمارے درمیان خاموشی کا ایک اور وقفہ آیا۔

"تم مجھے کہیں سے ایک بچہ لا کر نہیں دے سکتے؟" یہ فقرہ اُس نے اتنی تیزی سے ادا کیا جیسے اس کا ہر لفظ ایک گہری کھائی ہو جس پر سے وہ تیزی سے گذر جانا چاہتی ہو۔

"تم یقیناً اپنی خواہش یاد رکھتی ہو"

"ہاں اور کیا تم نے میری خواہش پوری کر دی تھی؟..."

"میں اس وقت اتنا نوعمر تھا کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اس قسم کی خواہش کو کس طرح پورا کیا جاتا ہے.."

اس کے پیلے پڑتے دانت باریک ہونٹوں میں سے جھانکے "تم بہت احتیاط برتتے رہے... مجھے تم سے یہی شکائت ہے کہ تم نے میری خواہش پوری نہ کی.."

"تمہیں جیسی..." کیا عجیب باتیں کر رہی ہے یہ خاتون، میں نے سوچا.... ایک وقت تھا کہ یہ میرے لمس سے بدکنے لگی تھی۔ پورے ماضی کو بچوں کی بیوقوفی سے تعبیر کرتی تھی اور اب خود ماضی کی طرف پلٹ گئی ہے اور اس میں وہی خواہشیں اور وہی جذبے دوبارہ بیدار ہونے لگے ہیں... یہ کیا دائرہ ہے!.... شروع کہیں سے ہوتا ہے، پھر دور ہو جاتا ہے اور آخر میں پھر اِس کے سرے مل جاتے ہیں۔

"ہاں مجھے.... وہ اس وقت ہمارے ساتھ ہوتا... تمہارے جتنا جب تم آئے تھے...."

"جب تم میرے وطن میں تھیں تو..."

"ہاں اُس وقت میں نے بھی محسوس کیا... میں نے زندگی میں تمہارے لئے جو محسوس کیا وہ تم سے کہہ دیا.... ہمیشہ.... ٹھیک ہے میں اور تم اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے مطابق ایک دوسرے کے لئے مختلف احساس رکھتے رہے لیکن ہم ایک دوسرے سے کبھی خالی نہیں ہوئے.... ہمارے درمیان کچھ نہ کچھ ہوتا رہا... مجھے واقعی ایک بچہ چاہیئے۔ میں اسے شہزادوں کی طرح پالوں گی..."

"کوئی بھی اور کسی کا بچہ؟"

"ہاں... لیکن... اگر تم... خیر شائد یہ ممکن نہ ہو تمہارے لئے... دیکھو میں نے پاکستان میں بے شمار لاوارث بچے دیکھے ہیں۔ کیا تم اُن میں سے کسی ایک کو یہاں بھجوانے کا انتظام نہیں کر سکتے؟"

"تم بہت ہی مصروف زندگی بسر کر رہی ہو جیسی اور بہت ہی خود مختار... بچے کی پرورش کے لئے وقت چاہیئے... اور غلامی چاہیئے"

"میں اتوار کو بالکل فارغ ہوتی ہوں اور اکثر شاموں کو بھی۔ تم نے دیکھا نہیں کہ میں رُخسانہ کی کس طرح دیکھ بھال کر رہی ہوں؟"

میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا "کچھ فرق ہوتا ہے ایک کُتیا میں... اور انسان کے بچے میں"

"انسان بھی ایک طرح کا جانور ہی ہے ناں.... میں اُسے بہترین خوراک اور لباس دوں گی۔ دیکھ بھال کے لئے ایک نرس رکھ لوں گی۔ اُسے اور کیا چاہیئے؟"

"وہی جو ہوسٹل میں گھسٹنے والے غاں غاں کرتے بوڑھے اپنی اولاد کو نہیں دے سکے"

"اُن بوڑھوں کی بات مت کرو..." وہ خوفزدہ ہو گئی "مجھے معلوم نہ تھا کہ یہاں اِس

ملک میں بوڑھے ایسے حالات میں رہتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ "ہوٹل ایڈلر" کے عین سامنے وہ ہوسٹل ہے...."

"ہاں... وہ دونوں عمارتیں ایک ہی کوچے میں ہیں... ایک میں ہم دونوں جوان ہوئے اور دوسری میں فی الحال میں مقیم ہوں... تم تو یوں بھی ایک امیر خاتون ہو تمہارا بڑھاپا اُن سے بہت بہتر ہوگا..."

"دیکھو" وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی "میں زیادہ دیر اپنے باپ کی فرم میں کام نہیں کروں گی.... میرا جی چاہتا ہے کہ میں نوادرات کی ایک چھوٹی سی دوکان کھول لوں.... فلیٹ میرا اپنا ہے اور... اور میرے پاس بہت کچھ ہے.... ہم وہ سب کچھ شیئر کر سکتے ہیں..."

"میں شائد خوش نہیں ہوں، ہو سکتا ہے میں بہت ہی ناخوش ہوں لیکن... میں گھر جاتا ہوں تو اس مختصر گھر میں میرے لئے جو بھی احساسات ہیں وہ دائمی ہیں... وہ لمحہ بہ لمحہ بدلتے نہیں.... نہ میں اُن کے لئے بدلتا ہوں.... مجھے وہی زندگی درکار ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں...."

"آؤ یہاں سے چلیں... یہاں آنا ایک حماقت تھی...."

میں دوسری جانب دیکھ رہا تھا.... نہر کے کنارے کی طرف جہاں گھاس تھی، گھاس جو ہمارے جسموں سے دبی تھی۔

میں آگے جا کر کنارے پر بیٹھ گیا... نہر میں پانی رواں تھا اور کناروں کی گھاس جو اس میں ڈوبی ہوئی تھی بہاؤ کے زور میں آ کر وحشی ہوئی جاتی تھی جیسے ہم ہوئے تھے ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ ہم بہاؤ ہیں... لیکن ہم گھاس تھے.... وہیں ایک جگہ پر قید تھے صرف پانی ہم میں ہلچل پیدا کرتا تھا... میں پانی کی سطح پر جھکا تو اس میں میری شکل بہتی تھی اور بنتی تھی....

"کیا دیکھ رہے ہو؟" سطح پر میری شکل کے ساتھ اُس کا نقش پانی پر آیا "نہر میں

وہی پانی سدا نہیں رہتے بدلتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ہم بھی... ہمارے چہرے اور ہمارے محسوسات بھی... لیکن ہمارے ساتھ ایک عجیب حادثہ ہوا.... ہم نے کبھی بھی بیک وقت ایک دوسرے کے ساتھ محبت نہیں کی... کی لیکن الگ الگ کی... جب ہم اس نہر کے کنارے پہلی بار آئے تو میں تمہیں دیکھتی ہی جاتی تھی اور تم نہیں دیکھتے تھے... اور پھر پاکستان میں مجھے کچھ ہو گیا اور تم میری قربت کے خواہش مند تھے... اور اب ایک مرتبہ پھر میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ لیکن تم دور ہو رہے ہو.... یہ کیا ہے؟ ہم ایک دوسرے کے ساتھ الگ الگ محبت کیوں کرتے رہے ہیں۔ ایک ہی وقت میں کیوں ایسا نہیں ہوا؟"

"ایک ہی وقت کے لئے یہ جذبے اتنے شدید تھے کہ ہم شائد انہیں برداشت نہ کر سکتے ان کا الگ الگ اور مختلف وقتوں میں ہونا ہی ہمارے لئے بہتر تھا..."

میں نے اپنے کندھے پر جیسی کا ہاتھ محسوس کیا "آج رات جھیل تُھن کے کنارے آتشبازی ہے اور اُسے دیکھے بغیر تو آپ جا ہی نہیں سکتے... آؤ چلیں..."

پانی کی سطح پر میری شکل بہتی تھی اور بنتی تھی اور اس کے ساتھ جیسی کی شکل تھی جو بہتی تھی اور بنتی تھی۔